

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۸ تا ۶۹	خود داری۔	۵۸	عروض۔
۶۹	خوراک۔	۵۹	بخوم۔
۶۹ - ۷۱	آموں کی رغبت۔	"	تصوف۔
۷۱ - ۷۲	ناؤ نوش کی عادت۔		تاریخ و سیاق و مساحت سے
۷۲ - ۷۳	مذہب۔	"	اجنبیت
۷۳ - ۷۴	سلامتی طبع۔	"	خوشحالی۔
۷۴ - ۸۲	مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین۔	۵۹ تا ۶۰	انداز شعر خوانی۔
۸۲ - ۸۳	داؤ سخن۔		اخلاق و عادات و خیالات و
۸۳	انصاف۔	۶۱ - ۶۲	اخلاق
۸۳ - ۸۴	تقریب لکھنے کا ڈھنگ۔	۶۲	مروت۔
۸۴	تقریب دیوانِ تفسہ۔	۶۲ - ۶۳	فرائض و صلی۔
۸۴ - ۸۶	تقریب تصحیح آئینِ اکبری۔	۶۳	حافظہ۔
۸۶ - ۸۷	محققانہ نظر۔	۶۵	شعر فنی۔
۸۷ - ۸۸	حق پسندی۔	۶۵ - ۶۶	سخن سنجی
۸۸ - ۹۰	راست گفتاری۔	۶۶	کتاب فنی
۹۰	ما قدر دانی کی شکایت۔	۶۶ - ۶۸	سکین بیان و لطافت و شوخی۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۸-۱۳۹	مرزا کا سابقہ استعداد۔	۹۰-۹۱	سخن فہموں کی قدر۔
	مرزا کے دیوانِ ریختہ اور انکی	۹۱-۹۳	اپنے عجز کا اقرار۔
	اردو شاعری پر ریویو	۹۳-۹۶	ہجوہ لکھنا۔
	دیوانِ ریختہ کا انتخاب	۹۶-۹۸	خانگی تعلقات۔
۱۳۹-۱۶۷	غزلیات۔	۹۸-۹۹	موت کی آرزو۔
۱۶۷-۱۷۱	قطعات۔	۹۹	اخیر عمر کی حالت۔
۱۷۱-۱۷۵	رباعیات۔	۹۹-۱۰۰	مرض الموت کی حالت۔
	نثر اردو پر ریویو اور اسکا	۱۰۰	تاریخ وفات۔
۱۷۵-۱۹۵	انتخاب	۱۰۰	جنازے کی نماز۔
۱۹۵-۲۰۳	نظم و نثر فارسی پر ریمارک۔	۱۰۱-۱۰۲	شاگردوں کی کثرت۔
۲۰۳-۲۰۵	نثر فارسی پر ریمارک۔	۱۰۲-۱۰۳	سید غلام علی خان دشت۔
۲۰۵-۲۴۰	غزلیات فارسی کا انتخاب۔	۱۰۳-۱۰۴	نواب ضیاء الدین احمد خاں۔
	مرزا کی غزل کا نظیری کی غزل	۱۰۴-۱۰۵	نواب محمد مصطفیٰ خاں۔
۲۴۰-۲۴۹	سے مقابلہ	دوسرا حصہ	
	مرزا کی غزل کا ظہوری کی غزل	مرزا کے کام پر ریویو اور اسکا انتخاب	
۲۴۹-۲۸۶	سے مقابلہ	۱۰۶	تمتید۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۹-۲۳۰	نثر فارسی کا انتخاب۔	۲۲۶-۲۲۷	مرزا کی رباعیات فارسی۔
۲۱۱-۲۱۲	نثر فارسی کا مقابلہ ظہوری کی		مرزا کے قصائد فارسی پر بیارک
	نثر کے ساتھ	۲۹۶-۳۲۲	اور ان کے نمونے
	شیخ علی حزیں اور مرزا کی	۳۲۳-۳۲۵	قطعات فارسی۔
۲۱۳-۲۱۵	نثر کا مقابلہ		مرزا کے ترکیب بند کا نظیری کے
	مرزا اور ابوالفضل کی نثر	۳۲۵-۳۲۶	ترکیب بند سے مقابلہ
۲۱۶-۲۱۹	کا مقابلہ	۳۲۶-۳۲۷	مرزا کی فارسی شاعری کا نمونہ۔
۲۲۰-۲۲۸	خاتمہ۔	۳۲۷-۳۲۹	نثر فارسی پر بیارک۔

یادگارِ غالب

یعنی
جنابِ اسد اللہ خان تخلصِ غالب دہلوی کی زندگی کے حالات

اور
انکی اقسامِ نظم و نثر اردو و فارسی کا انتخاب ہر ایک قسم پر جدا گانہ یکا کر
مرتبہ

خاکسارِ الطاف حسین حالی پانی پتی

۱۸۹۷ء

محمد رستم اللہ رعد کے

نامی پریس کالمپور میں چھپی

حسب ضابطہ رجسٹری کرانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

تیرے عہد میں جیسا کہ مسلمانوں کا تشریف درجہ غایت کو پہنچ چکا تھا اور انکی دولت، عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل اور کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے؛ مگر اتفاق سے دار الخلافہ کوفہ میں چند اہل کمال ایسے جمع ہو گئے تھے جنکی صحبتیں اور جیسے عہد اکبری و شاہجہانی کی صحبتوں اور عباسوں کو یاد دلاتی تھیں؛ اور انہیں سے بعض کی نسبت مرزا غالب مرحوم فرماتے ہیں

ہند را خوش نسا نہ بخنور کہ بود باد و غلوت شاں مشک نشاں از دم شاں

مومن و تیر و متہبائی دعاوی و انجاد حسرتی آشوت و آذر وہ بود اعظم شاں

اگرچہ جس زمانے میں کہ اپنی ہی بار آتم کا دلی جانا ہوا اس باغ میں پت جبر شریع ہو گئی تھی کچھ گوشتی سے باہر نپٹے گئے تھے اور کچھ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے؛ مگر جو باقی تھے اور چپکے دیکھنے کا مجاہد ہمیشہ غم رہیگا و دہی ایسے تھے کہ نہ صرف دلی سے بلکہ ہندوستان کی خاک سے پھر کوئی دیبا اٹھنا نظر نہیں آتا؛

کیونکہ جس سانچے میں وہ ٹھٹھے تھے وہ سا بچا ہل گیا؛ اور جس ہوا میں انھوں نے نشوونما پائی تھی وہ ہوا پٹ گئی۔

زمانہ دگر گونہ آئیں نہاد شد آں مخرج کو ہینہ زریں نہاد

علی انصوح مرزا اسد اللہ خاں غالب جنگی عظمت و شان اس سے بالاتر تھی کہ انکو بارہویں صدی تیرہویں صدی ہجری کے شاعروں یا انشا پردازوں میں شمار کیا جائے۔

مرزا نے اپنی کتاب ”مہر خرو“ میں ایک موقع پر بہادر شاہ کی طعن خطاب کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ شاہجہاں کے عہد میں کلیم شاہ کو کیم وز میں تو لگایا تھا؛ مگر میں صرف اس قدر پتا ہوں کہ اوپر کچھ نہیں تو میر کا کلام ہی ایک دفعہ کلیم کے کلام کے ساتھ قول لیا جائے ”اس مضمون کو جو لوگ مرزا کے رتبے سے براقت نہیں ہیں شاید خود ستائی اور تعالیٰ پر معمول کر گئے؛ مگر ہمارے نزدیک مرزا نے اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کیا؛ بلکہ بالکل وہی کہا ہے جو ان کے زمانے کے اہل نظر اور اہل تیز نگاہی نسبت اسے رکھتے تھے۔

اگرچہ زمانے نے اپنی بسااس کے موافق مرزا کی کچھ قدر نہیں کی؛ اُن کا تمام کلام؛ اردو، فارسی، نظم، اور نثر ان کے جتنے ہی جی اطراف ہندوستان میں پھیل گیا تھا؛ ان کے ماننے والے اور مداح و ثنا خواں ملک کے ہر گوشے میں پائے جاتے تھے اور اب تک پائے جاتے ہیں؛ درحیثہ قصائد پر ان کو کم و بیش صلے اور عظمت و انعام بھی ملتے رہے؛ مروج بہادر شاہ نے بھی اپنی حیثیت کے موافق ان کی خاصی قدر کی؛ ریاست راج سے ان کے لیے اخیر دم تک مشغول و غیغہ جاری رہا؛ یہ سب کچھ ہوا؛ مگر جب مرزا کے اس اعلیٰ مرتبہ جو شاعری و انشا پردازوں میں فی الواقع انھوں نے حاصل کیا تھا۔ ٹھیک اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس پر تڑپا ہے کہ زمانے کی یہ تمام قدر دانی زیادہ سے زیادہ اُس پر نزال کی ہی قدر دانی تھی جو کہ

تی لیکر دست کی ضروری کو مصر کے اندر آئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ مرزا کی قدر جیسی کہ چاہیے یا بطلانِ لیلین
بکیر کرتا، یا جمائے و شاہجہاں؛ مگر جس قدر اس اخیر دوزیں اُنکو مانا گیا اُنکو بھی نہایت منتقم سمجھنا چاہیے۔

ایکے مفت یہاں ہم نہانے کے باتوں پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ

اگرچہ مرزا کی تمام لائف میں کوئی بڑا کام اُنکی شاعری اور انشا پر داذی کے سوا نظر نہیں آتا۔ مگر صرف
اسی ایک کام نے اُنکی لائف کو دار الخلافہ کے اخیر دور کا ایک متمم ہا نشان واقعہ بنا دیا ہے اور میرا خیال ہے
کہ اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم و نثر کا خاتمہ ہو گیا ہے؛ اور اردو نظم و نثر پر بھی اُنکا کچھ کم احسان نہیں ہے؛
اسی لیے کبھی کبھی مجھ کو اس بات کا خیال آتا تھا کہ مرزا کی زندگی کے عام حالات جس قدر کہ معتبر و درجہ ہو
معلوم ہو سکیں اور اُنکی شاعری و انشا پر داذی کے متعلق جو امور کہ احاطہ یہاں میں آسکیں اور انبانی ہاں
کی فہم سے بالاتر ہوں؛ اُنکو اپنے سلیقے کے موافق قلب بند کروں۔

پچھلے برسوں میں جبکہ میں دہلی میں مقیم تھا۔ بعض اصحاب کی تحریک سے اس خیال کو اور زیادہ تقویت
ہوتی۔ میں نے مرزا کی تصنیفات کو دوستوں سے مستعار لیکر جمع کیا؛ اور جس قدر آسمیں اُنکے حالات
اور اخلاق و عادات کا سرائع ملا اُنکو قلب بند کیا؛ اور جو باتیں اپنے ذہن میں محفوظ تھیں یا دوستوں کی زبانی
معلوم ہوئیں۔ اُنکو بھی ضبطِ تحریر میں لایا۔ مگر ابھی ترتیب مضامین کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ اور کاموں میں
صروف ہو گیا؛ اور کئی برس تک تمام یادداشتیں کا قذحہ گمٹھوں میں بندھی ہوئی رکھی رہیں۔

ان دنوں میں دوستوں کا پھر تقاضا اور بہت سخت تقاضا ہوا اور۔ یاد جو دیکھ میں ایک نہایت اہم
دلی سے ضروری کام میں صروف تھا۔ دوستوں کے تقاضے نے یہاں تک مجبور کیا کہ اُس ضروری کام کو
رہیگا دیکھو کہ یہ ملتوی کرنا پڑا؛ اور یہ خیال کیا گیا کہ جو یادداشتیں مرزا کی لائف کے متعلق بڑی کوشش سے

تج کی گئی ہیں : اور جو تھوڑی سی توبہ سے مُرتب ہو سکتی ہیں۔ اُنکو اب زیادہ حالتِ منتظر میں رکھنا مناسب نہیں
 یس نے اُن مُتنبوں کو کھولا اور اُن یادداشتوں کے مُرتب کرنے کا ارادہ کیا ؛ مگر اُن کے دیکھنے سے
 معلوم ہوا کہ مرزا کی تصنیفات پر بھر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی ؛ اور اسکے سوا کچھ اور کتابیں بھی
 درکار ہونگی ۔ میں نے دلی کے بعض بزرگوں اور دوستوں کو لکھا اور اُنھوں نے مہربانی فرما کر میری
 تمام مطلوبہ کتابیں اور جس قدر مرزا کے حالات اُنکو معلوم ہو سکے لکھ کر میرے پاس بھیج دیے ؛ اور
 اس طرح مرزا کی لائف جہاں تک کہ اسکی کسلی ہو سکتی تھی مکمل کی گئی۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ مرزا کی لائف میں کوئی سنوہہ یا شانِ واقعات اُنکی شاعری و انشاء پر داری
 کے سوا نظر نہیں آتا۔ لہذا جس قدر واقعات اُنکی لائف کے متعلق اس کتاب میں مذکور ہیں اُنکو منفی اور
 استطرادی سمجھنا چاہیے۔ اصل مقصود اس کتاب کے لکھنے سے شاعری کے اُس عجیب و غریب ملک کا
 لوگوں پر ظاہر کرنا ہے جو خدا تعالیٰ نے مرزا کی فطرت میں ودیعت کیا تھا ؛ اور جو کبھی نظم و نثر کے پیرائے
 میں ، کبھی ظرافت اور بذریعہ سخن کے روپ میں ، کبھی عشق بازی اور رزمِ مشربی کے لباس میں ، اور
 کبھی تصوف اور رُحبتِ اہلبیت کی صورت میں ظہور کرتا تھا۔ پس جو ذکر ان چاروں باتوں سے علاوہ نہیں
 رکھتا اسکو کتاب کے موضوع سے خارج سمجھنا چاہیے۔

لطیفی دنیا میں بہت سے صاحبِ کمال ایسے گزرے ہیں جنکے زمانے میں اُنکی قدر و منزلت کا پورا
 پورا اندازہ نہیں کیا گیا ؛ مگر آخر کار اُن کا کمال ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہا۔ سعدی کے زمانے میں اُسکے

اکثر ہمسرامی ہروی کو اُسپر ترجیح دیتے تھے : مگر کچھ بہت عرصہ نہ گذرا تھا کہ سعدی کا نام اور اُسکا کلام اطرافِ عالم میں منتشر ہو گیا ؛ اور ہامی کا کلام مرتن تذکروں میں باقی رہ گیا۔ شکسپیر کے قلمبند اُنکو ایک ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں دیا گیا، مگر آج اُسی شکسپیر کے درکس : اُنہل کے ہم پلہ بننے جاتے ہیں۔ خود مرزا بھی اپنے کلام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک فلاہی غزل میں فرماتے ہیں۔

تا زدیوانم کہ سرمست سخن خواہ شدن
ایں جی از قحطِ غریباری کمن خواہ شدن
کو کبم را در دم اوجِ قبولے بودہ است
شہرت شعرم پیگیتی بعد من خواہ شدن

اگرچہ اس لحاظ سے کہ ایشیائی شاعری کا مذاق یورپین سولائش میں دوز بردر جذب ہوتا جاتا ہے اور فارسی لٹریچر ہندوستان سے ایسا رخصت ہوا ہے کہ بظاہر اُسکے مراجعت کرنے کی توقع نہیں رہی۔ یہ امید رکھتی تو فضول ہے کہ مرزا کی فارسی نظم و نثر اب یا آئندہ زمانے میں مقبولِ خاص و عام ہوگی ؛ لیکن جو تو بڑو پر دے مرزا کی شاعری اور نکتہ پردازی پر اُنکی زندگی میں پُرسے رہے اور جواب تک مرتفع نہیں ہوئے ؛ کیا تعجب ہے کہ ہماری یا ہمارے بعد کسی دوسرے شخص کی کوشش سے رفع ہو جائیں۔ مرزا کو بحیثیت شاعری پہلے سے روشناس کرنے اور اُنکی شاعری کا پایہ لوگوں کی نظر میں جلوہ گر کرنے کا عمدہ طریقہ یہ تھا کہ اُنکے اصنافِ کلام میں سے ایک مقدمہ نقل کیا جاتا ، ہر صنف میں جو باتیں مرزا کی خصوصیات سے ہیں وہ بیان کی جاتیں ، جو کلام نقل کیا جاتا اُنکی لفظی و معنوی خوبیاں نکالتیں ، اور باہر کی زبانِ ظاہر کی باتیں ، شعرا کے جس طبقے میں مرزا کو جگہ دینی چاہیے اُس طبقے کے شاعروں کے کلام سے مرزا کے کلام کا موازنہ کیا جاتا ، اُنکی غزل سے مرزا کی غزل کو ، قصیدے سے قصیدے کو ، اور اسی طرح ہر صنف سے اُسی صنف کو لکرایا جاتا ، اور اس طرح مرزا کے پایہ شاعری اور اُنکے

کلام کی حقیقت سے اہل وطن کو خبردار کیا جاتا۔ مگر یہ طریقہ جس قدر معتد کے حق میں دشوار گزار تھا
 اسی قدر پبلک کے لیے خاص کر اس زمانے میں غیر مفید بھی تھا؛ اگر ہم اس دشوار گزار منزل کے نئے کرنے
 میں کامیاب بھی ہو جاتے تو ہماری وہی مثل ہوتی کہ دروغی اپنی جان سے گئی اور کھانیہ لوگوں کو کچھ فائدہ آیا۔
 ناچار ہم نے بجائے طریقہ مذکور کے جو حالت موجودہ میں باوجود دشوار ہونے کے غیر مفید بھی ہے
 اس موقع پر ایک ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جو ہمارے لیے سہل تر اور پبلک کے لیے مفید تر معلوم ہوتا ہے۔
 ہمارے دوسرے حصے میں مرزا کے تمام کلام کو چار قسموں پر تقسیم کیا ہے؛ نظم، اردو، نثر، اردو، نظم فارسی
 اور نثر فارسی، اور اسی ترتیب سے ہر قسم کا قصہ، قصہ، انتخاب چار جدا جدا فصلوں میں درج کیا ہے۔ ہر قسم پر اول کچھ
 مختصر پیرا کیے ہیں۔ پھر اس قسم کا انتخاب لکھا گیا ہے۔ اور چار اشعار یا فقرے شرح طلب سمجھے ہیں انکی یا بجا شرح
 بھی کر دی گئی ہے۔ اور کہیں کہیں خاص کلام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور آخر میں خاص کر ان لوگوں کے لئے جو
 فارسی لطیفہ کا صحیح مذاق رکھتے ہیں۔ نمونے کے طور پر مرزا کے کسی قدر فارسی کلام کا موازنہ ایران کے مسلم الثبوت
 استادوں کے کلام کے ساتھ کر کے دکھایا ہے کہ مرزا نے فارسی لطیفہ میں کس درجے تک کمال ہم پہنچایا تھا۔
 مذکور بالا انتخاب سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ مرزا کے کلام میں جس قدر بلند اور پاکیزہ خیالات تھے
 وہ سب لے لئے گئے ہیں؛ اور جو ان سے بہت درجے کے خیالات تھے وہ چھوڑ دیے گئے ہیں؛ نہیں۔
 بلکہ یہ ہے کہ اس رسالے کی مبادی اور وسعت کے موافق تا بقدر ہر ایک صنعت میں سے کم و بیش ایسا
 کلام لے لیا گیا ہے جو اس زمانے کے لوگوں کے مذاق سے بیگانہ اور انکی فہم سے بعید تر نہ ہو؛ اور ہر دور
 اسکے نمونہ کی نظر میں بھی بوجہ من الوجہ انتخاب کے قابل ہو۔

اس انتخاب سے جبکہ مرزا کے تمام کلام کا نمونہ سمجھنا چاہیے کئی فائدے تصور کیے گئے ہیں۔ ایک کہ

جو لوگ شعر کی سمجھ اور اس کا عمدہ مذاق رکھتے ہیں، ان کو بغیر اسکے کہ تمام کلیات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہو۔ مرزا کا ہر قسم کا عہد کلام ایک جگہ جمع کیا ہوا مل جائیگا۔ دوسرے جو لوگ مرزا کا کلام اتنی ہی طرح نہیں سمجھ سکتے وہ بسبب اسکے کہ ہر شکل شعر یا فقرے کے معنی حل کر دیے گئے ہیں۔ مرزا کے خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل کر لیں گے۔ اور دونوں طبقوں کو معلوم ہو جائیگا کہ مرزا نے قوتِ تخیل اور ملکہ شاعری کس درجے کا پایا تھا، اور کس خوبی اور لطافت سے وہ نہایت نازک اور دقیق خیالات کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ادا کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

انفرض یہ رسالہ دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلے حصے میں مرزا کی زندگی کے واقعات۔ جہاں تک کہ معلوم ہو سکے۔ اور ان کے افلاق و عادات و خیالات کا بیان ہے۔ انہیں حالات کے ضمن میں ان کی خاص خاص نظمیں یا اشعار جو کسی واقعے سے علائقہ رکھتے ہیں، اور ان کے لطافت و نوا درجن سے مرزا کی طبیعت کا اصلی جوہر، اور ان کی تکوین کی قوت نہایت واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے اپنے موقع پر ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں مرزا کے تمام کلام نظم و نثر اردو اور فارسی کا انتخاب؛ اور ہر قسم پر جدا جدا اور نئے اور آفریں مرزا کے کسی قدر کلام کا موازنہ ایران کے بعض مسلم الشہرت استادوں کے کلام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ خاتمہ کتاب پر ایک مختصر بیوی مرزا کی تمام لائق اور ان کی طرز شاعری و انشا پر دہری پر لکھا گیا ہے؛ جس کو ساری کتاب کا لب لباب سمجھنا چاہیے۔

اگرچہ مرزا کی لائق۔ جیسا کہ ہم آئندہ کسی موقع پر بیان کرینگے۔ ان قافوں سے خالی نہیں ہے جو ایک بانیو گرنی سے حاصل ہونے چاہئیں۔ لیکن اگر ان قافوں سے قطع نظر کچھ جائے تو بھی ایک ایسی زندگی کا بیان جس میں ایک خاص قسم کی زندہ دلی اور نگشتگی کے سوا کچھ نہ ہو۔ ہماری شہرہ اور

دل مردہ سوسائتی کے لیے کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ اسکے سوا ہر قوم میں عموماً اور گری ہوئی قوموں میں
 خصوصاً، ایسے عالی فطرت انسان شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں جنکی ذات سے (اگرچہ قوم کو براہ راست
 کوئی مستدیر فائدہ نہ پہنچا ہو) لیکن کسی علم یا صنعت یا لٹریچر میں کوئی حقیقی اضافہ کم و بیش ظہور میں آیا ہو،
 اور سائنس کے ذخیرے میں کچھ نیا سرمایہ شامل ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کی لافٹ پر غور کرنا، اُنکے ورکس میں
 چھان بین کرنی، اور اُنکے نوادرات کا سے مستفید ہونا، قوم کے اُن فرائض میں سے ہے جن سے
 غافل مہنا قوم کے لیے نہایت افسوس کی بات ہے۔ جیسا کہ خود مرزا ایک جگہ لکھتے ہیں "حیف کہ
 ابنائے روزگار حسن گفتار و دانشاقتند۔ مرا خود دل برائیاں می سوزد کہ کامیاب شناسائی فرہ ایزدی نگشتند
 و انہیں نمایشہای نظر فروز کہ وہ قلم و شربکار پر وہ ام۔ سرگراں گذشتند۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز کتاب

میرزا اسد اللہ خان غالب المعروف بہ میرزا فرشتہ، الطالب بہ نجم الدولہ و میر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ، المتخلص بہ غالب در فارسی و آسند در ریختہ؛ شب ہشتم ماہ رجب سلسلہ ہجری کو شہر اگرہ میں پیدا ہوئے۔ مرزا کے خاندان اور اصل و گورہ کا حال۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں بجا بجا ظاہر کیا ہے۔ یہ ہے کہ انکے آباؤ اجداد ایک قوم کے ترک تھے؛ اور ان کا سلسلہ نسب ابن فریدوں تک پہنچتا ہے۔ جب کیانی تمام ایران و توران پر مسلط ہو گئے، اور تورانیوں کا جاہ و حلال دنیا سے رخصت ہو گیا؛ تو ایک مدت دراز تک ٹوڑی نسل ملک و دولت سے بے نصیب رہی۔ مگر تلواریں ہاتھ سے نہ چھوٹی؛ کیونکہ ترکوں میں قدیم سے یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ باپ کے سرور کیسے بیٹے کو تلواریں سوا اور کچھ نہ ملتا تھا؛ اور کل مال و اسباب اور گھر و باڑی کے حصے میں آتا تھا۔ بس ایک مدت کے بعد اسلام کے عہد میں ایسی تلواریں بدولت ترکوں کے بختِ ٹھٹھے نے پھر کر ڈٹ بدلی؛

اور سلجوقی خاندان میں ایک زبردست سلطنت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ کئی سو برس وہ تمام ایران و توران و شام و روم یعنی ایشیائے کوچک پر حکمراں رہے۔ آخر ایک مدت کے بعد سلجوقیوں کی سلطنت کا فائدہ ہوا، اور سلجوق کی اولاد جابجا منتشر و پراگندہ ہو گئی۔ انہیں میں سے ترسم خاں نام ایک میرزا دے نے سمرقند میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مرزا کے دادا جو شاد عالم کے زمانے میں سمرقند سے ہندوستان میں آئے وہ اسی ترسم خاں کی اولاد میں تھے۔ مرزا منیر محمد زکے دیباچے میں لکھتے ہیں

”ازد اسپان این قافلہ نیاسے من۔ کرد و رفت و ماوراء النہر سمرقند شہر مسقط الاراس و سے بود۔ چوں سیل
 کہ از بالا بہتیبی آید از سمرقند بہند آمد۔“ اور درفش کاویانی میں اسطرح لکھا ہے ”بالجملہ سلجوقیاں بعد ز دہل
 دولت و برہم خوردن ہنگامہ سلطنت در آئیم وسیع الفضا می ماوراء النہر پراگندہ شدند۔ انہاں جملہ سلطان
 ترسم خاں کہ از تخمہ او نیم سمرقند را بہر اقامت گزید۔ تا در عہد سلطنت شاد عالم نیاسے ان سمرقند بہند آمد۔“
 مرزا کے دادا کی زبان بالکل ترکی تھی، اور ہندوستان کی زبان بہت کم سمجھتے تھے۔ اُس زمانے میں
 ذوالفقار الدولہ مرزا بخت خاں شاد عالم کے دربار میں دخل کھی رکھتے تھے بخت خاں نے مرزا کے
 دادا کو سلطنت کی حیثیت کے موافق ایک عمدہ منصب دلوا دیا اور پہاسو کا سیر حاصل پر گنہ ذات اور
 رسالے کی تحوا میں مقرر کر دیا۔ انکے کئی بیٹے تھے جن میں سے دوسرے نام معلوم ہیں؛ ایک مرزا کے باپ
 عبداللہ بیگ خاں عرف میرزا دولہا اور دوسرے نصر اللہ بیگ خاں عبداللہ بیگ خاں
 کی شادی خواجہ غلام حسین خاں کیدان کی بیٹی سے ہوئی تھی؛ جو کہ سرکار میرٹھ کے ایک
 ممتاز فوجی افسر اور عمائد شہر آگرہ میں سے تھے۔ مرزا عبداللہ بیگ خاں نے بطور خانہ داماد کے اپنی

تمام عمر سسرال میں بسر کی؛ اور ان کی اولاد نے بھی وہیں پرورش پائی۔ مرزا عبداللہ بیگ خاں کے دو بیٹے ہوئے؛ ایک مرزا اسد اللہ خاں؛ اور دوسرے میرزا یوسف خاں۔ جو ایام شباب میں بخون ہو گئے تھے اور اسی حالت میں ششہا میں انتقال کیا۔

مرزا کے والد عبداللہ بیگ خاں۔ جیسا کہ مرزا نے خود ایک خط میں لکھا ہے۔ اول لکھنؤ میں جا کر نواب آصف الدولہ کے ہاں نوکر ہوئے؛ اور چند روز بعد وہاں سے حیدرآباد پہنچے؛ اور سرکارِ صفی میں تین سو سوا کی محبت سے کئی برس تک ملازم رہے۔ مگر وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے کھیرے میں جاتی رہی؛ اور وہ واپس آگے میں چلے آئے۔ یہاں آکر انھوں نے الوداعہ کیا۔ راجہ بختا ر سنگھ نے اچھی آنکھ کوئی خاطر خواہ نوکری نہیں دی تھی کہ اتفاق سے انھیں دنوں میں ایک گودھی کے بیٹہ راج سے بھر گئے۔ جو فوج اس گودھی پر سرکوبی کے لیے بھیجی گئی اسکے ساتھ مرزا عبداللہ بیگ خاں کو بھی بھیجا گیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی ان کے گولی لگی اور وہیں اٹھا انتقال ہو گیا؛ اور راج گدھ میں دفن ہوئے۔ راجہ بختا ر سنگھ رئیس اور نے دو ٹوکا نو سینیر حاصل اور کسی قدر روزینہ مرزا مرحوم کے دو نو لڑکوں کی پرورش کے واسطے مقرر کر دیا؛ جو ایک مدت دراز تک جاری رہا۔ مرزا کے والد کی وفات کے بعد انکے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے انکو پرورش کیا۔

جب سرکارِ انگریزی کی عمارتیں ہندوستان میں اچھی طرح قائم ہو گئی، اور نواب نواز الدولہ خورشید

مرزا نے جو قصیدہ راجہ شیردیاں سنگ کی صبح میں لکھا ہے، اس کے لکھنے میں

مرزا نے اپنی تہ و ام جا کر حضورؐ کی مجلسِ عزیمت میں درجِ ذیل غزل و دہم گوشِ مقلدینہ جو شہت سال۔ انکوں کو تہمت و رسالہ تہا
ایہ شہید رازِ نامیساں باہر گاہ۔ یا شہادتِ تہذیبِ انبیاں دیا رہ۔ کافی خود مشاہدہ شاہِ مہر و مست۔ درحاکمِ راج گڑھ پر ہم راہ و مرزا ۱۲

لارڈ ایک کے لشکر میں شامل ہوئے؛ تو انہوں نے مرزا غالب کے چچا نصر اللہ بیگ خاں کو - جرج سے
 نواب مرموق کی ہمیشہ مشرب تھیں - سرکاری فوج میں عیدہ رسالہ داری ملازم کر دیا۔ اُن کی ذات اور سکا
 کی تحفہ میں دو پگنے یعنی سوئیک اور سونابو فوج اگر وہ میں واقع ہیں - سرکار سے اُن کے نام پر مقرر
 ہو گئے۔ جب تک وہ زندہ رہے دونوں پر گئے اُن کے نامزد رہے؛ اور اُن کی وفات کے بعد اُن کے وارثوں
 اور متعلقوں کی پینشنیں سرکار نے فیروز پور جھڑکی ریاست سے مقرر کر دیں جس میں سے سات سو روپے
 سالانہ مرزا کو آخر اپریل ۱۸۵۷ء تک برابر ملتا رہا۔ مگر فتح جلی کے بعد تین برس تک قلعے کے تعلقات کے
 سبب یہ پینشن بند رہی۔ آخر جب مرزا کی ہر طرح سے بریت ہو گئی تو پینشن پھر جاری ہو گئی؛ اور تین برس کی
 واصلات بھی سرکار نے عنایت کی۔ جب تک پینشن بند رہی مرزا کے دوستوں کو نہایت غلظت خاطر رہا۔
 اکثر لوگ پینشن کا حال دریافت کرنے کو خفا بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ میر ممدی نے اسی مضمون کا خط بھیجا
 تھا؛ اُس کے جواب میں مرزا صاحب لکھتے ہیں ”میاں بے رزق جیسے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہے؛ اس طرف سے
 خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینہ روزے کھا کھا کر کاٹا؛ خدا رزاق ہے؛ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے۔“
 مرزا نے اپنے علو خاندان پر جایا فارسی اشعار میں فخر کیا ہے چونکہ اُن میں سے بعض اشعار لطافت
 سے خالی نہیں اس لیے اس مقام پر نقل کیے جاتے ہیں۔ قطعہ

خالب از خاک پاک تو را نیسم	لا جسم در نسب فرو مستدیم
ترک زادیم و در شرادہ	یہ سترگان قوم پیو ندریم
ایکسیم از جماعہ اتراک	در مقامی ز ماہ وہ چسندیم

مذہب ترک تھی یہ کرب اسے اور کچھ ہے۔ آجے چاند کو اور ایک مال اور زنگ کو کہتے ہیں پس ایک کے معنی ماہ تمام و بزرگ کے
 ہیں۔ اسی لئے مرزا نے کہا ہے ”در مقامی ز ماہ وہ چسندیم“ ۱۳

فن آباے ماکشا در زیت مرزاں زادہ سمر قدیم
 درز معنی سخن گزار دہ خود چہ گویم تا چہ و چندیم
 فیض حق را کیست ناگردیم عقل کل را ہیست فزندیم
 ہم یہ تابش پر برق ہفتیم ہم یہ بخشش پر ابرماندیم
 یہ ملاشتہ کہ است فیہ وزیم بعاثے کہ نیست خرسندیم
 ہمسہ بر خوشن ہے گرمیم ہمسہ بر روزگاری خندیم

قطعہ

ساق اچو سن پشنلی وافر ایامیم دانی کہ اہل گوہرم از دودہ جمست
 میراث جم کٹے بود اکون بن سپاد نہیں پس رسد بہشت کہ میراث آدمست

رباعی

غالب یہ گرز دودہ زاد ششم تاں رو بھغای دم تہمت دم
 چوں رفت پہندی ز دم چنگ شہر شد تیر شکستہ بریناگاں مسلم

مرزا غالب نے اپنے چھوٹے بھائی کے بہن شوہر تک آگے ہی میں رہے ؛ اگرچہ سات برس پہلے
 کی عمر سے وہ وہلی میں آنے جانے لگے تھے لیکن شادی کے بعد تک انکی مستقل سکونت آگے ہی میں
 رہی اور فیح معظمہ اس زمانے میں آگے کے نامی سٹروں میں سے تھے ان سے تعلیم پاتے رہے ۔ انکے
 بعد ایک شخص پارس ترازو جسکا نام آتش پرستی کے زمانے میں ہر فرقہ تھا اور بعد مسلمان ہونے کے

ہم رنگ از سیا کے اچہ کا نام ہے ۔ چچ زاد شرم تو یہ ایک مہار اور رنگ کے اچہ کا نام ہے

عبد الصمد رکھا گیا ؛ غالباً اگر سے میں سیاحت وارد ہوا ؛ جو کہ دوبرس تک مرزا پاس اول گھر سے
 میں اور پھر دلی میں مقیم رہا ؛ میرزا نے اُس سے فارسی زبان میں کسی قدر بصیرت پیدا کی ۔ اگر کبھی
 کبھی مرزا کی زبان سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ ”مجھ کو مبداء فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے ؛ اور
 عبد الصمد محض ایک فرضی نام ہے ۔ چونکہ مجھ کو لوگ بچے اُستاد کہتے تھے اُن کا منہ بند کرنے کو میں نے
 ایک فرضی اُستاد گھڑ لیا ہے “ مگر اس میں شک نہیں کہ عبد الصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا
 اور مرزا نے اُس سے کم و بیش فارسی زبان سیکھی تھی ۔ چنانچہ مرزا نے بابا جی اسکے تلمذ پر اپنی تحریروں
 میں تحریر کیا ہے اور اس کو لفظی تفسار جو پارسیوں کے ہاں نہایت تعلیم کا لفظ ہے یاد کیا ہے ۔ لیکن جیسے
 مرزا نے اپنی بعض تحریروں میں تصریح کی ہے ۔ مرزا کی چودہ برس کی عمر تھی جب عبد الصمد اُن کے
 مکان پر وارد ہوا ہے اور کل دوبرس اُسے وہاں قیام کیا ۔ پس جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا
 کو کس عمر میں اُسکی صحبت میں آئی ، اور کس قدر قلیل مدت اُسکی صحبت میں گزری ؛ تو عبد الصمد اور
 اُسکی تعلیم کا عدم وجود برابر ہو جاتا ہے ۔ اس لیے مرزا کا یہ کتنا کچھ غلط نہیں ہے کہ مجھ کو مبداء فیاض
 کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے ۔

ایک جگہ مرزا نے مبداء فیاض سے مستفید ہونے کا مضمون نہایت عمر کی سے باندھا ہے اور وہ
 شعر یہ ہے

انچہ در مبداء فیاض بود آن من ست گل جدا ناشدہ از شاخ برامان من ست

ایک اور مقام پر اس سے بھی عمدہ طریقے سے یہ مطلب ادا کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں

باخذ فیض ز سبداً خردم از اسالات کہ بودہ ام قدر سے دیر تر دران در گاہ

نمودن ہماں در ہزار و ست و دو شبِ ظہور خسرو سعدی پیشش صد و پنجاہ

علامہ احمد علاوہ فارسی زبان کے جو اسکی مادری زبان اور اسکی قوم کی مذہبی زبان تھی۔ عربی زبان کا بھی۔ جیسا کہ مرزا نے لکھا ہے۔ بہت بڑا فاضل تھا۔ اگرچہ مرزا کو اسکی صحبت بہت کم میسر آئی؛ مگر مرزا جیسے جو ہر قابل کو صغیرین میں ایسے شفیق، کامل، اور جامع اللسانین استاد کا بل جانا ان نوادر اتفاقات میں سے تھا جو بہت کم واقع ہوتے ہیں۔ اگرچہ مرزا کو اُس سے زیادہ مستفید ہونے کا موقع نہیں ملا؛ مگر اُسکے فیض صحبت نے کم سے کم وہ ملکہ ضرور مرزا میں پیدا کر دیا تھا جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ ”اگر حاصل شود خواندہ و ناخواندہ برابرست؛ و اگر حاصل نشود ہم خواندہ و ناخواندہ برابر“ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کی حسنِ قابلیت اور حسنِ استعداد نے علامہ کے دل پر گہرا نقش ثبت کر دیا تھا کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد بھی وہ مدت تک مرزا کو نہیں بھولا۔ انواب مصطفیٰ قاں مرحوم کہتے تھے کہ ملا کے ایک خط میں جو اُس نے مرزا کو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ لکھا تھا ”اے عزیز چو کسی؟ کہ بایں ہمہ آزاد بیابا گاہ گاہ بخاطرے گذری“، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ دوبرس کے قلیل عرصے میں وہ مرزا کو سکھا سکتا تھا اُنیں ہرگز مضائقہ نہ کیا ہوگا اور جیسا کہ قاطع برہان اور درفش کاویانی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اُسے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گراں پاریوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جنگو فارسی زبان کے سمجھنے میں بہت بڑا دخل ہے اور پاریسی و سنسکرت کا متحدہ الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے دل میں بوجہ اوتنے تہ نشین کر دی تھیں۔

ایزک مرزا کے چچا کا رشتہ نواب فخر الدولہ کے خاندان میں ہو چکا تھا اور اس لئے اُن کے خاندان سے ایک نوع کا تعلق پیدا ہو گیا تھا؛ مرزا کی شادی نواب فخر الدولہ کے چھوٹے بھائی مرزا امین علی معروت کے ہاں قرار پائی۔ اور جیسا کہ مرزا نے ایک رقعہ میں اشارہ کیا ہے۔ تیرہ برس کی عمر میں، جب مشائخہ بھری۔ کو اُن کا عقد ہو گیا۔ اس تقریب سے اُن کی آمد و رفت دلی میں زیادہ ہو گئی۔ اور آخر کار یہیں سکونت اختیار کر لی اور اخیر عمر تک دلی ہی میں رہے۔

مرزا کے انا کی جاگیر میں متعدد دیہات اور اگرہ شہر میں بہت بڑی املاک تھیں۔ وہ منشی شہزادہ رئیس اگرہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں "میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر منشی دھر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے عزیز و بلند ہو۔ اب تم کو مشفق و مکرّم لکھوں تو گنہگار۔ مگر ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم؟ مجھے سنو! تمھارے پرداد اعلیٰ حضرت خاں میں میرے انا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے انا نے نوکری ترک کی، اور گھر بیٹھے، تو تمھارے پرداد نے بھی مکر کھول دی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے یہ دیکھا کہ منشی منشی دھر خاں صاحب کے ساتھ ہیں؛ اور انھوں نے جو کچھ تم کا نوابی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا ہے تو منشی دھر اس امر کے متصرّم ہیں؛ اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہمہ کرتے۔ شاید منشی منشی دھر مجھے ایک دو برس بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں۔ انیس "میں" برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر اُن کی؛ اہم شہنشاہ اور اختلاط اور محبت؛ آدمی آدمی رات گزر جاتی تھی؛ چونکہ گھر اُن کا بہت قریب نہ تھا اس واسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے۔ میں ہمارے اور اُن کے مکان میں مچھیا ریزی کا گھر

اور ہارسے ڈوکرٹ درمیان تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے کہ جواب لکھی چند سیڑھوں نے مولے لی ہے
 اسی کے دروازے کی ٹکیں بارہ دری پر میری نشست تھی۔ اور پاس اس کے ایک کھٹیا والی حویلی
 اور سلیم شاہ کے تکیے کے پاس دوسری حویلی، اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی، اور اُس سے
 آگے بڑھ کر ایک کڑا۔ کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا۔ اور ایک کڑا کہ وہ کسیرن والا کہلاتا تھا۔ اس
 کڑے کے ایک کونے پر من پنگ اڑتا تھا؛ اور راجہ بدوان سنگھ سے پنگ لڑا کرتے تھے۔ وہ صبح
 تا سہ ایک سپاہی ہمارے دادا کا پیشہ مست رہتا تھا اور وہ کڑوں کا کرایہ اگا کر جمع کر داتا تھا۔ بعد
 تم سنو تو سنی! ہمارا دادا بہت کچھ پیدا کر گیا۔ علاقے مولے تھے اور زمیندار اپنا کر لیا تھا۔ بٹ
 بارہ ہزار روپے کی سرکار کی مالگہ آری کرتا تھا۔ آیا وہ سب کارخانے ہمارے ہاتھ آئے نہیں؟
 اسکا حال اوروں سے تفصیل جلد مجھ کو لکھو۔ اس خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے نانا کی
 آگرے میں ایک خاصی سرکار تھی جسکی بدولت ان کے ملازم اور متوسلین دس دس بارہ ہزار کے
 مالگہ دار بن گئے تھے؛ اور مرزا کا بچپن اور عنوان شباب بڑے اچھے ملاؤں میں بسر ہوا تھا۔

اہل دہلی میں سے جن لوگوں نے مرزا کو جوانی میں دیکھا تھا ان سے سنا گیا ہے کہ عنوان شباب
 میں وہ شہر کے نہایت حسین و خوش رو لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور بڑھاپے میں بھی جبکہ
 راقم نے پہلی ہی بار ان کو دیکھا ہے۔ صحت اور خوبصورتی کے آثار ان کے چہرے اور قد و قامت
 اور ذیل ڈول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ مگر اخیر عمر میں قلب خوراک اور امراض دائمی کے
 سبب وہ نہایت نحیف و زار و تزار ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ ماڈرست چکلا قد کشیدہ اور ہاتھ پانوں بڑے
 تھے اس حالت میں بھی وہ ایک نووار و تورانی معلوم ہوتے تھے۔

دن میں اُنکے قیام کا زمانہ قریب پچاس برس کے معلوم ہوتا ہے۔ اس تمام مدت میں انھوں نے
 غالباً یہاں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا۔ ہمیشہ کرائے کے مکانوں میں رہا کیے۔ یا ایک مدت
 تک یہاں کائے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے تھے۔ جب ایک مکان سے جی اکتایا
 اسے چھوڑ کر دوسرا مکان سے لیا۔ مگر قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھانک یا اسکے قریب جوا
 کے سوا کسی اور متلع میں جا کر نہیں رہے۔ سب سے اخیر مکان جس میں اُن کا انتقال ہوا حکیم
 محمود خاں مرحوم کے دیوانخانے کے مقتل مسجد کے عقب میں تھا جسکی نسبت دہکتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے یہ بندہ کیسہ ہمسایہ فدا ہے

جس طرح مرزا نے تمام عمر رہنے کے لیے مکان نہیں خریدا اسی طرح مطالعے کے لیے بھی۔ باوجودیکہ
 ساری عمر تصنیف کے شغل میں گزری۔ کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک شخص کا
 یہی پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کی دکان سے لوگوں کو کرائے کی کتابیں لادیا کرتا تھا؛ مرزا صاحب
 بھی ہمیشہ اُسی سے کرائے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔

ظاہراً مرزا نے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا۔ اسی سفر کی آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ
 اور بنارس میں بھی ٹھہرے تھے۔ کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں
 نے وفات پائی تھی اُس وقت مرزا کی عمر نو برس کی تھی اور اُن کے بھائی کی عمر سات برس کی
 تھی۔ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد اُن کے متعلقوں اور وارثوں کے لیے۔ جن میں مرزا
 اور اُنکے بھائی بھی شریک تھے۔ جو فیشن گورنمنٹ نے ریاست فیروز پور جھڑ پر محمول کر دی تھی جینک
 مرزا صغیر سن رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے۔ جب سن تیز کو پہنچے اور شادی بھی ہو گئی۔

مطالعہ

لکھنؤ

عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ آٹا تھا وہ بھی چند روز میں سب خرچ ہو گیا؛ لاجاً رفاکر معاش دانگیں مونی۔ اول مرزا کو غلطیاں صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروز پور سے جس قدر منشن ہمارے خاندان کے لیے گورنمنٹ نے مقرر کرائی تھی اُس قدر ہکو نہیں ملتی۔ فیروز پور نے سخت تنگ کر رکھا تھا؛ اور درخواستوں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا؛ اور مرزا صاحب نے بھائی کو جنون ہو گیا؛ مرزا جیسے آزاد منشا آدمی کے لیے یہ وقت نہایت سخت تھا؛ اُس کشمکش میں اُنکو اسکے سوا اور کچھ نہ سوجھا کہ کلکتے پہونچکر سوپریم گورنمنٹ میں منشن کی بابت استغاثہ پیش کریں۔ چنانچہ مرزا اُس حالت کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں ”ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرفہ، و غوغای دامن خواہاں یک سو؛ آشوبے چہیرانہ کہ نفس را بلب، و گناہ روزہ چشم فراموش کرد؛ و گیتی بدیں روشنی روشنای در نظر تیرہ و تار شد۔ بابے از سخن و دختہ، و چشمے از خوشی فراموشی۔ جہاں جہاں شکستگی؛ و عالم عالم خشکی با خود گرفتیم؛ و از میدان روزگار نالاں، و سینہ بدم تیغ مالان۔“

غرض کہ مرزا کی عمر کچھ کم پالیٹس برس کی تھی جبکہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے۔ کلکتے میں لوگوں نے اُنکی بہت خاطر و درارت کی اور اُن کو کامیابی کی امید دلائی۔ اسٹرلنگ صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند نے جنگی مع میں مرزا کا فارسی قصیدہ اُنکے کلیات میں موجود ہے؛ و دعا کیا کہ تمہارا حق ضرور تمکو ملے گا کول برک صاحب جو اُس وقت دلی میں ریزیڈنٹ تھے اُنہوں نے دلی ہی میں مرزا سے عہدہ رپورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ ان امیدوں کے دھوکے میں وہ پورے دو برس کلکتے میں رہے؛ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ گورنمنٹ نے سر جان سلیم

گورنر بنی سے۔ جو لارڈ لیک کے سکریٹری روچکے تھے، اور انھیں کے روبرو جاگیروں اور پنشنوں کی سندیں یوگوں کوئی تھیں، مرزا کے معاملے کی بابت استفسار کیا۔ انھوں نے مرزا کے دعوے کو غلط بتایا اور جس طرح اور جس قدر پنشن فیروز پور سے ملنی قرار پائی تھی اسکی مفصل کیفیت۔ جو مرزا کے دعوے کے بالکل برخلاف تھی۔ گورنمنٹ میں بھیج دی۔ جب یہاں سے مرزا کو مایوسی ہوئی تو انھوں نے ولایت میں اپیل کیا، مگر وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔

مرزا صاحب نے گورنمنٹ ہند سے پانچ درخواستیں کی تھیں؛ ایک تو یہی کہ اُنکے خیال کے موافق جو مقدار پنشن کی سرکار نے تقویٰ ہے وہ آئندہ پوری ملا کرے۔ دوسری یہ کہ اب تک جس قدر کم پنشن ملتی رہی ہے اسکی اصلاحات ابتدا سے آج تک ریاست فیروز پور سے دلوانی جائے۔ چونکہ پہلی درخواست نامنظور ہوئی تھی (اس لیے دوسری درخواست کیونکر منظور ہوتی) تیسری درخواست یہ تھی کہ کل پنشن میں جو حصہ میرا قرار پائے وہ اور شرکا سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چوتھی یہ کہ پنشن فیروز پور سے خزانہ سرکار میں منتقل ہو جائے؛ تاکہ رئیس فیروز پور سے مانگنی نہ پڑے۔ یہ دونوں درخواستیں منظور ہو گئیں اور اُنکے موافق اخیر تک حیدر آباد پانچویں درخواست خطاب اور خلعت کی تھی۔ جہاں تک معلوم ہے کوئی خطاب گورنمنٹ سے مرزا کو نہیں ملا۔ لیکن گورنمنٹ نے مرزا کو کل گورنمنٹ سے اُن کو خانہ صاحب بسیار مہربان دوستاں لکھا جاتا تھا۔ اور جب کبھی دلی میں دیر سے یا فٹنٹ گورنر کا دربار ہوتا تھا تو اُنکو بھی مثل دیگر رؤسا و اہل شہر کے بلایا جاتا تھا۔ اور سات پادچہ کا خلعت مع جینہ و سرترچ و مالابہ و دروید کے اُنکو برابر ملتا رہا۔ اور تمام لوکل حکام اور افسرانے رئیس زادوں کی طرح ملتے رہے۔

اٹکتے کے قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے مرزا کے کلام پر اعتراض کیے تھے اور اپنے
 اعتراضوں پر قتل کا قول سند پیش کیا تھا۔ مگر مرزا ہندوستان کے فارسی گو شاخوں میں
 خسرو کے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں ”اہل ہند میں سوا
 خسرو دہلوی کے کوئی مسلم البتہ نہیں؛ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھینک نکل جاتی ہے۔“
 اسی لیے وہ قتل و واقف وغیرہ کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے قتل کا نام سنکر
 ہلاک بھوں پر حائی اور کما کما میں دھڑولی سنگھ فرید آباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا اور ان
 کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا۔ اور اپنے کلام کی سند میں اہل زبان کے
 اقوال پیش کیے۔ اس پر معترضین میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوا اور مرزا پر اعتراضوں
 کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اگرچہ مرزا کے طرفدار بھی لکھتے ہیں بہت تھے مگر چونکہ مرزا اعتراض اور
 مخالفت سے بہت جڑ پڑھرتے تھے۔ ان کے گہرا دینے کو ایک معترض بھی کافی تھا۔ انھوں نے
 تنگ آکر ایک مثنوی موسوم بہ یادِ مخالفت۔ جس میں اپنی غریب الوطنی کا ذکر اور اہل کلاں
 کی نامہ رانی کی شکایت اور ان کے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی اور معنائی اور
 درد انگیز طریقے سے بیان کیے ہیں۔ لکھی۔ یہاں اس مثنوی کے کچھ کچھ اشعار مختلف مقامات
 سے نقل کیے جاتے ہیں۔

وے میسا دمان نادرہ فن

اے تاشایان بزم سخن

خوش نشینان بایں بابا تنگ

اے گرانمایگان عالم حرف

مرزا قتل نہ ہوئے؛ اسلام دہ سے پہلے ان کا نام دھالی سنگھ تھا اور وہ فرید آباد ضلع دہلی کے کھتری تھے۔ مسلمان ہونے
 کے بعد کھنڈو چلنے لگتے جہاں ان کی نہایت قدر ہوئی ۱۲

مجاہد
رب
کھنڈو

مثنوی
بہت

اسے سخن پروردانِ کلکتہ
 ہریکے صدر بزمِ بارگے
 ہریکے پیش تازی قافلہ
 اسے بہ شغل و کالت آمادہ
 اسے شکر فان عالم انصاف
 اسے سخن را طراز جاں دادہ
 عطرِ مغربہ گیتی افشاں
 اسے گرامی فنانِ بخت گو
 اسے ریمانِ این سدا عظیم
 انجمنِ آرمیدہ این شہر
 اسد اللہ بخت برگشتہ
 گرچہ ناخواندہ میہمانِ ثنات
 بہ نظلم رسیدہ است اینجا
 آرمیدن دہید روزے چار
 کارا حجاب ساختن رستم
 ان ردہ در رسم کار سازی کو
 کیستم؟ دل شکستہ غمزدہ
 وسے زباں اورانِ کلکتہ
 شمعِ خلوت سرے کار گئے
 ہریکے کتخدا سے مرحلہ
 داد غنچہ اور بے جہاں دادہ
 مہفارت رسیدہ از اطراف
 صغی را ساز گلستاں دادہ
 پہلوانانِ پساوی داناں
 فننہ دریا کشتانِ غمزدہ جو
 وسے فراہم شدہ زلفتِ اعلیم
 بہر کار سے رسیدہ این شہر
 در حشم و بیجِ عجب سرگشتہ
 بے سخن - ریزہ بینِ قرآنِ ثنات
 بامید آرمیدہ است اینجا
 خستہ را بہ سایہ دیوار
 میہماں را تو افتن رستم
 شیبہ میہماں نوازی کو
 بیدلے خستہ ستم زدہ

آتش عنم بجان واد نود	برق بطیافتی بجاں زود
در بیا بان یاس تیشہ	از گرد غشش تباب و تبہ
سہر گر دکاروان فنا	منس طوفانی مصیبت بلا
از عنم دہر زہر و باختہ	درہ مندر جگر گداختہ
ہمسہ بر خویش پشت پازدہ	در آگاہیہ فنا زدہ
کہ پنجبار رسیدہ ام احسہ	چہ بلا پاکشیدہ ام احسہ
تیرہ شہماے دختہ مینسید	پہ سیر روز عنہ تم مینسید
عنم حیدران احسن نگرید	اندہ دوریہ وطن نگرید
من و جاں آفسدیں کر جان لیم	نہ مسمیں نالہ و فغاں بلیم
عقبتہ ہنوس کردہ است مرا	مویچہ چوں موس کردہ است مرا
کنے زبان سخن سراسر است مرا	ذوق شعہ و سخن کجاست مرا
نوحہ بر خویش و نیرائی خویش	دارم آرس زہرزدہ لائی خویش
حسرت کار و بار بچوشتہ	گردشیں روزگار بچوشتہ
من چناں تاں چنیں!! دروغ و دروغ	با من ایس ختم و کیں!! دروغ و دروغ
رسم اگر نیت خود چراستہ	بر عنہ بیاں کجا رواستہ

بندہ ام بندہ محمد بیاں را رمز ہنسیان و نکستہ دانان را

من و ایسان من کراں ترسم	خداؤ ز شش بیان ترسم
بزباں مانہ ایس حکایت باز	کرپس از من بیا لہاے دردز
چندر روز آرمیدہ بود ایس جا	کر سیفے رسیدہ بود ایس جا
ز حمتے داد و در او خویش گرفت	با بزرگاں ستیز و پیش گرفت
دیہیائے دہر زہ گوئے بود	شوخ چشمے دزشت خوئے بود
حسم خرابا تیانہ ہوئے دشت	مسم میہما ز گفتگوئے دشت
ننگ دہلی دسز زینش بود	برگ دنیا نہ ساز زینش بود
خون دہلی بود گردن بن	آواز اں دم کہ بعد رفتن بن
بر دل انجمن گراں باشم	تا بوم ریج دوستان باشم
آوخ از من کہ من چناں بودم	شاہ گردنہ کز میاں بودم
دژم آیم نژند بر گردم	خستہ دستمند بر گردم
شوق را خردہ و فائز سد	بود اعسم کس از شما نرسد

کہ خرامت خلافت تافاہ است	دوستان را اگر زین گلہ است
ساختہ فروراد لیل ہر	مچارویم از پے قتل ہر
گام ہر جادۂ دگر زدہ	توازیں حلقہ چوں ہر زدہ
ہاں بگو سید حبثہ اللہ	اسے تماشا تیان نژدہ نگاہ

کے چپاں از غریب چچیم سر؛	اے بجا دودمی بہر سہر
دل و ہرگز اسیر بر گردم؛	نہاں نو آئیں صنوبر بر گردم
دامن از کف کمر چگونہ را؛	طالب و عرفی و نظیری را
خاصہ روح و روان معنی را	اے ظہوری جہان معنی را
آنکہ از سہ فرازی قلمش	آسماں ساست پرچم شش
طرز اندیشہ آفریدہ اوست	در تن لفظ جاں دیدہ اوست
پشت معنی قوی ز پیلوش	خاصہ را فرہی ز بازویش
طرز بحث بر روانی از دے	صفوہ از تنگ مانوی از دے
فتنہ گفت گوے اینانم	مست لائے سہوے اینانم
اے کہ طے کردہ ایں موافقت را	چہ شناسد قلیل و دو اوقت را
لیک با اینہم کہ ایں دارم	گنج معنی در آستین دارم
دل و جانم فدائے اجابست	شوق و قہر رضاے اجابست
میشوم خویش را بصلح دلیل	می سرایم فوائے بیج قلیل
تا منہ اندز من و گر گلہ	رسد از پیروان و بے صلہ
گفتن آئین ہوشیاری نیست	لیک دانستن اختیاری نیست
گرچہ ایرائیش نخواہم گفت	سعدی ثنائیش نخواہم گفت

ایک ازمن ہزار بار یہ است	ازمن ہچو من چند از یہ است
من کتب خاک و او سپر بلند	خاک را کے رسد ہچو من کند
وصف او حد چون منے نبود	مسم و در خورد روز نے نبود
مرجا ساز خوش بیانی او	حبذا شور نکبت دانی او
نقش آب حیات را ماند	در روانی فرات را ماند
نثر او نقش بال طاووس است	اتحاب مری و قافوس است
پادشاہے کہ در تلم و حرف	کرد و ایجاد نکتہ ہائے شگرف
غامہ اندوی پاری و دانش	ہندیایں سر بخند فرناش
ایں رقمہا کہ رخت کلک خیال	بود سطر ز نامہ اعمال
ازمن نار سائے سپہراں	معذرت نامہ است مری یاراں
بوکہ آید ز عذر خواہی ما	رسم بر ما و بیگناہی ما
آشتی نامہ و داد پیام	ختم شد و السلام والا کرام

جب مرزا نے دلی سے کلکتہ جانے کا ارادہ کیا تھا اسوقت راویں ٹھیرنے کا قصد تھا۔ مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذمی اقدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار لکھنؤ آئیں، اس لیے کانپور پہنچ کر انکو خیال آیا کہ لکھنؤ بھی دیکھتے چلیے۔ اس زمانے میں نصیر الدین حیدر فرمانبردار اور شاہ نواز سلطان تھے۔ اہل لکھنؤ نے مرزا کی عمرہ طور پر مدارات کی اور روشن الدولہ کے ہاں منہاں شائع

مرزا

انکی تقریب کی گئی۔ مرزا سے اس پریشانی کے عالم میں قصیدہ تو سرانجام نہیں ہو سکا؛ مگر ایک
 مدنی مرتبہ قلیل میں۔ جو ان کے مسودات میں موجود ہے۔ مناسب اہمیت کے سامنے پیش کرنے کے
 لئے لکھی تھی لیکن مرزا صاحب نے ملاقات سے پہلے دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں؛
 ایک یہ کہ اب میری تعلیم دیں، دوسرے نذر سے مجھے معاف رکھا جائے۔ اسی وجہ سے مرزا۔
 بغیر اسکے کہ روشن الدولہ سے طبعی اور وہ شرمش کریں۔ وہاں سے کلکتے کو روانہ ہو گئے۔ مگر
 معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے سے واپس آنے کے بعد انہوں نے ایک قصیدہ دلی سے نصیر الدین حیدر
 کی شان میں لکھا ایک دوست کے توسط سے گزرا تا تھا۔ اور اس پر پانچ ہزار روپے بطور صلے کے
 ملنے کا حکم ہوا تھا۔ شیخ امام بخش تاسخ نے مرزا کو لکھا کہ پانچ ہزار ملے تھے؛ تین ہزار روشن الدولہ
 کھا گئے؛ اور دو ہزار توسط کو دیکر کہا کہ اب میں سے جو مناسب ہو مرزا کو بھیج دو۔ مرزا صاحب نے
 یہ سن کر بھر کچھ تحریک کی۔ مگر تین دن بعد یہ خبر پہنچی کہ نصیر الدین مر گئے۔ پھر وہاں علیشاہ
 کے زمانے میں مرزا نے سلسلہ جنابانی کی؛ اور پانچ سو روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لئے وہاں سے مقرر
 ہو گئے۔ لیکن صرف دو برس گزرے تھے کہ ریاست ضبط ہو گئی؛ اور وہ دفتر کا دورم ہو گیا۔
 الگتو کی ایک صحبت میں۔ جب کہ مرزا وہاں موجود تھے۔ ایک روز لکھنؤ اور دلی کی زبان پر گفتگو
 ہو رہی تھی۔ ایک صاحب نے مرزا سے کہا کہ جس موقع پر اہل دہلی اپنے تئیں بولتے ہیں وہاں
 اہل لکھنؤ آپ کو بولتے ہیں؛ آپ کی رائے میں نصیح آپ کو ہے یا اپنے تئیں؛ مرزا نے کہا
 نصیح تو یہی معلوم ہوتا ہے جو آپ بولتے ہیں؛ مگر ہمیں دقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت
 یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ فضاں جانتا ہوں، اور میں اس کے جواب میں اپنی نسبت پر عرض

کروں کہ میں تو آپ کو کتنے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں؛ تو سخت مشکل واقع ہوگی۔ میں تو اپنی نسبت
 کمزور تھا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں۔ سب حاضرین یہ لطیفہ سنکر ہنسنے لگے۔ مگر
 مطلب صرف اس قدر بیان کرتا تھا کہ آپ کو مخاطب کیے لئے تو عموماً بولا ہی جاتا ہے؛ اگر سظم
 کے لئے بھی اسکا استعمال ہوگا تو بعض مواقع پر القباس واقع ہوگا۔ اس مطلب کو انہوں نے
 اس لطیفہ پیرایے میں بیان کیا۔ مگر یہ فقط ایک لطیفہ اہل صحبت کے خوش کرنے کے لئے تھا۔
 ورنہ اہل دہلی بھی اکثر بجاے اپنے تئیں کے آپ کو بولتے ہیں؛ اس میں کچھ اہل گفتگو
 کی خصوصیت نہیں ہے۔

انہاں کے متعلق مرزا کا اسی قسم کا ایک اور لطیفہ مشہور ہے۔ دلی میں رتھہ کو بیٹھے مونٹ
 اور بعض مذکر بولتے ہیں کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت! رتھہ مونٹ ہے یا مذکر؟
 آپ نے کہا بھیتا! جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مونٹ کو اور جب مرد بیٹھیں تو
 مذکر سمجھو۔

اتذکرۃ آبجیات میں لکھا ہے کہ مشاعر میں۔ جبکہ دہلی کلچر نے اصول پر قائم کیا گیا۔
 سٹرٹس من سکرٹری گورنمنٹ ہند۔ جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لفٹسٹ گورنر ہو گئے تھے۔
 مدینہ کے امتحان کے لئے دلی میں آئے۔ اور چاہا کہ جس طرح سورہ و پیدا ہوا کا ایک عربی مدرس
 کلچر میں مقرر ہے؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرس مقرر کیا جائے۔ لوگوں نے مرزا اور بیرون
 اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کو بلایا گیا۔ مرزا بالکل میں سوار ہو کر رضا
 سکرٹری کے ڈیرے پر پہنچے۔ صاحب کو اطلاع ہوئی؛ انہوں نے فوراً بلایا۔ مگر یہ بالکل

مذکر

مذکر
 اکادمی
 انکار

سے آتر کر اس انتظار میں ٹھہرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکریٹری آئے لے کر آئیں گے۔
 جب بہت دیر ہو گئی، اور صاحب کو معلوم ہوا کہ اس سبب نہیں آئے؛ وہ خود باہر چلے آئے
 اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں تشریف لاویں گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائیگا
 لیکن اس وقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں اس موقع پر وہ بتاؤ نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب نے
 کہا کہ گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ آغاز کچھ زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ آغاز
 میں بھی فرق آئے۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا مجھ کو اس
 خدمت سے معاف رکھا جائے؛ اور یہ لک کر چلے آئے۔

مرزا کو شطرنج اور چو سر کھیلنے کی بہت عادت تھی۔ اور چو سر جب کبھی کھیلتے تھے برائے نام کچھ
 بازی بڑگھسیا کرتے تھے۔ اسی چو سر کی بدولت ۱۲۶۷ھ ہجری میں مرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ گذرا۔
 مرزا نے خود اس واقعہ کو ایک فارسی خط میں مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ ہم اس مقام پر
 لکھتے ہیں کہ کووال دشمن تھا اور مجھ پر ٹیٹ ناواقف؛ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجود
 مجھ پر ٹیٹ کو تو وال کا حاکم ہے؛ میرے بایں وہ کو تو وال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر
 کر دیا۔ سشن بیج۔ باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ کرتا تھا اور
 اکثر جھڑپوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اسنے بھی اغراض اور تغافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا
 مگر کسی نے نہ سنا اور دہی حکم کال رہا۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب اسی میعاد گذر گئی تو مجھ پر
 کورم آیا اور صدر میں میری رہائی کی رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے یہی
 رپورٹ بھیجنے پر اسکی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رجم دل حاکموں نے مجھ پر ٹیٹ کو بہت نفرت کی اور

میری خاکساری اور آزار دہ روی سے اسکو مطلع کیا؛ یہاں تک کہ اسے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ بھیج دی۔ اگرچہ میں اس وجہ سے کہ ہر کام کو غذا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے ڈانٹیں جاسکتا۔ جو کچھ گزرا اسکے تنگ سے آزار اور جو کچھ گزرنے والا ہے اسپر راضی ہوں۔ مگر آرزو کرنا آئینِ عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں؛ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں ہوں روم ہے، مصر ہے، ایران ہے، بغداد ہے؛ یہ بھی جانے دو خود کبہ آزاروں کی جاسے پناہ اور استاذ رحمۃ اللعالمین دلدادوں کی تکیہ گاہ ہے۔ دیکھیے وہ وقت کب آئیگا کہ دراندگی کی قید سے جو اس گزری ہوئی قید سے زیادہ جانفروسا ہے نجات پاؤں اور بغیر اسکے کہ کوئی منزل مقصود قرار دوں سبھرا نکل جاؤں۔ یہ ہے جو کچھ کہ مجھ پر گزرا اور یہ ہے جسکا میں آرزو مند ہوں،

یہ واقعہ مرزا صاحب پر نہایت شاق گزرا تھا۔ اگرچہ منجملہ چھ مہینے کے تین مہینے جو انکو قید خانے میں گزرے ان کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوئی؛ وہ بالکل قید خانے میں اسی آرام سے رہے جیسے گھر پر رہتے تھے۔ کھانا اور کپڑا اور تمام ضروریات حسبِ دلخواہ گھر سے انکو پہنچتی تھیں۔ انکے دوست ان سے ملنے جاتے تھے۔ اور وہ صرف بطور نظر بندوں کے جیل خانے کے کمرے میں رہتے تھے۔ مگر چونکہ اسوقت تک شہر کے شرفا و اعیان کے ساتھ کبھی اس قسم کا سلوک مرزا نے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ اسکو ایک بڑی بے آبروئی کی بات سمجھتے تھے۔ چنانچہ جو ترکیب بند انھوں نے قید خانے میں لکھا تھا اُس میں کہتے ہیں

بہر آزار عثم از قیدِ قرغم نمزد
طعنِ اجاب کم از قرغم نہ نمزد

راز دانا غمِ رسوائی جاوید بلاست
جو براعدار و داندول بہرہائی۔ لیکن

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے اُس زمانے میں مرزا کے ساتھ دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا۔
 اپیل میں جو کچھ صرف ہوا وہ اپنے پاس سے مرت کیا اور تین مہینے تک برابر انکی غمخواری اور ہر طرح کی
 خبر گیری میں مصروف رہے۔ چنانچہ اُسی ترکیب بند میں نواب مرحوم کی نسبت کہتے ہیں۔

خود چراغوں غم از غم کہ غمخواری من رحمت حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی
 خواجہ ہست دریں شہر کا ز پرش و پایہ خویشتم در ظنر آمد گوئی
 مصطفیٰ خاں۔ کہ دریں واقعہ غمخوار ہست

گر بایرم چہ غم از مرگ۔ عند ادا ہست

خج

جب مرزا قید سے چھوٹ کر آئے تو یہاں کاٹلے صاحب کے مکان میں آکر رہتے تھے۔
 ایک روز یہاں کے پاس بیٹھے تھے؛ کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ مرزا نے کہا
 ”کون بھڑو ا قید سے چھوٹا ہے؟ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔“

مرزا نے قید میں ایک فارسی ترکیب بند اپنے صاحب مال لکھرو دستوں کو بھیجا تھا۔ اس نظم
 میں گلِ ساتِ بند اور ہر بند میں بارہ بارہ شعریں۔ مرزا کے عزیزوں اور دوستوں نے کیا شکاری
 میں اس نظم کو چھپنے نہیں دیا تھا؛ مگر مرزا صاحب نے مرنے سے کسی قدر پہلے اپنی جدید نظم کا ایک
 مجموعہ موسوم بہ سید حسین شائع کیا تھا؛ انہیں اس ترکیب بند کو بھی شامل کر دیا تھا۔ لیکن حسین
 کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی؛ اس لئے یہ ترکیب بند بہت کم لوگوں کی نظر سے گزر رہی ہے۔ چونکہ

مہم حضرت محمد نصیر الدین دت یہاں کالے صاحب بلادر شاہ مرحوم کے بیٹے اور ملا ناظر الدین قدس مرزا کے پوتے تھے۔
 مرزا دت تک ان کے مکان میں رہے ہیں۔ وہ مرزا سے نہایت محبت رکھتے تھے اور انہیں کی قریب سے نظر میں
 تعلق پیدا ہوا تھا ۱۱

یہ ترکیب بند مرزا کی عمدہ ترین حالتیہ نظموں میں سے ہے اس واسطے اسکے مختلف بندوں میں سے
کچھ کچھ شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں

ازبند
اول

ازبند
دوم

ازبند
سوم

خوام از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم	غم دل پرودہ درمی کرد۔ فغاں ساز کنم
بہ نواسے کہ ز مضرب چکاند خواب	خوشی تن را بہ سخن زمرہ پرداز کنم
چوں سرایم سخن انصاف زجرم خواہم	چوں نویسم غزل اندیشہ ز غماز کنم
یار دیرینہ! قدم رنجہ مفرما کا بجا	اک نہ گنج کہ تور کو بی دین باز کنم
اہل زنداں بسر و چشم خودم جاراؤ	آہیں مسد ز نشینی چہ قدر ناز کنم
ہلہ ز دواں گرفتار! وفا نیست بشہر	خوشی تن را بہ شمشاد ہم و ہجر از کنم
پاسا ناں بہم آید کہ من سے ایم	وہ زنداں بکشا ید کہ من سے ایم
ہر کہ دیوے بہر خوشی سپاسم گنستے	خیرعت دم بسر آید کہ من سے ایم
جادو نشناسم و زانبہ و شہنامی ترسم	راحمم از دور نمای کہ من سے ایم
بہر وجہ سادہ تسلیم در شتی گنست	سخت گیرندہ چرا ید کہ من سے ایم
ہاں عزیزاں کہ دریں کلبہ اقامت داید	بخت خود را بستاید کہ من سے ایم
تا بہ دروازہ زنداں پہلے آؤدین	قدمے رنجہ ناسید کہ من سے ایم
چوں سخن بجائی و فرزاگی آئین منست	بہرہ از من بریاید کہ من سے ایم
اچہ فردا ست مسم امر و زور کہ گوئی	آفتاب از جہت قبلہ برآ کہ گوئی
دل درستے کہ مرا بود فردا نہ ز کار	شب و روز یکہ مرا بود سر آمد کہ گوئی

بہر حال جہاں چین نہاں ہو دو غم ست
 بر من ز جہاں بیشتر آمد گوی
 خشن و بختن من نہ غمست - برو
 بر من اینہما از قضا و قدر آمد گوی
 ہنرم را نتوان کرد چہ خشن صناعت
 خشکی غازیہ روئے ہنر آمد گوی
 چرخ یک مرد گر انما یہ بزدان خواہد
 بر صفت از قید زمین برآمد گوی
 ہمدماں! در دلم از دید و نہانید ہمہ
 غالب غنہ در راج و در دینید ہمہ
 نہ احمہ کہ در عیش و نشاطید ہمہ
 شد اشکر کہ با شکر و نہانید ہمہ
 من بجز خفتہ و نیم ہمہ بینید ہمہ
 من جگر خستہ و دامن ہمہ دانید ہمہ
 در میاں ضابطہ محدودانے بودست
 من بر نیم کہ ہر آئینہ برانید ہمہ
 در سے از مہر گفتید فغانی چوں ست
 بارے از طعنت گوید چنانید ہمہ
 چارہ گر نتوان کرد دعائے کافی ست
 دل اگر نیست حسد او نہ برانید ہمہ
 ہفت بندست کہ در بند رقم ساختہ ام
 بنویسید و بر بسینید و بخوانید ہمہ

اَللّٰہُمَّ بِاسْمِکَ کہ بہر نیم زمین یاد آرید
 دارم امید کہ در بزم سخن یاد آرید

۱۲۶۶ھ میں مرحوم ابو ظفر سراج الدین ببادشاہ نے مرزا کو خطاب بنجم الدولہ و وزیر الملک نظام جنگ
 اور چنبہ پادشہ کا خلعت مع تین رقوم جواہر یعنی جنیہ و سر بیج و حائل مراد یہ کہ - دربار عام میں حرمت
 فرمایا اور خانہ بان تیمور کی تاریخ نویسی کی خدمت پر بشاہر پچاس روپیہ ماہوار کے مامور کیا اور یہ قرار پایا
 کہ احترام الدولہ مکرم الحسن اللہ فناں مرحوم مختلف تاریخوں سے مضامین انتظام کر کے مرزا کے حوالہ کیا کریں

وینید
 یقین

خاتمہ
 تصانیف

اور مرزا ان تمام مطالب کو اپنی طرز خاص کی فارسی نشریں بیان کریں۔ اور کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے۔ پہلے حصے میں کچھ مختصر حال ابتدا سے آفریش سے صاحبقران تیمور گورکان تک، اور کسی قدر متصل حالات تیمور سے نصیر الدین ہمایوں کے اخیر زمانے تک بیان کئے جائیں۔ اور دوسرے حصے میں جلال الدین اکبر بادشاہ سے لیکر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک تمام واقعات مختصر و مفید کے ساتھ درج کئے جائیں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام پر توستاں اور اس کے پہلے حصے کا نام مہر نیر و زار اور دوسرے حصے کا نام ماہ نیم ماہ تجویز کیا تھا۔ ان کو اپنی دو ترکیبوں پر ناز تھا؛ ایک ماہ نیم ماہ اور دوسرے رتخیز عجیب۔ مرزا کہتے تھے کہ چودھویں رات کے چاند کو ماہ چہار و اور ماہ دو ہفتہ تو پہلے لوگوں نے اکثر باندھا ہے؛ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے ماہ نیم ماہ کسی نے نہیں باندھا۔ یہ ترکیب خاص میری تراشی ہوئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ دوسرا حصہ یعنی ماہ نیم ماہ بالکل نہیں لکھا گیا۔ مہر نیر و زار ختم ہونے کے بعد مرزا نے ذرا انام لینے کے لئے چند روز توقف کیا تھا اور مارا وہ تھا کہ طلبہ دوسرا حصہ شروع کریں کہ اتنے میں غدر ہو گیا اور اس حصے کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔

حیدرآباد سے ایک صاحب نے مرزا سے ماہ نیم ماہ کو طلب کیا تھا اس کے جواب میں لکھتے ہیں "ماہ نیم ماہ سمیت کہ مستحق اندازہ۔ چون از سر نوشت گردن نتواں پیچید سرگذشت باز گویم ہر گاہ یک نیز از پر توستان انجام یافت، و مہر نیر و زار نام یافت، نختہ درنگ در زیدہ شد؛ تا نفس راست کردہ آید۔ ناگاہ کار فرما را روز فرد رفت، و روزگار سر آمد؛ و دولت ویرغہ ترکمانان فرجاریہ سپری گشت۔ ماہ نیم ماہ بمچوں

۱۔ رتخیز بڑے چاند کی تاریخ کا اندازہ ہے۔ اس میں رتخیز کے اعداد یعنی ۱۲۷۷ سے جا کے عدد یعنی ۱۲۷۸ کا رتخیز کیا ہے ۱۲

اہست و ہشت شبہ ناپدیدوارہ و نامش بعنوان بے فشان در مہر نیم روز آشکار ماند۔

سلسلہ اجری میں۔ جبکہ شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کے اشعار کی اصلاح بھی مرزا سے متعلق ہو گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اس کام کو بادل ناخواستہ سرانجام کرتے تھے۔ ناظر معین مرزا مرحوم کہتے تھے کہ ایک روز میں اور مرزا صاحب دیوان عام میں بیٹھے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا کہ حضور نے غریب مانگی ہیں۔ مرزا نے کہا ذرا ٹھیر جاؤ؛ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پاکی میں کچھ کاغذ و مال میں بندھے ہوئے رکھتے ہیں وہ لے آؤ۔ وہ فوراً لے آیا۔ مرزا نے جو اسکو کھولا تو انیس سے آٹھ نو پرچے۔ جن پر ایک ایک نو دو مصرع لکھا ہوا تھا؛ چائے۔ اور اسی وقت دوات قلم منگو کر ان مصرعوں پر غریب لکھنی شروع کیں؛ اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ یا نو غریب تمام و کمال لکھ کر چوبدار کے حوالے کیں۔ ناظر مرحوم کہتے تھے کہ ان تمام غریبوں کے لکھنے میں ان کو اس سے زیادہ دیر نہیں لگی کہ ایک مشتاق استاد چند غریب مرتن کیں کہیں اصلاح دیکر درست کر دے جب چوبدار غریب لیکر چلا گیا تو مجھے کہا کہ حضور کی کہیں کی فرمائشوں سے کچ مدت کے بعد سبکدوشی ہوئی ہے اگرچہ مرزا صاحب جو کچھ اپنی طرز خاص میں لکھتے تھے۔ نظم ہر یا نثر اسکو پڑی کاوش اور بانٹا ہی سے سرانجام کرتے تھے؛ چنانچہ خود انھوں نے جابجا اسکی تصحیح کی ہے؛ مگر جب کہیں اپنی خاص روش پر چلنے کی ضرورت ملتی تھی اس وقت ان کو فکر پر زیادہ زور دانا نہیں پڑتا تھا۔

سلسلہ ع میں۔ جبکہ فواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم کلکتے گئے ہوئے ہیں۔ مولوی محمد عالم مرحوم نے جو کلکتے کے ایک دیرنیر سال فاضل تھے۔ فواب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔ ایک مجلس میں۔ جہاں مرزا بھی موجود تھے؛ اور میں بھی حاضر تھا۔ شعر افاد کر

سلسلہ اجری میں
اشعار
چوبدار

سلسلہ ع میں

ہو رہا تھا۔ اُنہی گفتگو میں ایک صاحب فیض کی بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ”فیضی کچھ
لوگ سمجھتے ہیں ویسا نہیں ہے۔“ سپرات بڑھی، اُس شخص نے کہا فیضی جب پہلی ہی بار اکبر کے
دور ہو گیا تھا۔ اُسے دھائی سو شعر کا قصیدہ اُسی وقت ارتجالاً لکھ کر پڑھا تھا۔ مرزا بولے ”اب
بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ دو چار سو نہیں تو دو چار شعر ہر موقع پر بڑا ہتھکڑے ہو سکتے ہیں۔“
نے میبیس سے ایک چکنی ڈلی نکال کر تیلی پر رکھی اور مرزا سے درخواست کی کہ اس ڈلی پر کچھ لکھنا
ہو۔ مرزا نے گیارہ شعر کا قطعہ اُسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیا۔ جو کہ اُنکے دیوانِ مرغیہ میں موجود
ہے۔ اور جبکا پہلا شعر یہ ہے۔

ہے جو صاحب کے کندہ دست پہ چکنی ڈلی زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیسے

مرزا صاحب کے اولاد کچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے پے در پے ہوئے؛ مگر کوئی زندہ نہیں رہا
اس لئے ایک مدت سے وہ اور انکی بی بی تنہا زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر عرصے چند سال پہلے جبکہ
انکی بی بی کے بچانے زین العابدین خاں عارت کا انتقال ہو گیا، اور اُنکے دونوں بچے ایک ہی وقت میں
اور دوسرے حسین علی خاں صغیر سن رہ گئے۔ تو مرزا اور انکی بی بی نے چھوٹے لڑکے حسین علی خاں کو جو
اُس وقت بہت کم عمر تھا اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ مرزا حسین علی خاں کو حقیقی اولاد سے
بھی کچھ بڑھ کر عزیز رکھتے تھے اور کبھی اُنکے سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے اور عرصے زیادہ تاخیر نہ
کرتے تھے۔

جب زین العابدین خاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو حسین علی خاں کے چچے بھائی بابر علی خاں
کو کبھی مرزا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہ دونوں خوش فکر اور اہل اور نیکو اور نہایت شریف مزاج تھے

مگر انوس ہے کہ مرزائی وفات کے بعد دونوں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے جوان عمر میں فوت ہو گئے۔

نیرنگا علی بن خان عارف سے مرزا صاحب کو غایت درجے کا تعلق تھا۔ کچھ تو قرابت کے

سبب، اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ وہ نہایت خوش فکر اور معنی یاب طبیعت رکھتے تھے، اور

باوجود ہر گونہ کے نہایت خوش گوشتے؛ انکو حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسی لئے جبہ جوان عمر

میں فوت ہو گئے تو مرزا اور انکی بی بی پر سخت حادثہ گذرا۔ مرزانے انکے مرنے پر ایک غزل بطور نوحہ

کے لکھی ہے جو نہایت بلیغ اور دردناک ہے۔ چنانچہ انکے چند شعر ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا نہ تاکوئی دن اور تنہا گئے کیوں؟ اب ہوتا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے کیا خوب! قیامت کا ہے گرا کوئی دن اور

ہاں اسے فلک پیر جوں تھا ابھی عارف کیا تیرا بگوتا جو نہ مرنا کوئی دن اور

تم ماہ و شب چارو ہم تھے برس گھر کے پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم ایسے کہاں کے تھے کمرے داد و شدہ کرتا ملک الموت قفاں کوئی دن اور

مجھے تیس نفرت سی تیر سے لڑائی بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گدہ می نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش کرنا تھا جوں مرگ! گذار کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب! قسمت میں ہے مرنے کی تاک کوئی دن اور

غدر کے زمانے میں مرزا دتی سے بلکہ گھر سے بھی باہر نہیں نکلے۔ جو میں بغاوت کا فتہ اٹھا

انہوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا، اور گوشہ تنہائی میں غدر کے حالات لکھنے شروع کئے۔

جس کا
مطلب

اور
مطلب

اگر چہ فتح دہلی کے بعد مہاراج پٹیلہ کی طرف سے حکیم محمود خاں مرحوم اور ان کے ہمسایوں کے مکان پر۔
 جس میں ایک مرزا بھی تھے۔ حفاظت کے لئے پہرہ بیٹھ گیا تھا؛ اس لئے وہ فحش سپاہیوں کی
 لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہے؛ مگر پھر بھی انکو طح طرح کی کلفتیں اٹھانی پڑیں۔ مرزا کے چھوٹے
 بھائی جو تیس برس کی عمر میں دیوانے ہو گئے تھے، اور اخیر دم تک اسی حالت میں رہے؛ جب مرزا نے
 دہلی میں سکونت اختیار کی تو انکو بھی اپنے ساتھ یہیں لے آئے تھے۔ مرزا کے مکان سے انکا مکان
 تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ ایک دربان اور ایک کنیز کہ دونوں عرسیدہ تھیں۔ ان کے پاس رہتے
 تھے۔ جب دہلی فتح ہو گئی، اور شہر اہل دہلی سے خالی ہو گیا، اور رستے بند ہو گئے؛ اُس وقت
 مرزا بھائی کی طرف سے سخت پریشان رہنے لگے۔ بھائی کے کھانے پینے سونے مرنے اور مینے
 کی مطلق خبر نہ تھی۔ ایک روز یہ خبر آئی کہ مرزا یوسف کے مکان میں بھی کچھ سپاہی گھس آئے تھے
 اور جو کچھ اسباب ملا۔ لے گئے۔ پھر ایک دن وہی جبرِ حاد۔ بان جو مرزا یوسف کی ڈیوڑھی پر پڑا تھا
 یہ خبر لایا کہ پانچ روز سخت تپ میں مبتلا رہ کر آج آدھی رات گزرے مرزا یوسف کا انتقال ہو گیا۔
 اُس وقت زکفن کے لئے کپڑا بازار میں مل سکتا تھا؛ نہ غسل اور گورکن کا کیس پاتا تھا؛ نہ شہر سے
 قبرستان تک جانا ممکن تھا؛ مگر مرزا کے ہمسایوں نے انکی جڑی مدد کی۔ پٹیلہ کی فوج کے ایک
 سپاہی کو۔ جو حفاظت کے لئے تعینات تھا۔ اور مرزا کے دو آدمیوں کو ساتھ لیا؛ اور مرزا کو
 کے ہاں سے دوسفید چادریں لیکر مرزا یوسف کے مکان پر پہنچے۔ اور بعد غسل اور تھیز زکفین
 کے مسجد کے محن میں۔ جو مکان کے قریب تھی۔ دفن کر دیا۔ مرزا نے دستبنوں میں اس مقام پر
 یہ اشارے کیے ہیں۔

درینج اُن کہ اندر رنگِ تہِ بیت سہ شادوی سالِ ناشادِ بیت
 ہر خاکِ بالیںِ خشتش نہ بود بجز خاکِ در سرِ خشتش نہ بود
 خدا یا بریں مردہ بختا کشتے کنا دیدہ درِ بیت آسا کشتے
 سر دشتے بدِ لوبے افرست ردائش بجاویدِ مینِ فرست
 اور بجائی کے مرنے کی تاریخ اس طرح لکھی ہے،
 ز سالِ مرگِ ستمِ دہِ سیرِ زایِ ست کزیتے جہاں درِ زرخِ بیشِ بگاڑ
 یکے درِ غمِ ازمِ ہنہِ پردِ شِ کرد کشیدم آہے و گفتم درِ یخِ دیرِ ناز
 ہمیں لفظ آہے کا ترجمہ در یخ دیوانہ میں سے کیا ہے۔

ایک روز کچھ گویہ مرزا کے مکان میں بھی گئیں اُنے تھے۔ راجہ کے سپاہیوں نے ہر چند روکا
 گرائیوں نے کچھ التفات نہیں کیا۔ مرزا دستبوس کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی نیک خوئی سے گھر
 کے اسباب کو بالکل نہیں چھیڑا، اگر مجھے، اور دونوں بچوں کو، اور دو تین نوکرؤں کو، مع چند مسایلوں
 کے کرنل بردن کے روبرو۔ جو میرے مکان کے قریب حاجی قطب الدین سوداگر کے گھر میں
 مقیم تھے۔ لیکن کرنل بردن نے بت نری اور انسانیت سے ہلکا حال پوچھا اور ہر خدمت کر دیا۔
 آٹنا ہے کہ مرزا جب کرنل بردن کے روبرو گئے تو اس وقت کلاہ پہنچ آئے سر پہ تھی۔ انھوں نے
 مرزا کی نئی وضع دیکھ کر پوچھا کہ دل تم مسلمان؟ مرزا نے کہا آؤھا۔ کرنل نے کہا اسکا کیا مطلب؟
 مرزا نے کہا "شراب پیتا ہوں؟" تو نہیں کھاتا، کرنل یہ سنکر ہنسنے لگا۔ پھر مرزا نے وزیر ہند

کی چٹھی۔ ہر ملکہ منظر کے موقعہ قیصر سے کی رسید اور جواب میں آئی تھی۔ دکھائی۔ کرنیل نے کہا تم سرکار کی فتح کے بعد پہاڑی پر کیوں نہ حاضر ہوئے؟ مرزا نے کہا ”میں چار کماروں کا افسر تھا، دو چاروں مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے؛ میں کیونکر حاضر ہوتا؟ کرنیل نے نہایت مہربانی سے مرزا اور اس کے تمام ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔

اب اس مقام پر مرزا اپنی کتاب دستنبویں لکھتے ہیں کہ ”سچ بات کا چھپانا آنداؤں کا کام نہیں ہے۔ میں آدھا مسلمان کہ جس طرح قید کیش دلت سے آزاد ہوں اسی طرح بدنامی اور برہمنی کے خوف سے دارستہ ہوں۔ میری مدت سے یہ عادت تھی کہ رات کو فریج کے سوا کچھ کھاتا پیتا تھا اور اگر وہ نہ ملتی تھی تو بھیکو نیندہ آتی تھی۔ اگر چراغزد، خدا دوست، خدا شناس، دریادل مہیش داس ہندوستانی شراب۔ جو رنگ میں فریج سے شاہ، اور بوبس اس سے بہتر تھی۔ مجھے نہ بھیتا تو میں ہرگز جاں برنوتا۔ اس کے بعد یہ رباعی لکھی ہے

رباعی

از دیر دلم واپہ ز ہر درمی حبست از بادہ تاب یک دو ساغری حبست
فرزادہ مییش داس بخشید بہن امیے کہ برائے خود سکت درمی حبست

چونکہ اس وقت مسلمانوں سے شہر خالی ہو گیا تھا مرزا کے ہندو دوستوں کے سوا۔ جو ان کے پاس برابر آتے رہتے تھے، اور ہر طرح سے انکی غمخواری کرتے تھے۔ کوئی ان کا غمخوار نہیں رہا تھا۔ مرزا کی معاش کے مرتد دوزیے تھے؛ ہر کاری نیشن، اور قلعے کی تنخواہ؛ سو یہ دونو ذریعے مرزا

ہو گئے تھے۔ شہر کے تمام مسلمان عائد۔ جو مرزا کے دوست اور عزیز تھے۔ اپنی اپنی حالت میں گزرتے تھے۔
 اسکے سوا گھر میں جس قدر بی بی کے پاس زیور یا کوئی اور قیمتی چیز تھی؛ جب شہر لٹنے لگا۔ تو وہ دوسری
 جگہ لگاڑنے دابنے کے لئے بیچ دیا؛ جہاں سے فتنہ سپاہ نے کھود کر سب نکال لیا۔ مگر مرزا نے
 اس ٹکلی و عسرت کی حالت میں بھی اپنے متعدد نوکروں میں سے کسی کو جواب نہیں دیا، اور جو حالت
 آپز اور ان کے متعلقین پر خوش و ناخوش گذری انہیں نوکر بھی برابر خریک رہے۔ نوکروں کے علاوہ
 جن لوگوں کے ساتھ مرزا اس کے زمانے میں ہمیشہ سلوک کرتے تھے وہ اس حالت میں بھی مرزا کو
 ستاتے تھے اور چار ناچار انکی بھی مرزا کو خیر یعنی پڑتی تھی۔ مرزا کہتے ہیں کہ اس ناواری کے
 زمانے میں جس قدر کپڑا، اوڑھنا، اور بھوننا گھر میں تھا سب بیچ کر کھالیا گیا اور لوگ
 روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا، اسکے بعد کتاب کو اس طرح ختم کرتے ہیں کہ اس باغیچہ
 اطفال یعنی کتاب و متنبہ کے لکھنے میں کب تک غار فرسائی گجائے؛ جو حالت کہ اس وقت
 پیش ہے غاہر ہے؛ کہ اسکا انجام یا موت ہے، یا بیک و انگنا۔ پہلی صورت میں یقیناً پادشا
 ناتمام رہنے والی ہے، اور دوسری صورت میں نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؛ کہ کسی دکان
 سے دھکا رہ گئے، اور کسی دروازے سے کوڑی چیا کھیل گیا۔ پس اپنی ذلت و رسوائی
 کے سراپاں انہیں لکھنے کو کچھ باقی نہیں رہا۔ قدیم نشین اگر بل بھی گئی تو بھی کام چلتا نظر نہیں آتا
 اور نہ ملی تو تو کام ہی تمام ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دونو صورتوں میں۔ چونکہ اس شہر کی آب و ہوا اب
 خستہ دلوں کو اس آتی معلوم نہیں ہوتی۔ ضرور شہر جمہور نا اور کسی اور بستی میں ماکہ لبرم کرنا پڑے گا۔
 اعد کے بعد دو برس تک مرزا کا یہی حال رہا۔ مگر دو برس بعد نواب پوسفت علی خاں مرحوم میں مایوس

نے سوز و پیہما ہوا ہمیشہ کے لئے مرزا کے واسطے مقرر کر دیا۔ جو نواب کلب علی خاں مرحوم نے
بھی بدستور مرزا کے اخیر دم تک جاری رکھا۔ اور غدر سے تین تا برس بعد جب مرزا ہر ایک لازم
سے بری ثابت ہوئے سرکاری نشین بھی جاری ہو گئی۔

جب نواب یوسف علی خاں کا انتقال ہو گیا اور مرزا تنویر کے لئے رام پور گئے چند روز بعد
نواب کلب علی خاں مرحوم کا نواب فہرست گورنر سے کو بریلی جا ہوا آگے روانگی کے وقت مرزا بھی موجود
تھے ملتے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا ”خدا کے سپرد“ مرزا نے کہا حضرت
خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے آپ پھر اٹنا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔

جب مرزا دستنبہ کو ختم کر چکے، اور اب بھی تمنائی اور شائے کا وہی عالم رہا، اس وقت سوا ایک
اور کیا چارہ تھا کہ دوات اور ظلم کو مونس اور رفیق سمجھیں، اور کچھ لکھ کر چکر اپنا غم غلط کریں۔ اور دل ہلا لیں
مرزا پاس اس وقت سوائے برہان قاطع اور دساتیر کے کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ برہان کو اٹھا کر
سرسری نظر سے دیکھا شروع کیا۔ پہلی ہی نگاہ میں کچھ بے ربطیاں ہی معلوم ہوئیں۔ پھر زیادہ غور سے
دیکھا تو اکثر نغات کی تعریف غلط پائی۔ ایک ایک لفظ متعدد فصلوں میں مختلف صورتوں سے لکھا دیکھا شروع
نے جو الفاظ بدویرجا و دکنیہ کے استعمال کئے ہیں ان کا ذکر بطور مستقل نغات کے دیکھا۔ طریقہ بیان اکثر
بہتر اور اصول لغت نگاری کے خلاف پایا۔ بہت سے نغات کی رسی تفسیر بھی دیکھی جسکے معنی بالکل
سمجھ میں نہ آئے۔ مرزا نے یادداشت کے طور پر جو مقام قابل اعتراض نظر آئے انکو ضبط کرنا شروع
کیا۔ شدہ شدہ وہ ایک کتاب بن گئی۔ جسکا نام قاطع برہان رکھا گیا، اور ششہ اعراس چپ کر
شائع ہو گئی۔ پھر مرزا نے ششہ اعراس باضافہ دیگر مضامین و فتاویٰ اسکو دوسری بار چھپوایا اور اسکا

ملفوظ

فصل
۱۸۰

نام درفش کاویانی رکھا۔

یہاں دو چار مثالیں اُن الفاظ کی دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں جن پر مرزا نے صاحبِ برہان کا
تخطیہ کیا ہے۔ مثلاً صاحبِ برہان نے عنبر ازراں کے معنی گیسوے رسول مقبول کے لکھے ہیں؛ اور صاحب
کتاب ہے کہ اُسکو عنبر لزران بھی کہتے ہیں مرزا صاحبِ برہان کی غلطی کا منشا یہ بتاتے ہیں کہ اُس نے
تظامی کا یہ شعر دیکھا ہے جو لغت میں ہے ”پوسے کزاں عنبر لزران دہی ہو گرہ د عالم دہی ازراں دہی“
پس عنبر لزران میں استعارہ کو اصلی منت قرار دیا اور دوسرے مصرع میں ازراں کے موقع اور محل
کو بالکل نہیں سمجھا اور آنحضرت کی زلفِ حبیبیہ جو دو نوجوان کے برے میں بھی ارادہاں ہو اُسکا نام عنبر لزران
رکھ دیا یا مثلاً برہان میں لکھا ہے ”وقافلہ شد بمنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ گناہ از فوت شد“
یعنی نہ بد باشد۔ اذل تو قافلہ شد کو ایک منت قرار دیتا ہی بے معنی ہے پھر اُس کے معنی قافلہ سالار رفت کہنا
اور قافلہ سالار کے جانے سے وفات سرورِ کائنات مراد لینا غلط درغلط اور خطہ و خطیہ ہے مرزا غلطی کا منشا
مولانا تقی کے اس شعر کو بتاتے ہیں ”وقافلہ شد و ایسی ماہیں“ اسے کس باب کیسی ماہیں؟
یہ شعر مرنِ اسرار کی شجاعت میں واقع ہوا ہے مگر مرزا نے سو سے اسکو جای کی طرف منسوب کیا ہے شعر کا
مطلب یہ ہے کہ ہمارے دوست اور رفیق اور ساتھی سب چل دیے اب تیرے سوا کوئی ہمارا راہِ دہ گاہ نہیں
ہے یا مثلاً صاحبِ برہان لکھتا ہے کہ ”شش ضرب تیجہ خوب کنایہ از گوہر و زربا شد و کنایہ از تنگ
و کنایہ از شکر و صل و اقسامِ سیدہ اہم بہت و بخوب ضرب ہم بہ نظر آید کہ شش تیجہ خوب باشد“ مرزا نے
جو اسکا خاکا اُڑایا ہے وہ طویل طویل ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس مرکب اور بے معنی جملے کو لغت قرار دینا
صاحبِ برہان ہی کا کام ہے اور اس طرح کے صد ہا الفاظ ہیں جن پر مرزا نے گرفت کی ہر اور اور طرح کی

نعرش اور بے ربطیاں ہیں جو بغیر اسکے کہ درفش کا دیانی کو اول سے آخر تک دیکھا جائے نہ نقش نہیں ہو سکتیں۔

جس وقت مرزا نے قاطع برہاں لکھی ہے نہ اس وقت اُنکے پاس ایک قلمی برہان کے سوا کوئی فرہنگ لغات تھی، اور نہ کوئی اور ایسا سامان موجود تھا جس پر تحقیقِ لغت کی بنیاد رکھی جاتی۔ پس جن کلمہ انھوں نے لکھا یا محض اپنی یادداشت کے پھر سے پر اور یا ذوق و وجدان کی شہادت سے لکھا۔ یا اخیر چند مقامات کے سوا۔ حال فی الواقع مرزا سے نعرش ہوئی ہے، اور بعض غلطیوں کا انھوں نے خود بھی اقرار کیا ہے۔ اُنکے تمام ایراد و اجبی معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ درفش کا دیانی کتنے وقت معلوم ہوتا ہے کہ فضلاء کلکتہ کی صحیح و مطبوعہ برہان مرزا کے پیش نظر تھی۔

اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہر کس و نا کس مرزا کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔ ایک قاطع برہان کے جواب میں حُرقِ قاطع، قاطع قاطع، مؤید برہان، ساطع برہان وغیرہ چند رسالے لکھے گئے۔ مخالفت کی وجہ ظاہر ہے۔ تقلید نہ صرف امورِ مذہبی میں بلکہ ہر چیز ہر کام، ہر علم، اور ہر فن میں ایسی ضروری شے ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ خود کسی کے دل میں خلور کر رہا ہے؛ اور نہ کسی دوسرے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ سلف کے خلاف کوئی بات زبان پر لائے۔ جو کتاب تلو دو تلو برس پہلے لکھی جا چکی ہے وہ وحی منزل کی طرح واجب التسلیم سمجھی جاتی ہے۔ پس مرزا کے اعتراضات برہان قاطع پر کیسے ہی صحیح اور دجی ہوتے؛ مکن نہ تھا کہ انکی سختی کے ساتھ مخالفت نہ کی جاتی۔

بعض ارگروں کو یہ خیال ہے کہ مرزا نے جو ازراہ شوخی طبع کے صاحبِ برہان کا جابجا خاک اڑایا ہے اور کہیں کہیں افانڈا ملام بھی غیظ و غضب میں اُنکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں زیادہ تر اس وجہ سے

فانڈا ملام کی مخالفت کا وجہ

مخالفت ہوئی؛ مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اگر مرزا صاحب برہان کی نسبت ایسے الفاظ نہ لکھتے تو بھی مخالفت ضرور ہوتی۔ کیونکہ ہندوستان کے پُرانے تعلیم یافتہ جو آج کل ایک نہایت کس پر سر حالت میں ہیں۔ اُنکے لئے کچھ غموں و گناہی سے بچنے کا کوئی موقع ایسے سوا باقی نہیں رہا کہ کسی سربراہ اور ممتاز آدمی کی کتاب کا رد لکھیں اور لوگوں پر یہ قیاس ہر کریں کہ ہم بھی کوئی چیزیں جو رسالے قاطع برہان کے جواب میں لکھے گئے ہیں جب اُن کو سرسری نظر سے دیکھا جاتا ہے تو مرزا کے اعتراضوں کے اکثر جواب بہت صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ ہر ایک عجیب برہان کی تائید اس طرح کرتا ہے کہ جس طرح صاحب برہان نے لغت کی تحقیق کی ہے؛ اسی طرح فرہنگ جہانگیری، فرہنگ رشیدی، یا سرچ اللغات، یا مؤبد الفضل، یا ہفت ظہر، یا کسی اور فرہنگ میں لکھا ہے۔ اور اس سے بادی النظر میں صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا اعتراض غلط ہے۔ مگر جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فارسی لغات کی اکثر فرہنگیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، اور جو فرہنگ سب سے پہلے لکھی گئی تھی پچلوں نے زیادہ تر اسکا تہج کیا ہے؛ تو کسی عجیب جواب کی کچھ وقت باقی نہیں رہتی۔

ایران کے ایک مشہور مصنف رضا قلی خاں ہدایت نے مشہور "ام میں یعنی مرزا کی وفات سے چار برس بعد فارسی لغت کی ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ جو فرہنگ نامری کے نام سے موسوم ہے، اور مرزا کی وفات سے دس بارہ برس بعد ہندوستان میں آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ فارسی لغت کے متعلق جو کچھ اُس نے لکھا ہے وہ بہر حال اُن فرہنگ نگاروں کی تحقیقات سے۔ جنہوں نے ہندوستان میں بھیجے فارسی لغت کی کتابیں لکھی ہیں۔ زیادہ مستحضر اور زیادہ اطمینان کے لائق ہوگا۔ اُس نے اپنی فرہنگ کے شروع میں ایک باب فرہنگ جہانگیری، فرہنگ رشیدی، اور برہان قاطع

تینوں کی غلیلوں اور نریشوں کے بیان میں مستند کیا ہے اور اُسکے بعد ایک باب میں صرف
برہان قاطع کی غلیلیاں ظاہر کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اندلس ایک جزیرہ ہے ایک پہاڑ کے اوپر، یا
غزناہ ایک صوبہ ہے ہندوستان کا، یا چکاک کے تین معنی لکھے ہیں، پشانی، قبال نریش،
اور مہرکن (اور یہ تینوں معنی غلط لکھے ہیں) یا کروخ جو ایک قریہ ہے مضافات ہرات میں اُسکو
برہان میں لکھا ہے۔ قریہ است از فراسے عالم۔ یاں از راہ طر صاحب فرہنگ نامری لکھتا
ہے "فی الحقیقت تحقیقہ دقیق فرمودہ است" اسی طرح بہت سی غلیلیاں صاحب برہان کی اس
باب میں ظاہر کی ہیں۔ اور اسکے سوا اپنی تمام فرہنگ میں جا بجا اُسکا تحلیہ کیا ہے۔

جو اعتراض مرزا نے برہان پر وارد کئے ہیں؛ انکی بھی جا بجا فرہنگ نامری سے تائید ہوتی
ہے۔ انہاں جملہ لفظ ابھیں، استخر، صطخر، جمدہ، باختر، راوش، وزاوش، کار کیا،
ویژہ، داویرہ، اور اسی طرح کے اور بہت سے الفاظ کی تحقیق فرہنگ نامری میں مرزا کے
بیان کے مطابق پائی جاتی ہے۔ اسکے سوا برہان کے بیان کو جہاں مرزا نے بے معنی اور مغل
بتایا ہے؛ رضا علی خاں بھی اُسکو مغل بتاتا ہے۔ مثلاً لفظ انجکاک کی تفسیر میں صاحب برہان
لکھتا ہے "ہر چند فراش خیال جاروب سنبل بر بل خرسک ریش زند از پوست آل پاک توادہ"
مرزا اسکی نسبت لکھتے ہیں "فقہہ اخیر مگر کلام دیوت؛ ہر گاہ خوبی تحقیق چناں و حسن عبارت
چہیں باشد مقصود اصلی کہ معلوم کردن مجہولات است از برہان قاطع چگونہ حاصل تداں کرد، و غامض
از راہ طر اسی فقرے پر یہ لکھتا ہے "دریں مقام اس انشاء بیدیع و بیان طبع زادہ طبع
بودہ۔ برہان فوقی سلیم و ملیقہ مستقیم صاحب برہان خود ہیں عبارات بس است۔ تا از پیش

ازوچہ آید، "اسی طرح برہان کی اکثر محل عبارتیں نقل کر کے اُسپر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ "در ولایت ہند
 کرد ترکی داتند و نہ پارسی ضبط و تصحیفات فارسی کے تواتر" ایک جگہ صاحب برہان جامع (جو کراچی ہے)
 کا قول برہان قاطع کے باب میں نقل کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "برہان قاطع میں لغات بغیر سند اور
 شواہد کے ذکر کئے گئے ہیں؛ انہیں اعتبار نہ کرنا چاہیے۔ انہیں کنایات کو کبھی علمودہ لغت قرار دیتا ہے،
 اور سریانی و عبرانی و ترکی و زرنہ و پازند کے غیر متعل لغات کے بیان میں، اور ایک ایک لغت کو بار
 بار مختلف صورتوں سے ذکر کرتے ہیں؛ تطویل لا طائل کرتا ہے، "اے بعد رضاعلی۔ صاحب برہان
 جامع کی تصدیق، اور اُس کے ساتھ اتفاق دے، کرتا ہے۔ چونکہ مرزا کی لائف میں یہ بیان ہے فرد
 معلوم ہوگا اس لئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہیں جس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہر فرد نگار کی
 کو خود ملاحظہ کرے۔

اگرچہ مرزا نے قاطع برہان میں بعض افروض غلط کئے ہیں؛ خصوصاً لفظ افسوس کے متعلق
 ایک بڑی فاحش غلطی کی ہے۔ کہ اُسکو لفظ عربی الاصل ماخوذ از لغت قرار دیا ہے۔ اور اس غلطی کا
 انہوں نے آخر کار خود بھی اعتراف کیا ہے۔ اور عربی الفاظ کی تحقیق سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے،
 اور ممکن ہے کہ اُس کے سوا اور بھی کہیں کہیں اُن سے غلطی ہوئی ہو؛ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے
 تو قاطع برہان کے دیکھنے سے مرزا کی سلاستِ طبع اور ذوقِ صحیح کا کافی ثبوت ملتا ہے اور۔ بیساکہ
 وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ "فارسی زبان کے قواعد و ضوابط میرے فہم میں اس طرح جاگزیں ہیں
 جیسے فولاد میں جوہر" فی الواقع فارسی زبان سے اُن کو فطری مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ جو اس کے
 کہ انہوں نے محض اپنے وجدانِ سلیم کی ہدایت سے برہان کی نسبت قائم کی تھی وہی اسے ایران کے

محققوں نے اسکی نسبت ظاہر کی ہے، اور جو غلطیاں ادیبے ربطیاں مرزا نے برہان میں بتائی ہیں اور انکے سوا اور بے شمار غلطیاں صاحب فرہنگ نامہ صری نے اس میں نشان دی ہیں۔ اس سے زیادہ ایک ہندوستانی محقق کی سلامتی طبع کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

مرزا نے قاطع برہاں کے اخیر میں چند فوائد لکھے ہیں؛ انہیں سے فائدہ اول کا حاصل یہ ہے کہ "ان فوائد کے پیش کرنے میں چونکہ خود نمائی کی بات تھی اس لئے شاید لوگ یہ کہیں کہ خود ہندوستانی ہو کر اور ہندوستانی کو تسلیم نہ جانا اور خود ہندوستانی کا دوسرے کو تباہی سے مراد اور اس سے کیا تھا اور میرزا باپ دلی میں پیدا ہوا، اور میں اگر سے میں حاشاک میں اپنے تئیں اہل زبان سمجھتا ہوں میں بلاشبہ زبانہاں ہوں اور میری زبانہاں اولاً خدا داد سلامتی طبع کی جودلت ہے؛ جو غلطی کو قبول نہیں کرتی اور بغیر سچائی کے تسلی نہیں پاتی۔ دوسرے اس وجہ سے ہے کہ میری طبیعت فارسی زبان سے فطرتاً مناسب واقع ہوئی ہے۔ تیسرے مولانا عبد الصمد کے فیض صحبت سے جو عجب کم و بیش تک برابر حاصل رہا۔ چوتھے برس کی عمر میں میں نے اس سے تربیت پائی؛ اور بارہ برس مشق سخن کی۔ اب کہ عجب کم چھپا سٹواں سال ہے۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں۔ اور خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ کہ ان باتوں پر منوں میں اُس نے کس قدر معنی کے دروازے مجھ پر کھولے ہیں؛ اور میری فکر کو کس درجہ کی بلندی بخشی ہے۔ افسوس کہ لوگوں نے میرے کلام کی خوبی کو نہ سمجھا؛ اور زیادہ تر افسوس یہ کہ وہ شان ایزدی کی شناخت سے محروم رہے؛ اور میری نظم و نثر کے کوششوں کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ گویا نظیری جنتِ امام گاہ کا قطع میرے حسبِ حال ہے۔

تو نظیری زلفک آمدہ بودی چو سیح باو پس رفتی و کس قدر تو شناخت دینے جتنے آدمیوں نے قاطع برہاں کے جواب لکھے ہیں ان میں سے بعض کے جواب مرزا نے بھی لکھے ہیں

اور ان جوابوں میں زیادہ تو ظرافت اور شوخی طبع سے کام لیا ہے۔ کیس اُسکے طرز بیان کا خاکہ اُڑایا ہے کیس اُن کی تحقیقات کا مضحکہ کیا ہے۔

مردوی امین الدین کی کتاب ”قاطع قاطع“ کا جواب مرزا نے کچھ نہیں دیا؛ کیونکہ اُنہیں فحش اور ناشائستہ افلاک کثرت سے تھے۔ کسی نے کہا حضرت! آپ نے اُسکا کچھ جواب نہیں لکھا۔ مرزا نے کہا وہ اگر کوئی گمہ خانہ ہے لات مارے تو کیا تم بھی اُسکے لات مارو گے؟

ایک شخص مرزا احمد علی بیگ متوطن کلکتہ میں؛ جنہوں نے مرزا کے خلاف ایک مبسوط کتاب مؤید البرہان لکھی ہے؛ جسکے لکھتے وقت تمام ایشیا تک سوسائٹی کا کتب خانہ قاطع برہان کے چند اوراق کی تردید کے لئے چھان مارا ہے۔ اور مثل اور نمبروں کے مرزا کے کسی اعتراض کو تسلیم نہیں کیا۔ اور جو ہر ایک افلاک مرزا نے صاحب برہان کی نسبت استعمال کئے تھے ویسے ہی افلاک مرزا کی نسبت استعمال کئے ہیں۔ اپنے تئیں اصفا فی الاصل قرار دیا ہے اور ایک چند بار اوتھیل کی بہت تعریف کی ہے اور اپنی کتاب کی تعریف میں انگریزوں اور تاجیکوں کو لکرا کر کتاب کے آخر میں چھپوائی ہیں اُسکے جواب میں مرزا نے ایک رسالہ موسوم بہ تیغ تیز لکھا ہے؛ اور ایک فارسی قطعہ بھی اُن کو لکھ کر بھیجا ہے۔ جسکے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جو لطف سے خالی نہیں۔

خواجہ راز اصفہانی بودن آبا چہ سود	خالقش در کشور بنگا لہ پیدا کردہ است
با قسیل و جامع برہان و ملازمیک چند	لائے و سوسگیری و لطف مدارا کردہ است
داوری گاہے بنا فرمود در دروس ہر سہ	منفعت و صدرا میں و صدرا علی کردہ است

گر نہیں باہندیاں وار و تولا در سخن
 مطلب از گفتن من چیست ؟ گویا نیک مرد
 صاحب علم و ادب ! و اگر زافرا و غنیمت
 در جہل و تنہام کار بر سوتیاں باشد بے !
 انتقام چاہی بر یان قاطع می کشد
 من سپاہی زاده ام گفتار من باید ورثت
 زشت گفتہم - لیک وادیکہ سنجی دادہ ام
 میکند تائید بر ہاں لیک بر ہاں نا پرید
 شستہ طرز خرام حسانہ بر ہاں نگار
 بہر من تو ہن و بہر خویش تحسین جا بجا
 یا تم از دیدن تاریخیائے آن کتاب
 غازیان ہزارہ خویش آورد از بہر جا و

من ہم از ہندم چرا از من تیز کردہ است
 مرد دایس کار از حق - آفرینش تبار کردہ است
 چوں میفہماں و تفریقین مذہب دار کردہ است
 تنگ دارد علم از کارے کہ آنکار کردہ است
 اُس چہا کردیم باوے خواجہ بابا کردہ است
 واسے بروے کہ تقلید من اینا کردہ است
 شوخ طبعی کہ دارم این تقاضا کردہ است
 نیست جز تسلیم قولش ہر چہ آنکار کردہ است
 یا نمیدانست یا دانستہ آنکار کردہ است
 ہم مرا ہم خوشی را، درد ہر سوا کردہ است
 خود برم گفت و بہ احباب خود ایما کردہ است
 تانہ چندی کہ ایس پکیا رہنما کردہ است

قاطع بران اور اسکے متعلق مرزا کی جس قدر تحریریں ہیں اُن میں اعتراضوں اور جوابوں کے علاوہ بہت سے پیش رہا قاعدے اور لطیف و دلچسپ حکایتیں اور لطائف و تربات بھی درج ہیں۔
 انظر فرار کہ صاحب برہان اصداد میں سے گستاہے اور فرار کردن کے معنی بند کرنا اور کھنوا دو تو جاتا ہے۔ مگر مرزا اسکو اصداد میں نہیں گنتے ؛ بلکہ اسکے معنی مرن بند کرنے کے بتاتے ہیں ؛ اور جو اشعار غزلوں کے سندیں پیش کئے ہیں مرزا نے انھیں اشعار سے اپنے دعوے کی تائید کی ہے۔ مگر چونکہ ہندوستان کے

تمام فرہنگ بھاروں نے فراز کو خدا میں شمار کیا ہے۔ اسکی بابت مرزا لکھتے ہیں کہ ”اسکو لڑائی
فرار دینا دیا ہی اجماع ہے جیسا کہ اہل شام نے خلافت یزید پر اجماع کیا تھا“

اصحاب برہان کی چند عاریاتہ غلطیاں اور اسکے بیان کی بے ریلیاں ظاہر کرنے کے بعد ایک جگہ
لکھتے ہیں ”خدا پر تاں! ازہر خدا میں عربی منعم فارسی مدوں (یعنی جامع برہان) انہی پر ہم کہتے
ہیں کہ پیست؟ ایک اور جگہ نہایت طیش میں آکر لکھتے ہیں ”یہ جوں شناسائی حقیقت جو ہر لفظ
تدار و فرہنگ چرامی بھارو؟ بوریامی یافت، رسن می یافت، ہیزم می فروخت، بگلن می ازخست“
مرزا نے ایک فارسی رسالے کے مولف پر جو قاطع برہان کے جواب میں لکھا گیا تھا، اور فوجش
دشنام سے بھرا ہوا تھا۔ ازاں حیثیت عرفی کی نالش بھی کی تھی؛ مگر حب کامیابی کی امید نہ رہی تو آخر کار
انہوں نے راضی نامہ داخل کر دیا۔ اتنا سے تحقیقات میں دلی کے بعض اہل علم عدالت میں اس بات کے
استفسار کے لئے بلائے گئے تھے کہ جو فقرے مدعی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں آیا
فی الواقع اُن سے فحش و دشنام مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے غریب ملزم کو مرزا سے بچانے
کے لئے اُل فقرہ کے ایسے معنی بیان کئے جن سے ملزم پر کوئی الزام عائد نہ ہو۔ ان مولویوں کا مرزا
سے بلانا جلتا تھا۔ کسی نے پوچھا حضرت! انہوں نے آپ کے بر خلاف شہادت کیوں دی؟ دراصل
اپنا فارسی کا یہ شعر پڑھا

بہرچہ در نگری جز بجنس مائل نیست عیار بے کسی من شرافت نہی ست

میں میری یکس کی وجہ شرافت نہی ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے چونکہ شرافت نہی میں کوئی سیر
بجنس نہیں ہے اس لئے کوئی میرا ساتھ نہیں دیتا ۱۱

جب یہ مقدمہ داخل دفتر ہو گیا ایک مدت کے بعد لوگوں نے مرزا کے نام گناہم خط مستحسن سب دستم بھیجے شروع کئے۔ جن میں شراب نوشی اور بد مذہبی وغیرہ پر سخت نفیس اور طعن و ملامت لکھی ہوئی تھی۔ اُن دنوں میں مرزا کی عجب حالت تھی؛ نہایت کمزور اور بے لطف رہتے تھے۔ اور جب چٹھی رساں ڈاک لیکر آتا تھا تو۔ اس خیال سے کہ بہادر کوئی ایسی قسم کا خط نہ آیا ہو۔ اُن کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں میں نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے ہزارہ میرا دلی میں آنا ہوا۔ چونکہ مجھ کو ان نالائق گناہم خطوں کے آنے کا حال معلوم نہ تھا؛ ایک روز مجھے ایک ایسی غلطی ہو گئی جس کے تصور سے مجھ کو ہمیشہ نہایت شرمندگی ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ چٹھی رساں کے نقشے میں سرشار تھے۔ خدا کی تمام مخلوق میں سے صرف مسلمانوں کو، اور مسلمانوں کے بھائیوں میں سے اہل سنت کو، اور اہل سنت میں سے صرف خفیہ کو، اور اُن میں سے بھی صرف اُن لوگوں کو جو صوم و صلوة اور دیگر احکام ظاہری کے نہایت تقید کے ساتھ پابند ہیں؛ نجات اور منفعت کے لائق جانتے تھے۔ گویا دائرہ رحمت الہی کو کوئٹہ و کٹورا کی دستِ سلطنت سے بھی۔ جس میں ہندو، ہب اور ملت کے آدمی برامن و امان زندگی بسر کرتے ہیں۔ زیادہ تنگ اور محدود خیال کرتے تھے۔ جس قدر کسی کے ساتھ محبت یا لگاؤ زیادہ ہوتا تھا اسی قدر اس بات کی تمنا ہوتی تھی کہ وہ فائدہ ایسی حالت پر ہو جو ہمارے زعم میں نجات اور منفعت کے لئے ناگزیر ہے۔ چونکہ مرزا کی ذات کے ساتھ محبت اور لگاؤ بدرجہ نہایت تھا اس لئے ہمیشہ انکی حالت پر افسوس ہوتا تھا۔ گویا یہ سمجھتے تھے کہ وہ نہ رضا میں ہمارا اُن کا ساتھ چھوٹ جائیگا؛ اور مرنے کے بعد پھر اُن سے ملاقات نہ ہو سکیگی۔ ایک روز مرزا کی بزرگی استاد دی، اور کبر سنی کے ادب اور تعظیم کو بالاسے طاق رکھ کر خشک منہ زانو غنڈہ کی

طبع انکو نصیحت کرنی شروع کی۔ چونکہ اُن کا قتل ہامت امتا کے درجے کو پہنچ گیا تھا، اور اُن سے حاجت
 مرفوعہ کے ذریعے سے کجاتی تھی۔ نماز پچھانے کی فرصت اور تاکید پر ایک لمبا چوڑا لکچر لکھ کر اُن کے سامنے
 پیش کیا۔ جس میں اُن سے اس بات کی درخواست تھی کہ آپ کھڑے ہو کر، یا بیٹھ کر، یا ایسا اشارے سے؛
 غرض جس طرح ہر کے نماز پچھانے کی پابندی اختیار کریں۔ اگر وضو نہ ہو سکے تو تیمم ہی سہی؛ مگر نازک کو
 مرزا کو یہ تحریک سخت ناگوار گزری؛ اور ناگوار گزرنے کی بات ہی تھی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ انھیں
 دونوں میں لوگ گناہ مخطوئہ میں اُنکے اعمال و افعال پر بہت نازیبا طریقے سے نفرت و ملامت کر رہے تھے؛
 اور بازار یوں کی طرح کھلم کھلا گایاں لگتے تھے۔ مرزا صاحب نے میری نو تحریر کو دیکھ کر جو کچھ فرمایا وہ سننے
 کے لائق ہے۔ انھوں نے کہا۔ "ساری عمر فسق و فجور میں گزری؛ نہ کبھی نماز پڑھی؛ نہ روزہ رکھا؛ نہ
 کوئی نیک کام کیا۔ زندگی کے چند نفاس باقی رہ گئے ہیں؛ اب اگر چند روز بیٹھ کر، یا ایسا اشارے سے
 نماز پڑھی؛ تو اس سے ساری عمر کے گناہوں کی تلافی کیونکر ہو سکے گی؛ میں تو اس قابل ہوں کہ جبے دلا
 میرے عزیز اور دوست میرا منہ کالا کریں، اور میرے پاؤں میں رسی باندھ کر شہر کے تمام گلی کوچوں اور
 بازاروں میں تشہیر کریں، اور پھر شہر سے باہر لجا کر کٹھن، اور چیلوں، اور گوتوں کے کھانے کو (اگر وہ
 ایسی چیز کھانا گوارا کریں) چھوڑ آئیں۔ اگرچہ میرے گناہ ایسے ہی ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر
 سلوک کیا جاسے؛ لیکن اس میں شک نہیں کہ میں مومن ہوں۔ ہمیشہ متنافی اور سکوت کے عالم میں یہ
 کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں۔ "لا الہ الا اللہ"، "لا موجود الا اللہ"، "لا موفر فی الوجود الا اللہ"
 شاید اسی روز جب کہ یہ گفتگو ہو چکی تھی اور مرزا صاحب کھانا کھا رہے تھے۔ چٹھی رساں نے
 ایک فائدہ اُکڑ دیا۔ فائدہ کی بے ربطی اور کاتب کے نام کی اجنبیت سے انکو یقین ہو گیا کہ یہ کبھی نہ کا

و سیاہی گناہ خط ہے جیسے پہلے آچکے ہیں۔ فائدہ ٹھکڑا دیا کہ اسکو لکھو ٹپچو۔ میں جو دیکھتا ہوں تو حقیت
سارا خفا خشن و دشنام سے بھرا ہوا تھا۔ پوچھا کس کا خط ہے؟ اور کیا لکھا ہے؟ مجھے اُسکے انعام میں
آئل ہوا۔ فوراً میرے ہاتھ سے لٹا دیں کہ فرمایا کہ شاید آپ کے کسی شاگرد منوی کا لکھا ہوا ہے۔ پھر اول
سے آخر تک خود پڑھا۔ اُس میں ایک جگہ ماں کی گالی بھی لکھی تھی۔ مسکرا کر کہنے لگے کہ اس آؤ کو گالی
دینی بھی نہیں آتی۔ پڑھے یا اوچھڑادی کو بیٹی کی گالی دیتے ہیں؛ تاکہ اُسکو غیرت آئے۔ جوان کو جوہر کی
گالی دیتے ہیں؛ کیونکہ اُسکو جوہر دے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ بچے کو ماں کی گالی دیتے ہیں؛ کہ وہ ماں کے
براہر کسی سے مانوس نہیں ہوتا۔ یہ قزم ساق جو بیشتر بس کے پڑے کو ماں کی گالی دیتا ہے اس سے
زیادہ کون بے وقوف ہوگا؟

اُسکے بعد نین اُن سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ دوسرے روز حضرت نے ایک غزل لکھ کر میرے پاس بھیجی۔
جس میں اگرچہ میرے نام اور تخلص کی تعریف و تحسین لیکن اُسکے بعض منامین اور اشارات سے معلوم ہوا کہ اُس
جو طعن و تعریف ہے وہ میرے ہی نسبت ہے۔ غزل یہ ہے

ہر مقصد سے کہ مراں را در جہان گویند	پر ویرد کہ از آن سو بیا گویند
کسیکے پاسے نہ ارد چسگونہ راہ رود	خود اہل مشرع درین داری چاہ گویند
نور ز غزل نانا اشد گوسے۔ نا آگاہ	مردیشہ جساوہ گرد موسیٰ و عسا گویند
مگر حق بنود شرم حق پرستاں را	کہ نام حق نمبر ندویں انا گویند
ز قول شاں بنود دل نشین اہل غفر	جزاں صفات کہ از ذات کبرا گویند
نخواندہ در کتب و نانشیدہ از فقہا	بنیسر بے قرہ واکویر ہا کہ واکویند

دم از دوزخ و کون و غیب ز دوزخ خبراں چہ ساں عطیہ حق را گستاہ ما گویند
 بیلے! گستاہ وجود و عویسہ وجود از ما باہل روز چیں گرسے تا عجب ما گویند
 دگر لافتیاں را چہ زہر و پاشخ اگر ہختم گرامی بندہ اس سزا گویند
 نکرہ زہر مس خود را و ہر عرض فریب بہ پیش حلق حکایت ز کیا گویند
 کساں کہ دوسے نیکی ہی گنہند۔ مرا اگر نیک شمارند۔ چہ سہر گویند!
 طمع مرا کہ یابی خطاب مولانا بس ست ہجو توئے را کہ پار سا گویند
 بگوسے مردہ کہ در دہر کار غالب زار آراں گذشت کہ در دیش دبے زار گویند

اس غزل کو دیکھ کر مجھ کو اس بات کا موقع ملا کہ مرزا کے کمال شاعری کی نسبت جو خیالات کمزور خاطر
 ہیں؛ اور کسی نکتے انظار کی قوت نہیں آتی؛ ان کو کسی قدر شکایت کے ساتھ ایک مختصر قطعہ میں بیان
 کیا جائے۔ چنانچہ قطعہ ذیل ترتیب دیکر مرزا صاحب کی خدمت میں بھیجا۔

قطعہ

تو اسے کہ دونوں پیشینیاں بہر شکست ز نظم و نثر تو کا نہر زمان ما گفتمی
 چہ نغمہ با کہ بہستانوں ذوق بخمدی چہ بندہ با کہ بہ انداز دل با گفتمی

یہ ایک مشہور قول صوفیہ پر کام کا ہے۔ میں نے جو کہ مرزا صاحب کو لکھ کر دیا تھا اس میں ایک موقع پر یہ جملہ بھی لکھا گیا تھا۔
 مرزا! اسیر امتراض کرتے ہیں اور اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”دو دو ایک عطیہ آتی ہے؛ پس اس کو ہمارا گانا
 کہہ کر گانا جاسکتا ہے؟“ البتہ دعویٰ وجود لگا ہے۔ اگر اہل راز سے اس طرح کہا جائے تو وہ تسلیم کر سکتے ہیں، مگر مسلم رہے کہ جن
 لوگوں کا یہ قول ہے کہ ”دو دو ایک ذنب“ وہ ایک وجود را جب کے سوا اور کسی وجود کے قائل نہیں ہیں۔ وعدت وجود ان کا
 اصل اصول ہے۔ پس ان کے نزدیک وجود با سوا عطیہ حق نہیں ہے بلکہ وہم و خیال انسانی کے خسرعات میں سے ہے اسی
 لئے وہ کہتے ہیں کہ ”دو دو ایک ذنب“ ۱۲

رسیدنشه دغاں چو ذکر کنی زادی
 دود بر ریشہ بد لما جو حوت مهرزدی
 کمر بر بزم نشاندی اگر نشاخواندی
 هزار عتبه و سر بسته باز یکشودی
 دست بر تفرقه و جمع تفتہ دارندی
 بر آمد از دل بیگانگان ترانه ذوق
 لطیفه ها که به لفظ و بیان کنی گنجید
 بحق لطف کلامت که هست بر دل ما
 تو ای که هر سخن نغمه تو بدل با کرد
 هراچہ گفتی اندر جواب عرض نیاز
 و لے بعبود از حرف چند یا خوشیم
 عجب که قاعده دان نیاز مندی
 عجب که چاشنی اندر دوزخاکاری را
 عجب که منفعل را ز تفتہ ناسره آتش
 نه راه حرف بسویت ز جاے من برفت
 اگر نه روسے سخن با تو بود می گفتیم
 ولیک بشر ادب نیست بر تو خرده گرفت

شگفت خاطر یایاں گرافبا گفتی
 و میدبخش نشا چو از دوا گفتی
 اثر ز لفظ دماندی اگر دعا گفتی
 هزار نکته پر شمشیر بر ملا گفتی
 ز سیر انفس و آفاق راز با گفتی
 چه محصله که سخن باے آشنا گفتی
 تو چون فرشته ز غیب آمدی بود گفتی
 که با یه سخن افراشتند تا گفتی
 جز آن که در حق حالی بر مزد گفتی
 خط بود که بگیسم اگر خطا گفتی
 که اگر نگفتی ام آخر تو از کج گفتی
 بنفیه و معجب و خود بین خود گفتی
 رهین ذوق تو اسبجی آنا گفتی
 به زرق در گرد عرض کیا گفتی
 جواب چیت اگر پرسم از کجا گفتی
 چگونه گفتی؟ و چون گفتی؟ و چرا گفتی
 هراچہ در حق من گفتی بجا گفتی

جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانے میں مجھ کو نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم مجلس سبقتہ
دوسری رئیس جاگیر آباد کے ہاں تعلق تھا، اور ان دنوں میں وہ دہلی آئے ہوئے تھے، اور میں
انھیں کے مکان پر مقیم تھا، جب یہ قلعہ مرزا صاحب کی نفرت سے گذر تو انھوں نے چار بیت کا ایک
تمایات لطیف قلعہ نواب مرحوم کے پاس لکھ کر بھیجا جو ذیل میں درج ہے۔

قلعہ

تو اے کہ شغیتہ و حسرتی لب داری ہمی بہ طلفت تو دورا امیدوار کنم
چو حالی از من آشفته بے سبب نجید تو کہ شفیق نگردی بگو چہ کار کنم
دوبارہ عسر دہندم اگر بفرض محال براں سرم کدواں عمر ایں دکار کنم
یکے اداسے عبادات سسر شیند دگر بہ پیشگرہ حالی اعتذار کنم
اگرچہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ مرزا کے عالی رتبہ کلام کے ساتھ اپنا کم وزن دے وقعت کلام نازین
کے سامنے بار بار پیش کروں؛ مگر مقام اور موقع اس بات کا متفق ہی ہے کہ جس واقعہ کا ذکر چھڑ گیا ہے
اسکو انجام تک پہنچایا جائے، مرزا صاحب کے اس قلعہ پر میں نے ایک اور قطعہ لکھ کر ان کی خدمت
میں بھیجا جو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

قلعہ

تو اے کہ عذر فرستادہ ہوئے رہی سزد کہ جان گرامی براں شمار کنم
نہکاتے کہ تو اس گشت عین اعلا مش گرم تو دوست شماری ہزار بار کنم
نماند قاعدہ مشکریہ یا بجباں اساس دوستی از شکوہ استوار کنم

چو شکوہ خیز بقا مناسے دوستی نمود
 ز غیب شکر و شکایت زد دوستدار کنم
 سرشت پاک دل بہات دادہ اندر
 بحر تلخ دے خالی از غبار کنم
 خوش آن کہ ساز کنم از تو شکوہ بجیا
 تو اعتذار کنی دمن افختن ار کنم
 خوش آن کہ مذبذبوچوں در کدہ راز یک
 دگر بہ پیش تو تمسید اعتذار کنم
 براں سہرم کہ اگر مرگ اماں بہ زین مپ
 زکار ہاے جہاں خاصہ ایں کار کنم
 ز کردہ تو بہ نہایم ز گفتہ استغفار
 دگر سپاس تو نہان و آشکار کنم
 جب یہ قطعہ مرزا صاحب کے پاس پہنچا اسپر یہ لکھ کر کہ "بس اب میت بچی موقوف" میرے پاس
 پہنچ دیا اسکے بعد پھر اور کچھ نہیں لکھا گیا۔

مرزا نے عربی میں صرف و نحو کے سوا اور کچھ استاد سے نہیں پڑھا تھا؛ مگر چونکہ علمِ سان سے اُن کی
 فطری مناسبت تھی۔ انکی نظم و نثر اردو و فارسی کے دیکھنے سے کہیں اس بات کا خطرہ تک دل میں
 نہیں گذرے کہ یہ شخص عربیت اور فنِ ادب سے ناواقف ہوگا۔ عربی الفاظ کو انھوں نے ہر جگہ اُسی
 سلیقے سے استعمال کیا ہے جس طرح ایک اچھے فاضل اور ادیب کو استعمال کرنا چاہیے۔ شاعری جیسا
 بلکہ اُن کی نظرت میں دہیت کیا گیا تھا۔ اُس سے قطع نظر کر کے فارسی زبان اور فارسی الفاظ و
 محاورات کی تحقیق اور اہل زبان کے اسالیب بیان پر مرزا کو اس قدر عبور تھا کہ خود اہل زبان میں بھی
 مستثنیٰ آدمیوں کو ایران کے مستند شعرا کی زبان پر اس قدر عبور ہوگا۔ اسکے سوا فنِ عروض میں
 بھی اُن کو کافی دستگاہ معلوم ہوتی ہے۔ اکثر بڑے بڑے نامور شعرا کو دیکھا اور سنا گیا ہے کہ باوجود کمال
 شاعری کے اس فن سے محض نا آشنا ہوتے ہیں، اور سیدھی سیدھی جبروں کے سوا شبکے و زنجیر

اسعد آبادی

فارسی

ادبی

تول کا اندازہ صرف استقامت طبع سے ہو سکتا ہے۔ اور بحروں میں کلام موزوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مولانا
 رومؒ فرماتے ہیں ”من نوافم فاعلاقن فاعلامات + شعری گویم بہ از قند و نبات + مرزا کا ایسا حال تھا
 چنانچہ فارسی اور اردو میں متعدد غزلیں اور نیز ایک آدھ فارسی قصیدہ ایسی میٹھی بحروں میں انہوں نے
 لکھا ہے کہ اکثر موزوں طبع بغیر واقفیت عروض کے اُن بحروں میں نہیں چل سکتے۔ علم نجوم سے کسی قدر اور
 اسکی اصطلاحات سے پوری واقفیت اُن کو تھی۔ چنانچہ انکی نظم فارسی میں جا بجا اس کا کافی ثبوت ملتا
 ہے۔ علم نجوم سے جسکی نسبت کیا گیا ہے کہ ”برائے شعر گفتن خوبست“ اُن کو خاص مناسبت تھی
 اور عقائد و معارف کی کتابیں اور رسالے کثرت سے انکے مطالعے سے گزرے تھے۔ اور سچ پوچھیے تو
 انھیں متعدد فاضلانیات نے مرزا کو نہ صرف اپنے اُصول میں بلکہ بارہویں اور تیرہویں صدی کے تمام
 شعرا میں ممتاز بنا دیا تھا۔ فنِ تاریخ اور بیاق و سامت وغیرہ سے اُن کو مطلق لگاؤ نہ تھا۔ جس زمانے
 میں کہ وہ خانانہ تہذیب کی تاریخ یعنی ہزیرہ درگاہ ہے ہیں کسی نے اُس کو متوجع محکمہ کچھ سوالات کئے ہیں۔ انکے
 جواب میں لگتے ہیں ”میں فنِ تاریخ و سامت و بیاق سے اتنا بیگانہ ہوں کہ اس فنون کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔
 کارپردازان دفتر شاہی خلاصہ حالات از دہ کو کتب مدوہ میں لکھ کر میرے پاس بھیجتے ہیں؛ میں انکو فارسی لکھ کر حوالے کرتا
 ہوں۔ میرے ہاں ایک کتاب بھی نہیں ہیں اسی قدر ہوں کہ نظم و شعر فقہ راہی استند او کے لکھ سکتا ہوں؛ متوجع نہیں ہوں“

”ما قصہ سکنہ رودار از خواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و خامہ پس“

مرزا کا خط نستعلیق شفیقا آمیز نہایت شیریں اور دلاویز تھا جیسا کہ اکثر اہل ایران کا ہوتا ہے اور
 اوج و خوشخطی کے نہایت زوونویں اور تیز دست تھے۔ شعر پڑھنے کا انداز بھی خاصہ شاعروں میں سے

ہو۔ لطیفہ خوش اصلا مروی ہے کہ اسے کسی نے پوچھا کہ مرزا صاحب کو ریاضی میں بھی کچھ دخل تھا یا نہیں! انھوں نے کہا
 ایسا ہی دخل تھا بیساختہ شادی میں ہے۔

زیادہ دلکشی اور برتر تھا۔ میں نے غدر سے چند سال پہلے۔ جب کہ دیوان عام میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ نہایت ایک دفعہ مرزا صاحب کو مشاعرے میں پڑھتے سنا ہے۔ چونکہ اُنکے پڑھنے کی باری سب کے بعد آئی تھی اس لئے صبح ہو گئی تھی۔ مرزا نے کہا صاحبو! میں بھی اپنی بھیر میں لاپتا ہوں؛ یہ مکر اول اردو طبع کی غزل اور اُسکے بعد فارسی کی غیر طبع نہایت پروردادوار سے پڑھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کا اپنا قدردان نہیں پاتے؛ اور اس لئے غزل خوانی میں فریاد کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

جس زمانے میں میر نظام الدین منوں شاہ صاحب کے پڑانے مدرسے میں مشاعرہ کرتے تھے ایک شاعرے میں مرزا نے اپنا فارسی قصیدہ دریا گریستن اور تنہا گریستن جو جناب سید الشہداء کی منقبت میں انھوں نے لکھا تھا پڑھا۔ سنا ہے کہ مجلس مشاعرہ بزم غرابن گئی تھی۔ جب تک قصیدہ پڑھا گیا لوگ برابر روتے رہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم بھی موجود تھے اتفاق سے اُسی حالت میں مینہ بھی برسنے لگا مفتی صاحب نے کہا ”آسماں ہم گریست“

اسی قصیدے کی نسبت سید اکبر مرزا خلیفہ الصدق ناظر سید حسین مرزا مرحوم بیان کرتے ہیں کہ ہندو گاہ بصرہ میں ایک جگہ مجلس عزائم تھی، اور بارش ہو رہی تھی۔ بانی مجلس نے مجھے کہا کہ تم بھی کچھ پڑھو۔ میرے پاس اسوقت پڑھنے کی کوئی چیز خریدیا کرتا نہ تھی۔ اسی قصیدے کے چند اشعار زبانی یاد تھے؛ میں نے وہی پڑھ دیے۔ پانچ ہی سات شعروں پر مجلس میں خوب رقت ہوئی۔ عرب، علم، اور ہندی سب اس مجلس میں شریک تھے۔ مجلس کے بعد ہر ایک جی مجھے چوچھتا تھا کہ یہ اشعار کس شخص کے تھے؟ خیر میں اس شعر کی بہت تکرار کرتے رہے۔

مزد شفاعت و صلہ مبر و خونہا بیچ از کے نحواستہ الا گریستن

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ایک دفعہ مرزا دبیر مرحوم نے اسی شعر پر مصرعے لگائے تھے مگر انکو خود پسند آئے اور کیا کہ جس رتبہ کا یہ شعر ہے ویسے مصرعے نہیں لگ سکتے۔

مرزا کے اخلاق و عادات و خیالات

مرزا کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو اُن سے ملنے یا آقاہت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جراثیم ایک دفعہ اُن سے بل آتا تھا اُسکو ہمیشہ اُن سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ وہ چورنگو دیکھ کر وہ باغ باغ ہر جاتے تھے؛ اور اُن کی خوشی سے خوش اور اُن کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ اُن کے دوست ہرقت اور ہر مذہب کے نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔ جو غلط انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں اُن کے ایک ایک حرف سے مہر و جنت و نموداری دیکھا لگت چلی پڑتی ہے۔ ہر ایک خط کا جواب لکھتا وہ اپنے ذمے فرض عین سمجھتے تھے۔ اُن کا بہت سادقت دوستوں کے غلوں کے جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بیاری اور بھینٹ کی حالت میں بھی وہ غلوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے وہ دوستوں کی فرمائشوں سے کبھی تنگدل نہ ہوتے تھے۔ غلوں کی اصلاح کے سوا اور طرح طرح کی فرمائشیں انکے نہیں خالص و خالص دوست کرتے تھے اور وہ انکی تعمیل کرتے تھے۔ لوگ انکو اکثر بی رنگ خط بھیجتے تھے مگر اُن کو کبھی ناگوار نہ گذرتا تھا۔ اگر کوئی شخص لفافے میں ٹکٹ رکھ کر بھیجتا تھا سخت شکایت کرتے تھے۔ انہوں نے میسور کے ایک شہزادے کو اپنی کوئی کتاب بھیجی ہے اسنے کتاب کی سرید لکھی ہے، اور قیمت دریافت کی ہے۔ اسکے جواب میں لکھتے ہیں ”حرف پرش مقدارت قیمت چرا جز بان علم رفت؟ انجا رنوازش نیاز منداں بے نواز نیست۔ بے سرمایہ ام نہ فرومایہ۔ مخدوم نہ سوداگر۔ مویشی پوش نہ کتاب فروش۔ چو زندہ عظیم نہ گیرندہ بیا۔ ہرچہ آرد و کاں بشہزادگان فرستند خدرست؛ و ہرچہ شاہزادگان

آزاد گان بخشند تیرک ۔ بیع و شرافت ۔ چون و چرا نیست ۔ ہرچہ فرستادہ ام ارغوان ست ۔ دہرچہ
خو اہم فرستادہ ارغوان خواہد بود ۔

انرو
احقرت اور لحاظ مرزا کی طبیعت میں بدرجہ غایت تھا ۔ یاد جو دیکہ اخیر عمر میں وہ اشعار کی اصلاح دینی
سے بہت کبرائے لگے تھے ؛ با اینہم کہیں کسی کا قصیدہ یا غزل بغیر اصلاح کے واپس نہ کرتے تھے ۔
ایک صاحب کو لکھتے ہیں ”جہاں تک ہوسکا احباب کی خدمت بجالایا ۔ اور اقبا اشعار لٹے لٹے دیکھنا نہ
اور اصلاح دیتا تھا ۔ اب نہ انکو سے اچھی طرح سوجھے ؛ نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جاسے ۔ کہتے ہیں کہ شاہنشاہ
بوٹی قلندر کو بسبب کبریا کے خدا نے قرض اور پیر نے سنت معاف کر دی تھی ۔ میں متوقع ہوں کہ میرے
دوست بھی خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں ۔ خطوط شرفیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا لکھنا
مطلوبہ یاد جو داسکے بھی لوگ مرزا کو برابر تاتے رہتے تھے ۔ ایک دفعہ کہیں مرزا قنہ نے یہ لکھ دیا تھا کہ آپ نے
بسبب ذوق سخن کے اصلاح اشعار منظور فرمائی تھی ۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں ”لاحول ولا قوۃ ؛ اگر
ملعون نے بسبب ذوق شعر کے اشعار کی اصلاح منظور رکھی ؛ اگر میں شعر سے بیزار نہ ہوں تو میرا حصار
مجھ سے بیزار ۔ میں نے تو بطریق تہرہ و تیش بجان درویش لکھا تھا ؛ جیسے اچھی جود رہے خاندان کے
ساتھ مرزا بھڑنا اختیار کرتی ہے میرا تھا اسے ساتھ وہ معاملہ ہے“

ان
اگرچہ مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر حوصلہ فراخ تھا ۔ سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا
ان کے مکان کے آگے اندر سے لگڑے لے اور اپنا بیج مرد و عورت ہر وقت پڑے رہتے تھے ۔ خند کے بعد
ان کی آمدنی کچھ اور پر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی ہو گئی تھی ؛ اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لمبا چڑنا تھا ؛
مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مردانہ بیاض سے زیادہ کرتے تھے ؛ اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے ۔

خند کے بعد ایک باہر سے خرد دیکھا کہ تو اب گفتنیٹ گورنر کے دربار میں اُن کو حسب معمول سات پانچ کا غلٹ مع تین رقوم جو اہر کے ملا تھا۔ گفتنیٹ کے چپراسی اور مجدد قاعدے کے موافق انعام لینے کو آئے۔ مرزا صاحب کو پہلے ہی معلوم تھا کہ انعام دینا ہوگا اس لئے انہوں نے دربار سے آتے ہی غلٹ اور رقوم جو اہر بازار میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دی تھیں۔ چپراسیوں کو الگ مکان میں بٹھا دیا اور جب بازار سے غلٹ کی قیمت آئی تب اُن کو انعام دے کر رخصت کیا۔

وہ اپنے اُن دوستوں کے ساتھ جو گردشِ روزگار سے بگڑ گئے تھے نہایت شریفانہ طور سے سلوک کرتے تھے۔ دلی کے عمامہ میں سے ایک صاحب۔ جو مرزا کے دلی دوست تھے، اور خند کے بعد انکی حالت ستیم ہو گئی تھی۔ ایک روز چھینٹ کا فزغل اپنے ہوئے مرزا سے ملنے کو آئے۔ مرزا نے کہیں انکو ماییدہ یا جامد وار و فیروہ کے پنوں کے سوا ایسا حقیر کیرا اپنے نہیں دیکھا تھا۔ چھینٹ کا فزغل اُن کے بدن پر دیکھ کر دل بھرا آیا۔ اُن سے پوچھا کہ یہ چھینٹ اپنے کماں سے لی؟ مجھے اسکی وضع بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے؛ آپ مجھے بھی فزغل کے لئے یہ چھینٹ منگوادیں۔ انہوں نے کہا یہ فزغل آج ہی بن کر آیا ہے، اور میں نے اسی وقت اسکو پہنا ہے؛ اگر آپ کو پسند ہے تو یہی حاضر ہے۔ مرزا نے کہا جی تو یہی چاہتا ہے کہ اسی وقت آپ سے چھین کر بہن لوں مگر جاڑا شدت سے ٹیڑھا ہے آپ میراں سے مکان تک کیا بہن کر جائینگے؟ پھر ادھر ادھر دیکھ کر کھوٹی پر سے اپنا ماییدہ کا نیا چنڈہ آمار کر انھیں پہنا دیا اور اس خوبصورتی کے ساتھ وہ چنڈہ انکی نذر کیا۔

وہ ایک خط میں لکھتے ہیں مدظلہ ساری و آزار دگی و آزار دہم کے جو دوائے میرے خالق نے مجھ میں بھردیے ہیں بقدر ہزار یک ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقتِ جہانی کہ ایک لاشٹھی ہاتھ میں لوں

اور اُس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا ٹوماس سوت کی تسی کے لٹکانوں اور پیادہ پاچل دونوں؛ کبھی شیراز
جا نغلا، کبھی مصر میں جا ٹھیرا، کبھی نجف جا پرچیا۔ تو وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا سیربان بن جاؤں۔ اگر تمام
عالم میں تھوٹے نہ ہوں؛ جس شہر میں رہوں اُس شہر میں تو بھوکا لٹکا نظر نہ آئے۔ خدا کا مقہور، خلق کا
مردود، بڑھا، ناتوان، بیمار، فقیر، نکبت میں گرفتار۔ میرے اور معاملات کلام دکال سے قطع نظر
کرد؛ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود رہبر بیگ ٹانگے وہ میں ہوں۔

یہی مرزا کی طبیعت میں دہائی اور ذہن میں جودت اور سرعت انتقال تھی اسی طرح انکا مانتہ بھی
منہیت تھی تھا۔ ہم اور لکھ چکے ہیں کہ انکے گھر میں کتاب کا کہیں نشان نہ تھا؛ ہمیشہ کرایے کی کتابیں
شکو لیتے تھے؛ اور انکو دیکھ کر واپس بھیج دیتے تھے۔ مگر جو طیف یا کام کی بات کتاب میں نظر پڑ جاتی
تھی اُن کے دل پر نقش ہو جاتی تھی۔ فارسی کلام میں دو کوئی لفظ یا محاورہ یا ترکیب ایسی نہیں
ہوتے تھے جسکی سداہل زبان کے کلام سے نہ دے سکتے ہوں۔ کلکتے میں جن لوگوں نے اُن کے
کلام پر اعتراض کئے تھے، اور جکے جواب میں مرزا نے ششوی یا درجائت لکھی تھی؛ اُن کو ششوی
کے علاوہ ایک ایک اعتراض کے جواب میں دس دس بارہ سہیں اساتذہ کے کلام سے
لکھ کر علیحدہ بھیجی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خطوط میں انکو مفصل بیان کیا ہے۔ برہان قاطع
پر جو کچھ انھوں نے لکھا وہ محض اپنی یادداشت کے پیروسے پر لکھا۔ فکر شعر کا یہ طریقہ تھا کہ اکثر
رات کو عالم سرخوشی میں فکر کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شعر سرا بنام ہو جاتا تھا تو کہہ بیٹیں ایک گدہ
دکالیتے تھے۔ اسی طرح آٹھ آٹھ دس دس گڑھیں لگا کر سُورہتے تھے۔ اور دوسرے دن مرث
یاد پر سوچ سوچ کر تمام اشعار طلبند کر لیتے تھے۔

شعری اور کتاب فی میں وہ ایک مشتے آدمی تھے۔ کیسا ہی شکل مضمون ہو وہ اکثر ایک سری
 نظریں اسکی ہر کویر بیچ جاتے تھے۔ ذاب مصطفیٰ خاں مرحوم گلشن بیجار میں مرزا کی نسبت کہتے
 ہیں ”مناہین شری را کہا ہو حقہ می قدم، و بجمع غلات و طلائع پنے می برد؛ و این فضیلت است
 کہ مقصود خواص الیٰ سخن است۔ اگر طبع سخن شناس داری بایں نکتہ می رسی؛ چہ۔ خوش فکر اگرچہ
 کیا بستاند اما خوش فہم کیا بتر۔ خوش حال کیسکہ از ہر دو شر بے یافتہ، و حقے رہودہ۔ بالجلد چینی
 نکتہ بیخ لغز لغز کہتر مرئی شدہ“ ذاب مدوح نے مجھے ایک واقعہ بیان کیا جس سے مرزا کی سخن سنجی
 کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ مولانا ازودہ نے ”دور نہیں“ ”خو نہیں“ اس زمین میں غزل لکھی
 تھی۔ اُمیں اتفاق سے مطلع بہت اچھا نکل آیا تھا۔ مولانا نے اپنی غزل دو سنتوں کو سن کر اُسے
 کہا کہ ”اگرچہ بحر دوسری ہے مگر اسی ردیف و قافیہ میں نظیری کی بھی ایک غزل ہے جسکا مطلع ”
 ہے ”عشق عییاں است اگر مستور نیست پکشتہ جرم زباں مغفور نیست“ ظاہر ہے کہ اگر نظری
 ہندی نژاد ہوتا اور اسی زمین میں۔ جس میں ہماری غزل ہے۔ اُردو غزل لکھتا تو اُسکا مطلع اِس طرح
 ہوتا ”عشق عییاں ہے اگر مخفی و مستور نہیں پکشتہ جرم زباں ناجی و مغفور نہیں“ آؤ آج
 مرزا غالب کے ہاں نہیں اور۔ بغیر اسکے کہ قائل کا نام لیا جائے۔ اپنا مطلع اور نظیری کے مطلع کا
 یہی اُردو ترجمہ (جو اوپر مذکور ہوا) مرزا کو سنائیں اور پوچھیں کہ کون سا مطلع اچھا ہے، چونکہ نظیری کا
 مطلع اُردو ترجمے سے بہت بہت ہو گیا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ مرزا نظیری کے مطلع کو ناپسند کریں گے
 اور مولانا ازودہ کے مطلع کو ترجیح دیں گے۔ چنانچہ مولانا اور نواب صاحب اور بعض اور احباب مرزا کے
 ہاں پہنچے۔ معمولی بات چیت کے بعد مولانا نے کہا کہ اُردو کے دو مطلع ہیں؛ ان میں آپ مجھ کو

کہ کونسا مطلع اچھا ہے؟ اور بطور مٹھین کے اول قطیری کے مطلع کا یہی ترجمہ پڑھا۔ ابھی مولانا اپنا مطلع پڑھنے نہیں پائے تھے کہ مرزا اس مطلع کو سنکر سر دھننے لگے؛ اور تجتیر ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ مطلع کس نے لکھا؟ اور اس قدر تعریف کی کہ مولانا آزدہ کو یہ امید نہ رہی کہ اس سے زیادہ میرے مطلع کی داد ملیگی۔ چنانچہ انھوں نے اپنا مطلع نہیں پڑھا؛ اور سب لوگ نہایت تعجب کرتے ہوئے وہاں سے اٹھے۔

مرزا حقائق و معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ کرتے تھے اور ان کو خوب سمجھتے تھے۔ نواب محمد رفیع فرماتے تھے کہ میں شاہ ولی اللہ کا ایک فارسی رسالہ جو حقائق و معارف کے نہایت دقیق مسائل پر مشتمل تھا مطالعہ کر رہا تھا؛ اور ایک مقام پر کل مجھ میں نہ آتا تھا۔ اتفاقاً اسی وقت مرزا صاحب آئے۔ میں نے وہ مقام مرزا کو دکھایا۔ انھوں نے کسی قدر غور کے بعد اسکا مطلب ایسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ شاہ صاحب بھی شاید اس سے زیادہ نہ بیان کر سکتے۔

مرزا کی تقریریں انکی تحریر اور ان کی نظم و نثر سے کچھ کم لطف نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور انکی باتیں سننے کے شائق رہتے تھے۔ وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے؛ مگر جو کچھ انکی زبان سے نکلتا تھا لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت مزاج میں اس قدر بھی کہ اگر ان کو بجائے جوان طاق کے جوان ظریف کہا جائے تو بیکار ہے۔ حسن بیان، حاضر جوابی، اور بات میں سے بات پیدا کرنا انکی خصوصیات میں سے تھا۔

ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعے میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا مردانے کتنے روزے رکھے؟ عرض کیا پیر و مرشد ایک نہیں رکھا۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر ملنے کو آئے، ایک مکان کے آگے چھتہ بہت تاریک تھا۔ جب چھتے سے گزر کر دیوار تھانے کے دروازے پر پہنچے۔

تو وہاں نواب صاحب اُنکے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے اُن کو دیکھ کر مصرع پڑھا کہ ”آبِ شہنہ
 میواں درونِ تاجِ کیست“، جب دیوانہ خانے میں پہنچے تو اُنکے دواخان میں سببِ شوق رو رہے ہونے کے
 دعوے پھر ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرع پڑھا ”ایں نازِ تمام آفتاب ست“ ایک صحبت
 میں مرزا۔ میر تقی کی تشریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے، انہوں سودا کو میر پر ترجیح
 دی۔ مرزا نے کہا ”میں تو تکو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودا والی ہیں“

مولوی امام بخش صبا کی مرحوم کی راسے پنجرِ قمر اور مینا بازار کی نسبت یہ تھی کہ یہ دونو تحریریں بھی
 مثلِ سہِ شتر کے مٹا نہ ہو سکیں گی ہیں مگر مرزا اُسکے خلاف تھے۔ ایک جلسے میں دونو صاحب
 سوچ رہے تھے۔ اتفاق سے یہ ذکر چل گیا۔ مرزا نے کہا ”قطع نظر اُسکے کہ سہ شتر کی اور پنجرِ قمر مینا بازار
 کی طرز میں ہونے بیحد ہے۔ ظہوری کی شان سے نہیں ہے کہ وہ شتر کے ساتھ نظم نہ لکھے۔ تمام سہ شتر
 میں ایسا ایک منہ بھی مثل سے نکلے گا جس میں شتر ہو اور نظم نہ ہو۔ برخلاف اُسکے تمام پنجرِ قمر مینا بازار میں
 ایک شعر کے سوا کہ وہ بھی ظہوری کا نہیں ہے۔ نظم کا کیس بتائیں۔ یہ بات سمجھیں نہیں آتی کہ جو شخص نظم
 نثر دونو چیزوں پر برابر قدرت رکھتا ہو اُسکی شتریں کیس نظم نہ پائی جائے“ مولانا صبا نے کہا ”اے
 اتفاقات اکثر ہوجاتے ہیں یہ محض ایک اتفاق کی بات ہے“ مرزا نے کہا ”بے شک! مگر ایسا اتفاق
 ہو گا کہ ایک شخص ہر ایک لحاظ سے نہایت بنیدہ، شایستہ، اور مقبول قوی ہے؛ مگر اتفاق سے کبھی کبھی
 کاٹ بھی کھاتا ہے“ یہ سنکر سب لوگ ہنس پڑے؛ اور مولانا صبا نے مسکرا کر خاموش ہو رہے۔

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھے اُٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا؛
 اور اُسکے ایک جانب ایک کوٹھڑی تنگ دُعا کی تھی۔ جس کا دروازہ قدرِ عجب مٹا تھا کہ کوٹھڑی میں

بہت جھک کر جانا پڑتا تھا؛ اُمیں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا اور مرزا اکثر گرمی اور ٹوکے موسم میں اس بچے سے تین چار بچے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن۔ جبکہ رمضان کا مہینا اور گرمی کا موسم تھا۔ مولانا آزاد ٹھیک دوپہر کے وقت مرزا سے ملنے کو چلے آئے۔ اس وقت مرزا صاحب اُسی کوٹھڑی میں کسی دوسرے کے ساتھ چورسہا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہنچے؛ اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چورسہا کیلئے ہرنے دیکھ کر کہنے لگے کہ ”ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے؛ مگر آج اس حدیث کی محنت میں تردد پیدا ہو گیا، مرزا نے کہا: ”قبل! حدیث بالکل صحیح ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھڑی تو ہے۔“

الغرض مرزا کی کوئی بات طعنت اور عداوت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی اُنکے تمام موقوفات میں لڑتا تو ایک فقیر کی کتاب لطافت و عرافت کی تیار ہو جاتی۔

بارہویک مرزا کی آمدنی اور نقد در بہت کم تھا؛ مگر خود داری اور ضبط و ضبط کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ شہر کے افراد عائد سے برابر کی ملاقات تھی۔ کبھی بازار میں بغیر بالکی یا ہوا دار کے نہیں نکلتے تھے۔ عائد شہر میں سے جو لوگ اُنکے مکان پر نہیں آتے تھے؛ وہ بھی کبھی اُنکے مکان پر نہیں جاتے تھے۔ اور جو شخص اُنکے مکان پر آتا تھا وہ بھی اُنکے مکان پر ضرور جاتے تھے۔ ایک روز کسی سے بل کر نواب مصطفیٰ خان مرحوم کے مکان پر آئے؛ میں بھی اُس وقت وہاں موجود تھا؛ نواب صاحب نے کہا آپ مکان سے سیدھے یہیں آتے ہیں یا کہیں اور بھی جانا ہوا تھا؛ مرزا نے کہا مجھ کو ان کا ایک آنا دینا تھا؛ اس لیے اول وہاں گیا تھا؛ وہاں سے یہاں آیا۔ ایک دن دیوان فضل اللہ خاں مرحوم۔ چُرٹ میں سوار۔ مرزا کے مکان کے پاس سے

قدادی

ملفوظ

بغیر ملے نکل گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا تو انہوں نے ایک رقعہ دیوان جی کو لکھا مضمون یہ: ”کراچ ٹھیکہ اقتدار
مذاست ہوتی ہے کہ شرم کے واسطے زمین میں گڑا جاتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا انا لائق ہو سکتی ہے
کہ آپ کبھی کبھی تو اس طرف سے گدیں اوریں سلام کو حاضرینوں، “جب یہ رقعہ دیوان جی پاس
پہنچا وہ نہایت شرمندہ ہوئے اور اسی وقت گاڑی میں سوار ہو کر مرزا صاحب کے ملے کو آئے۔

مرزا کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی، وہ ایک وقت بھی بغیر گوشت کے
نہیں رہ سکتے تھے؛ یہاں تک کہ مسلسل کے دن بھی انہوں نے کھجڑی یا شور کہی نہیں کھایا۔ اخیر میں
ان کی خوراک بہت کم ہو گئی تھی، مہج کو وہ اکثر شیرازہ بادام پیتے تھے۔ دن کو جو کھانا ان کے لئے لکھتے
آتا تھا اُس میں صرف پادوسیر گوشت کا قورمہ ہوتا تھا۔ ایک پیالے میں بوتیاں، دوسرے میں عاب
یا شوربا، ایک پیالی میں ایک ٹھیلے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا، ایک پیالی میں کبھی کبھی ایک ٹیپ
کی زردی، ایک اور پیالی میں دوسرے پیسہ بھر دی، اور شام کو کسی قدر شامی کباب، یا سج کے کباب
بس اس سے زیادہ انکی خوراک درجہ نہ تھی۔

ایک روز دو پہر کا کھانا آیا، اور دسترخواں بچھا؛ برتن تو بہت سے تھے، مگر کھانا نہایت
تفیل تھا۔ مرزا نے مسکرا کر کہا: ”اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان
معلوم ہوتا ہے؛ اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے تو یزید کا “

تو انہیں آم ان کو نہایت مرغوب تھا۔ آسوں کی فصل میں ان کے دوست دور دور سے آنکے
لئے عمدہ عمدہ آم بھیجتے تھے؛ اور وہ خود اپنے لیئے دوستوں سے تقاضا کر کے آم منگواتے تھے۔
انکے فارسی مکتوبات میں ایک خط ہے جو غالباً لکھتے کے قیام کے زمانے میں انہوں نے امام بڑا بھائی

کے متولی صاحب کو آموں کی طلب میں لکھا ہے۔ "میں لکھتے ہیں" "نہی تنگ بندہ ام، و قدر سے ناتوان
 ہم آرائش خواں جویم، و ہم آرائش جاں۔ خرد و زان داند کہ ایں ہر دو صفت بہ انبہ اندرست، و
 اہل کلکتہ برآند کہ قلم و انبہ نگلی بندرست۔ آری انبہ اندہ نگلی، و گل از گلشن؛ ایتار از جناب، و پیاں
 از من۔ شوق می سکا کہ کرتا پیاں موسم دوسر بار بخاطر ولی نیت خواہم گوشت۔ و آرمی نالہ کہ عاشا بدین
 بر خور داری خور سز خواہم گوشت۔"

ایک روز مرحوم بادر شاہ آموں کے موسم میں چند مصاحبوں کے ساتھ۔ جن میں مرزا بھی تھے۔
 باغ حیات بخش یا متاب باغ میں ٹل رہے تھے۔ ام کے پیڑ رنگ برنگ کے آموں سے لہر رہے تھے۔
 یہاں کا ام بادشاہ یا سلاطین یا بیگات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا بار بار آموں کی طرف
 غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا "مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟ مرزا نے ہاتھ باندھ کر
 عرض کیا "پیر و مرشد یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے "بر سر ہر دانہ خوشہ عیاں" کایں فلاں ابن فلاں
 ابن فلاں + اسکو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے نہیں
 بادشاہ مسکرائے اور اسی روز ایک بھنگی عمدہ عمدہ آموں کی مرزا کو بھجوائی۔

عظیم ربیع الدین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے ان کو ام نہیں بھجائے تھے ایک دن وہ
 کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے؛ اور مرزا بھی وہیں موجود تھے۔ ایک گدھے والا اپنے گدھے
 لئے ہوئے گلی سے گذرا۔ ام کے پچھلے پڑے تھے؛ گدھے نے سونگہ کر چھوڑ دیے۔ عظیم صاحب نے کہا
 دیکھیے ام ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔ مرزا نے کہا بے شک گدھا نہیں کھاتا۔

مرزا کی نیت آموں سے کسی طرح سیر نہونی تھی۔ اہل شہر تحفہ بھیجتے تھے، خود بازار سے منگواتے تھے

بارے دور دور کا آم بطور سوغات کے آتا تھا؛ مگر حضرت کا جی نہیں بھرتا تھا۔ نوب مصطفیٰ خاں
 مرحوم ناقل تھے کہ ایک صبت میں مولانا فضل حق اور مرزا اور دیگر احباب جمع تھے؛ اور آم کی نسبت
 ہر شخص اپنی اپنی رائے بیان کر رہا تھا کہ اُس میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ جب سب لوگ اپنی اپنی
 کہہ چکے تو مولانا فضل حق نے مرزا سے کہا کہ تم بھی اپنی رائے بیان کرو۔ مرزا نے کہا بھی میرے نزدیک
 قرآن میں صرت دُوب باتیں ہونی چاہئیں؛ میٹھا ہو اور بہت ہو۔ سب حاضرین ہنس پڑے۔

مرزا کو مذت سے رات کو سوتے وقت کسی قدر پینے کی عادت تھی۔ جو مقدار انہوں نے مقرر کر لی
 تھی اُس سے زیادہ کبھی نہیں پیتے تھے۔ جس کبس میں تو بلیں رہتی تھیں اُسکی کبھی وارد نہ کے
 پاس رہتی تھی؛ اور اُسکو سخت تاکید تھی کہ اگر رات کو سرخوشی کے عالم میں مجھ کو زیادہ پینے کا خیال پیدا
 ہو تو ہرگز میرا کمانہ مانتا؛ اور کبھی مجھ کو فرمایا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دو رات کو کبھی طلب کرتے تھے؛ اور فتنے
 کی بجائے میں وارد نہ کو بہت بُرا بھلا کہتے تھے؛ مگر وارد نہ نہایت خیر خواہ تھا ہرگز کبھی نہ دیتا تھا۔ اول
 تو وہ مقدار میں بہت کم پیتے تھے؛ دوسرے اسیں دُوبین حصے گلاب ملا دیتے تھے جس سے اُسکی جذبت
 اور تیزی کم ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں۔

اسودہ باد خاطر غالب کو خوش دوست
 اکبختن بہ بادہ صافی گلاب را

مگر باوجود اس قدر احتیاط اور اعتدال کے اس کا فتنے کی عادت نے آخر کار مرزا کی صحت کو
 سخت صدمہ پہنچایا جسکی شکایت سے اُنکے تمام اُردو رفات بھرے ہوئے ہیں۔

مرزا کے خاص خاص شاگرد اور دوست جن سے نہایت بے تعلقی تھی۔ اکثر شام کو اُن کے
 پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اور مرزا اس دور کے عالم میں اُس وقت بہت پُر لطف باتیں کیا کرتے تھے۔

ایک روز میر محمدی مجروح بیٹھے تھے؛ اور مرزا پلنگ پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ میر محمدی پاؤں دابنے لگے۔ مرزانے کہا بھی تو سید زادہ ہے؛ مجھے کیوں گنہگار کرتا ہے؟ انھوں نے نہ مانا؛ اور کہا آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو پیر دابنے کی اجرت دیدیجئے گا۔ مرزانے کہا ہاں اسکا مضائقہ نہیں جب وہ پیر داب چکے انھوں نے اجرت طلب کی۔ مرزانے کہا ”بھتیہا کیسی اجرت؟ تم نے میرے پاؤں دابے؛ میں نے تمھارے پیسے دابے؛ حساب برابر ہوا۔“

ایک دن قبل خود بہ آفتاب کے مرزا صاحب شام کا کھانا کھا رہے تھے اور کھانے میں صرف شامی کباب تھے میں بھی وہاں موجود تھا اور انکے سامنے بیٹھا رومال سے کتیاں جھل رہا تھا۔ مرزانے کہا ”آپ نافع تخلیف فرماتے ہیں؛ میں ان کبابوں میں سے آپ کو کچھ نہ دے گا۔ پھر آپ ہی یہ حکایت بیان کی کہ ”نواب عبدالامد خاں کے دسترخوان پر ان کے مصاحبوں اور غریزوں اور دوستوں کے لئے ہر قسم کا کھانا چنے جاتے تھے؛ مگر خاص اُنکے لئے ہمیشہ ایک چیز تیار ہوتی تھی۔ وہ اُسکے سوا اور کچھ نہ کھاتے تھے۔ ایک روز اُنکے لئے مرغ پر پکا تھا؛ وہی اُنکے سامنے لگایا گیا۔ مصاحبوں میں ایک آدم بہت مستعد لگا ہوا تھا جو اسوقت دسترخوان پر موجود تھا۔ نواب نے اُسکو کھانا دینے کے لئے خالی رکابی طلب کی۔ اُسکے آنے میں دیر ہوئی۔ نواب کھانا کھاتے جاتے تھے اور خالی رکابی بار بار مانگتے تھے۔ وہ مصاحب نواب کے آگے رومال ہلانے لگا؛ اور کہا ”حضور اور رکابی کیا کیجیے گا اب یہی خالی ہوئی جاتی ہے۔“ نواب یہ فقرہ سنکر پھٹک گئے اور وہی رکابی اُسکی طرف سرکا دی۔“

ایک وفات کو پلنگ پر لیٹے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ستاروں کی ظاہری جگہ سے اور انتشار دیکھ کر دوسلے ”جو کام خود رانی سے کیا جاتا ہے اکثر بے ڈھنگا ہوتا ہے۔ ستاروں کو تو کچھ

ایس اتیری سے بکھرے ہوئے ہیں! نہ مناسب ہے، نہ انتظام ہے، نہ بیل ہے، نہ بولہا ہے، مگر بادشاہ
خود مختار ہے؛ کوئی دم نہیں مار سکتا۔

ایک دن سید سردار مرزا مرحوم شام کو چلے آئے۔ جب تھوڑی دیر ٹھیکرہ روانہ جانے لگے تو مرزا خود اپنے
ہاتھ میں شمشیر لے کر کھسکے ہوئے لبِ فرش تک آئے تاکہ رفتی میں جو ادیکھ کر پہن لیں۔ انھوں نے
کہا قبلہ دیکھو آپ نے کیوں کلیف فرمائی؟ میں اپنا جوتا آپ پہن لیتا۔ مرنے کا وہ میں آپ کا جوتا رکھتا
تو شمشیر ان میں لایا، بلکہ اس لئے لایا ہوں کہ کس آپ میرا جوتا نہیں جائیں۔

اگرچہ شاعری کی حیثیت سے انھوں نے شراب کی جا بجا تعریف کی ہے مگر اعتقادِ آدوہ اسکو بہت برا
جانتے تھے؛ اور اپنے اس فعل پر سخت ناوم تھے۔ باوجود اسکے انھوں نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپا نہیں
شراب کے متعلق اعلیٰ مرافقت آمیز باتیں بہت مشہور ہیں۔ ایک شخص نے انکے سامنے شراب کی
نمایات خدمت کی اور کہا کہ شراب خوار کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرنے کا بھائی جبکو شراب شیر ہے
اسکو اور کیا چاہیے جسکے لئے دعا مانگے۔

ایک خط کو اس طرح شروع کرتے ہیں "بے مکندہ دہکت منِ غادرِ روانی" پڑا ہوا آتش
بے دود کو بھائی پھیر سیدی! صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑا ہے۔ آگیشھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔
دُورِ حوت لکھتا ہوں؛ اتہ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی سہی مگر وہ آتشِ سیال کہاں کہ جب دُورِ جڑے
پلے تے دُورِ آگ دپے میں دُورِ گئی۔ دل تو مانا ہو گیا، دماغ روشن ہو گیا، نفسِ ناطقہ کو تو اگر جسد
بہم پہنچا۔ ساقی کو شرکا بندہ اور تشہ لب !!! اے غضب ہائے غضب " یہ خط غدر کے بعد اس
زمانے میں لکھا ہے جب فتنہ و فسادِ بے بند ہے اور بیبِ عسرت و تنگدستی کے کچھ پیتے پلاتے نہیں ہیں۔

میر ہمدی مجروح نے بے پور سے خط بھیجا ہے اور وہاں جو کسی تقریب میں کئی تنوں مصری کا شربت مہانوں کے لئے کیا گیا تھا اسکا ذکر لکھا ہے اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں

”میر احمد حسین و مرزا قربان بیگ نامہ شمارا خواندند وہ ذوق شربت ہفت صد من نبات ہر دورا آب درد ہن گشت سخن از بادۂ ناب نبود و در نہ مرا نیز دل از جارفہ“

مرزا نے غزلیات و قصائد و قطعات و رباعیات میں شراب کے متعلق جس قدر مضمون بانٹے ہیں وہ خواجہ حافظ اور عمر خیام سے کم نہ ہونگے ؛ یہاں ایک شعر اردو و غزل کا اور ایک فارسی غزل کا اور ایک فارسی رباعی لکھی جاتی ہے ۔

کل کے لئے کراچ نہ خست شراب میں	یہ سوزن ہے ساقی کوثر کے آب میں
خجلت بلکہ در غمناقم نیاقتند	جز روضۂ درست بہ صبا کشودہ
غالب بہ سخن گرچہ گشت ہنسیت	از نقشہ ہوش صحت اندر ہنسیت
مے خواہی دفت و تفر و لہ بسیار !!!	ایں بادہ فروش ساقی کوثر ہنسیت

مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحید و جود کی کو اسلام کا اہل اصول اور رکن دیکھن جانتے تھے۔ اگرچہ وہ بظاہر اہل حال سے نہ تھے ؛ مگر جیسا کہ کہا گیا ہے ”من حسب شینا اکثر ذکرہ“ توحید و جود کی انکی شاعری کا عنصر بن گئی تھی ۔ اس مضمون کو انھوں نے قرین اصناف سخن میں بیان کیا ہے غالباً نظیری اور بیدل کے بعد کسی نے نہیں بیان کیا ۔ مرزا کے حق میں اگر اور کچھ نہیں تو عرفی کا یہ شعر ضرور صادق آتا ہے ۔

امید ہست کہ بیگانہ بے عرفی را بد دوستی سخن اسے آشنا بخشند

انہوں نے تمام عبادات اور قرائن و واجبات میں سے صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک توبہ و جود و اور دوسرے بنی اور طبیعت بنی کی محبت ؛ اور اسی کو وہ وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔

اگرچہ شاعر کے کلام سے اُسکے عقائد پر استدلال نہیں ہو سکتا مگر حیاتِ دل سے نکلنے والی وہ چمکی نہیں رہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر حکماء اسلام نے نعیمِ جہانی سے انکار کیا ہے مرزا بھی اُسکے خائن نہ تھے چنانچہ انہوں نے اس خیال کو اپنے شاعرانہ انداز میں متعدد جگہ ظاہر کیا ہے ایک جگہ کہتے ہیں ”ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن + دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے“

یہی خیال ایک فارسی رباعی میں اس طرح ظاہر کیا ہے ”گردینِ زاہد اہلِ جنتِ گلستاں + ہاں دستِ درازی بہ نثرِ شاخ و پھولِ نیک نظر کنی دروے تشبیہ + ماند بہائم و غلت زارِ قرآن“
مرزا باوجودیکہ احکامِ ظاہری کے بہت کم پابند تھے ؛ لیکن مسلمانوں کی ذات کی کوئی بات سن پاتے تھے تو ان کو سخت پہنچتا تھا ایک روز میرے سامنے اسی قسم کے ایک واقعہ پر نہایت انوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ میں کوئی باتِ مسلمانی کی نہیں ہے ؛ پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذات پر بھلکریوں اس قدر پہنچا دیتا تھا کہ وہ کہتا ہے ؛ مگر چو طبیعت نہایت شوخ و دافع ہوئی تھی۔ جب کوئی گرم فقرہ سوجھ جاتا تھا پھر ان سے بغیر کہ نہیں رہا جاتا تھا ؛ خواہ اس میں انکو کوئی کافر سمجھے ؛ یا رندِ شرب کہے ؛ یا بد مذہب جانے۔

قدر کے بعد۔ جبکہ پیشین بند تھی اور دوبار میں شریک ہونے کی اجازت نہ ملی تھی۔ پندت
موتی لال میر منشی نقشبندی پنجاب مرزا صاحب سے ملنے کو آئے۔ کچھ پیشین کا ذکر چلا۔ مرزا صاحب نے کہا ”تمام عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافرا ؛ اور ایک دفعہ نماز پڑھی ہو تو گنہگار ؛ پھر نہیں

انہیں بتانا کہ گیارہ کس طرح مجھے باغی مسلمانوں میں شمار کیا۔

اگرچہ مرزا کا اصل مذہب صلح کل تھا مگر زیادہ تر آنکھ میلان طبع تشیع کی طرف پایا گیا تھا۔
 کتاب امیر کو وہ رسول خدا کے بعد تمام امت سے افضل جانتے تھے۔

ایک بار مرحوم بہادر شاہ نے دربار میں یہ کہا کہ مہنے سنا ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں عالم
 شیعہ المذہب ہیں۔ مرزا کو بھی اطلاع ہو گئی۔ چند رباعیاں لکھ کر حضور کو سنائیں۔ جن میں تو
 اور رفض سے تماشائی کی تھی۔ ان میں سے ایک رباعی جو بہت لطیف ہے مجھ کو یاد رہ گئی ہے
 یہاں لکھی جاتی ہے

رباعی

جن لوگوں کو کہے مجھے عداوت گہری کہتے ہیں مجھے وہ راغنی اور دہری
 دہری کیونکر ہو جو کہ ہو دے صوفی؟ شیعہ کیونکر ہو مادر راغنی
 دہریت اور کھوت میں جو یزید بید ہے وہ ظاہر ہے؛ دہری خدا کے وجود ہی کا قائل نہیں
 صوفی صرف خدا ہی کو موجود جانتا ہے اور ماسوا کو بیچ سمجھتا ہے پس صوفی دہری کیونکر ہو سکتا
 جو تھے مصرع کا یہ مطلب ہے کہ مادر راغنی یعنی ترکستان کے لوگ متعجب تھے ہرنے میں غریب
 ہیں؛ یہاں تک کہ شیعہ ان کو ناصبی اور خارجی سمجھتے ہیں۔ چونکہ مرزا کی اصل مادر راغنی ہے
 ایسے کہتے ہیں کہ ایک مادر راغنی راغنی یا شیعہ کیونکر ہو سکتا ہے؟

جو لوگ مرزا کی طرز مزاج اور طرز کلام سے نا آشنا ہیں وہ شاید یہ سمجھیں کہ مرزا نے بادشاہ کی
 سند میں اپنا رسوخ قائم رکھنے کے لئے اپنا مذہب غلط بیان کیا؛ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ

راہمیاں صرت بادشاہ کے خوش کرنے اور اہل دربار کے ہنسانے کے لئے لکھی گئی تھیں؛ کیونکہ
 دربار میں ایک متنفس بھی ایسا تھا جو مرزا کشمیری یا کم سے کم تفضیلی نہ جانتا ہو۔ مرزا اکثر مواقع پر
 بادشاہ کے خوش کرنے کو اس قسم کے اشعار دربار میں پڑھا کرتے تھے ایک روز سلطان نظام الدین
 قدس سرہ اور امیر خسرو کی خصوصیت کا ذکر دربار میں ہوا تھا مرزا نے اسی وقت یہ شعرا ان کے کچھ
 لئے دو مرشدوں کو قدرتی حق سے یہ مطالب نظام الدین کو خسرو سراج الدین کو غالب

رمضان کا مہینا تھا؛ ایک سنی مولوی مرزا سے لئے کو آئے، عصر کا وقت تھا، مرزا نے قدس
 سے پانی مانگا، مولوی صاحب نے قیام سے کہا، کیا جناب کو روزہ نہیں ہے؟ مرزا نے کہا نہیں
 مسلمان ہوں؛ چار گھنٹی دن رہے روزہ قبول لیتا ہوں

ایک دفعہ بہادر شاہ بہت سخت بیمار ہوئے، اُس زمانے میں مرزا حیدر شکوہ جو اکبر شاہ کے
 بیٹے اور مرزا سیال شاہ کے بیٹے تھے وہ بھی لکھنؤ سے آئے ہوئے تھے اور بادشاہ کے ہاں
 معائنہ تھے، انکا مذہب اثنا عشری تھا، جب بادشاہ کو کسی طرح آرام نہ ہوا مرزا حیدر شکوہ کی
 صلاح سے خاک شفا دی گئی اور اُسکے بعد بادشاہ کو صحت ہو گئی، مرزا حیدر شکوہ نے تبرائی تھی
 کہ بادشاہ کو صحت ہو جائیگی تو حضرت عباس کی درگاہ میں جو کہ لکھنؤ میں ہے علم چڑھا دنگا، چنانچہ
 انہوں نے لکھنؤ جا کر بادشاہ کو عرضداشت بھیجی کہ میرا نقد دینہ روادا کرنے کا نہیں ہے؛ حضور مرد
 فرمایاں، یہاں سے بادشاہ نے کچھ روپیہ مرزا حیدر شکوہ کو بھیجا اور انہوں نے بڑی دھوم دھما
 سے علم چڑھایا، جس میں اودھ کا تمام شاہی خاندان اور امراد علماء سب شریک تھے، اور بعد ازاں
 کے ہاتھ سے علم چڑھوایا گیا۔

اس واقعے کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہو گئی کہ بادشاہ شیعہ ہو گئے۔ اس شہرت کا بادشاہ پہنچ ہوا، اور حکیم احسن اللہ خاں مرحوم نے اسکے تدارک کے لئے کچھ رسالے شائع کرائے، اور اشتہارات کو چوں اور بازاروں میں چسپاں کرائے گئے، اور بادشاہ کے حکم سے مرزا صاحب نے بھی ایک فتویٰ فارسی زبان میں لکھی۔ جس کا نام غالباً دماغ الباطل رکھا گیا تھا، اور جس میں بادشاہ کو فتیخ کے اتمام سے بری کیا گیا تھا۔ اس فتویٰ میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی بلکہ جو مضامین حکیم احسن اللہ خاں نے بنائے تھے اُن کو فارسی میں نظم کر دیا تھا۔

جب یہ فتویٰ لکھنو پہنچی تو محمد امجد الحسن نے مرزا سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے خود نہ یہ شیعہ اور مرزا میر شکوہ کی نسبت اس فتویٰ میں ایسا اور ایسا لکھا ہے؟ مرزا نے کچھ بھیجا کہ میں ملازم شاہی ہوں جو کچھ بادشاہ کا حکم ہوتا ہے اسکی تعمیل کرتا ہوں۔ اس فتویٰ کا مضمون بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کی طرف سے اور افغان میری طرف سے تصور فرمائے جائیں۔

مرزا کی طبیعت نہایت سلیم واقع ہوئی تھی۔ باوجودیکہ تیزی ذہن اور صلاحیت طبع دونوں ایک بڑے بڑے معج ہوتی ہیں، مرزا میں یہ دونوں باتیں بوجہ اتم موجود تھیں۔ اسی صلاحیت طبع کا اقتضا تھا کہ ابتدا سے شہنشاہی میں جو فیصلے حارثہ انہوں نے اختیار کیا تھا۔ بغیر اسکے کہ کوئی استاد رہبری کرے جس قدر عقل و تیز رفتاری گئی اسی قدر آہستہ آہستہ اُس سے اخراج ہوتا گیا، اور آخر کار اساتذہ مسلم اہل سنت کی روش متبیین پر آ رہے۔

مرزا اندازہ غزو انکار کیا کرتے تھے کہ قصائد کی تشبیہ میں تو میں بھی جہاں عنی و انوری پہنچے ہیں انہیں دغیراں پہنچ جاتا ہوں، مگر مع و ستائش میں مجھے اُس کا ساتھ نہیں دیا جاتا۔ مرزا کا یہ کہنا

بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جو زور انکی تشبیہوں میں پایا جاتا ہے وہ صبح میں اگر باقی نہیں رہتا۔ مگر ہم
 اسکو ان کے نفس شاعری پر محمول نہیں کرتے؛ بلکہ غایت درجے کی سلاست ذہن اور استقامت طبع
 کی دلیل مانتے ہیں۔ جموٹی اور بے اہل باتوں کو چمکانا، اور زمیں و آسمان کے تلابیے لانا، اور مبالغہ
 و اغراق کا طوفان اُٹھانا انکی اعلیٰ قدر شاعر کا کمال نہیں ہے؛ بلکہ جس قدر انکی طبیعت ان باتوں سے ابا
 کرتی ہے اسی قدر جاننا چاہیے کہ وہ شاعری سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مرزا کی
 ساری عمر عقیدہ گوئی اور صبح سرائی میں گزری؛ کیونکہ ضرورت انسان سے سب کچھ کراتی ہے۔ مگر انکی
 بیساکہ ہم آگے بیان کرینگے۔ ان کو بھیجی کرنے کا طریقہ جیسا کہ چاہیے دیا نہیں آتا تھا۔

اس مقام پر ہم ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ جس سے مرزا کی سلامتی طبع کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولانا فضل حق مرحوم مرزا کے بڑے گاڑھے دوست تھے اور ان کو فارسی زبان کا نہایت مقتدر شاعر
 مانتے تھے۔ چونکہ مولانا کو دو بیویوں سے سخت مخالفت تھی؛ انھوں نے مرزا پر نہایت اصرار کے ساتھ
 یہ فرمائش کی کہ فارسی میں دو بیویوں کے خلاف ایک دشمنی لکھ دو۔ جس میں انکے بڑے بیٹے اور مشہور
 عقیدوں کی تردید اور خاص کر امتناع نظیر قائم البینین کے مسئلے کو زیادہ شرح اور سب کے ساتھ بیان کر دو۔

اس مسئلے میں مولانا اسماعیل شہیدی کی یہ رائے تھی کہ قائم البینین کا مثل ممکن بالذات اور ممکن بالغیر ہے؛
 ممکن بالذات نہیں ہے۔ یعنی آنحضرت کا مثل اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اُسکا پیدا ہونا آپ کی خاقیت
 کے منافی ہے؛ نہ اس لئے کہ خدا اُسکے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ پر خلاف اسکے مولانا فضل حق کی یہ رائے
 تھی کہ قائم البینین کا مثل ممکن بالذات ہے؛ اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا اسی طرح قائم البینین
 کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب پر یہ فراموش ہوئی کہ اس مسئلے پر جو اسے مولانا فضل حق کی ہے وہ فارسی نظم میں بیان کیجاتے۔ مرزا نے اول عذر کیا کہ سائل علی کا نظم میں بیان کرنا مشکل ہے۔ مگر انہوں نے مذکور لاچار مرزا نے ایک مثنوی۔ جو کہ انکے کلمات میں شہادت کے سلسلے میں جھٹی مثنوی ہے۔ لکھا کہ مولانا کو سنائی۔ انہوں نے بے انتہا تعریف کی اور یہ کہا کہ اگر میں فارسی شعر میں تمہاری برابر مشاق ہوتا تو مجھ ایسی خوبی سے ان مطالب کو نہ ادا کر سکتا۔ مگر جو کچھ مرزا نے مسئلہ نظیر خاتم النبیین کے اب میں کسی قدر مولانا کی رائے کے خلاف لکھا تھا اُس پر مولانا سخت ناراض ہوئے۔ مرزا نے صاف صاف تو یہ نہیں لکھا تھا کہ خدا خاتم النبیین کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے؛ مگر اس مضمون کو اس پیرائے میں ظاہر کیا تھا کہ اس موجودہ عالم میں تو ایک خاتم کے سوا دوسرا خاتم پیدا نہیں ہو سکتا؛ لیکن خدا قادر ہے کہ اس میں ایک اور عالم پیدا کر دے اور اُن میں خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم کا خاتم النبیین ہو مطلق فرما دے۔ چنانچہ انہوں نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے۔

یک جاں تاہمت یک خاتم ہیں است	قدرت حق را نہ یک عالم ہیں است
خواب از مسدودہ آرد عالمے	ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود	رحمتہ للعالمین ہم بود
کثرت ابراج عالم خوب تر؟	یا یک عالم دو خاتم خوب تر؟
در یکے عالم دو خاتم خوبے	صد ہزاراں عالم دو خاتم خوبے

جب مرزا اول بار مثنوی لکھا کہ مولانا کے پاس لائے تو مضمون مذکور کو اس اخیر شعر پر ختم کر کے لائے تھے۔ مولانا نے فرمایا یہ تم نے کیا کہا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں؟ نہیں کیا

اگر لاکھ عالم مذاہد اکرے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا۔ پس اس مضمون کو شنوی میں سے بالکل نکال دیا
اور جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح بیان کرو۔ مرزا کو نہ دباہوں سے کچھ خصوصیت تھی اور نہ ان کے مخالفین
سے کچھ تعلق تھا؛ بلکہ مرث دوست کی رضا جوئی مقصود تھی۔ انہوں نے مولانا کے حکم کی فوراً تعمیل
کی۔ جو کچھ پہلے لکھ چکے تھے اسکو تو اسی طرح رہنے دیا مگر اس کے لئے چند اشتداد و اضافہ کر کے کلام کو اس طرح مربوط کر دیا۔

غالب اس اندیشہ پذیرم ہے	خردہ۔ ہم پر خوشی می گیرم ہے
اسے کہ ختم المرسلینش خواندہ	دائم اندر دسے یقینش خواندہ
ایں الفت لائے کہ متفرق راست	حکم مطلق معنی اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم کیست	گرد و صبر عالم بود خاتم کیست

اس کے بعد اسی مضمون کو اور زیادہ پھیلا یا ہے؛ اور پیر شنوی کو ان دو شعروں پر جن میں نظیر خاتم النبیین
کے متنس بالذات ہونے کی تصریح ہے ختم کر دیا ہے۔

منفرد اندر کمال ذاتی است	لاحصرم شلش مجال ذاتی است
زین عقیدت برنگردم و اسلام	نامہ را در سے نور دم و اسلام

ادپر کے بیان سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ مرزا کی طبیعت میں کس قدر سلامت روی تھی؛ اور
اعوجاج سے کس قدر ناخادہن؛ باکراتا تھا؛ باوجودیکہ مولانا افضل حق نے اس مسئلے کے متعلق جو کچھ
انہی رائے تھی مرزا کے خوب ذہن نشین کر دی تھی اور مرزا اسی کو اپنی شنوی میں بیان کرنا چاہتے تھے مگر
جس طرح ایک میٹر سی چیزنگلی میں اگر سیدھی ہو جاتی ہے اسی طرح مرزا کی راست بیانی نے اس میٹر سی
رائے کے تمام بل نخل ڈالے اور بغیر اسکے کہ مرزا کو دباہوں کی حمایت منظور ہو جو ٹھیک بات تھی وہ

انکے قلم سے بے اختیار پٹک پڑی۔ پھر اسکے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے حیر سے لکھا ہے؛ اسکو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔

ہماری سوسائٹی میں جو ایک عام دستور ہے کہ جو شخص اپنا کلام سنا تا ہے اسکے ہر ایک شعر پر خواہ آچھا ہو خواہ بُرا۔ برا بر حسین و آفریں کی جاتی ہے اور اچھے اور برے شعریں کچھ تمیز نہیں کی جاتی؛ مرزا کی عادت بالکل اسکے برخلاف تھی۔ کوئی کیسا ہی معزز و متم آدمی ہو جب تک اسکا کوئی شعر فی الواقع مرزا کو پسند نہ آتا تھا وہ ہرگز اسکی تعریف نہ کرتے تھے۔ انیغریں تو اس کا نقل سماعت انتہا کو پہونچ گیا تھا؛ مگر پہلے ایسا حال نہ تھا۔ وہ کسی قدر اپنی آواز سے بات چیت اور شعر و سخن سن لیتے تھے؛ مگر جب تک کوئی شعر ان کے دل میں نہ چمکتا تھا اس سے مس نہ کرتے تھے۔ انکے بعض معاصرین اس بات سے آزر رہے تھے؛ اور اسی لئے انکی شاعری پر نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ مگر مرزا باوجودیکہ ان کی طبیعت نہایت صلح جو واقع ہوئی تھی۔ شعر کی داد دینے کا جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا تھا اسکو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ لیکن جو شعراں کے دل میں چمک جاتا تھا اسکی تعریف بھی ایسی کرتے تھے جو مبالغے کی حد کو پہونچ جاتی تھی۔ و در حقیقت کسی کے خوش کرنے کے لئے ایسا نہیں کرتے تھے؛ بلکہ ذوق سخن ان کو بے اختیار کر دیتا تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق خلی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو ان سے چمک تھی۔ ایک روز جب کہ مرزا شطرنج میں مہرور تھے منشی غلام علیخان مرحوم نے اٹکایہ شعر کسی دوسرے شخص کے سنانے کو پڑھا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ رہا بیٹنگے مر کے بھی چنن نہ پایا تو کہ رہا بیٹنگے

خان مرحوم کہتے تھے کہ مرزا کے کان میں بھی اسکی بھنگ پڑ گئی فوراً شطرنج چھوڑ دی اور مجھے کہا بیٹا تھے کیا پڑھا؟ میں نے پھر وہ شعر پڑھا۔ پوچھا کس کا شعر ہے؟ میں نے کہا ذوق کا۔ یہ سنکر نہایت تعجب

کچھ

انسان

ہوے؛ اور مجھے بار بار پڑھواتے تھے اور مروتے تھے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ مرزا نے اپنے اردو غزلوں میں اس شعر کا ہاجما ذکر کیا ہے۔ جہاں عمدہ شعر کی مثالیں دی ہیں وہاں اس شعر کو مندر لکھا ہے۔ اسی طرح مومن خاں کا جب یہ شعر سنا۔

تم مجھ سے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو اس کی بہت تعریف کی اور یہ کہا، کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر لکھ کر دیتا، اس شعر کو بھی انھوں نے اپنے متعدد غزلوں میں نقل کیا ہے۔ وہی طرح سودا کا یہ شعر بھی ایک مقام پر لکھا ہے
دکھائیے نیچا کے سبھے مصب بکا بازار لیکن کوئی خواہاں نہیں وہاں منہ گراں کا
ایک محبت میں نواب مرزا خاں داغ کے اس شعر کو نابا بار پڑھتے تھے اور اُس پر دہد کرتے تھے۔

توجہ روشن کے اُسے شمع رکھ کر دیکھتے ہیں اوھر جا رہا ہے دیکھیں یا اوھر پرانا آتا ہے
بعض اوقات وہ اپنے شاگردوں کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ ان کی تعریف میں شاید آنگا
دل بڑھانے کو حد سے زیادہ ممانعت کرتے تھے۔ انھوں نے اخیر عمر میں اپنے ایک شاگرد کی غزل دیکھ کر
اُسکی بے انتہا تعریف کی؛ اور یہ کہا، کاکا گریں اب رنگ کرشنیے قابل ہوتا تو تم محمود ہوتے اور میں حاسد،

مرزا پر نظر نظروں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے تعریف کی تسخنی فی الحقیقت
بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبیعت چونکہ صلح جو اور قریح و مرنجاں وضع ہوئی تھی وہ کسی سے
انکار تو نہیں کرتے تھے؛ مگر ترقی نگاری کا انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے

خلاف بھی نہ اور صاحب کتاب خوش بھی ہو جاسے۔ بہت سا حقہ تمہید میں، یا معتقد کی ذات اور
اسکے اخلاق، یا اسکی محبت اور دوستی کے بیان میں، یا اور لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں بوجھل

نکاح
حرف
چند

نہوں ختم ہو جاتا تھا۔ اخیر میں کتاب کی نسبت چند جملے جماعت سے خالی نہوتے تھے، اور مصنف کے خوش کرنے کے لئے کافی ہوتے تھے، لکھتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ مرزا سے شکایت کرتے تھے کہ آپ نے سائنس میں مضائقہ کیا ہے۔

جب مرزا نے منشی ہرگوپال فقہ کے دیوان کی تقریظ جو کلیات شرف غالب میں موجود ہے۔ لکھ کر بھیجی تو انہوں نے بھی اسی قسم کی شکایت کی تھی۔ مرزا اُسکے جواب میں لکھتے ہیں ”کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ و دروش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی محکوم نہیں آتی کہ بالکل بھانٹوں کی طرح بکنا شروع کر دوں۔ میرے قصیدے دیکھو؛ تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے؛ اور مرچ کے شعر کمتر نشیں بھی یہی حال ہے۔ قراب مصطفیٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کر دو کہ ان کی صحت کتنی ہے؟ مرزا رحیم الدین شاہ جیہ تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ انطباج دیوان حافظ کی۔ جان جا کو بے ہادوی فرائنش سے لکھی ہے اُسکو دیکھو؛ کہ فقط ایک بیت میں اُنکا نام اور انکی مرچ آئی ہے اور باقی نثر میں اور ہی اور مطالب ہیں۔ واقعہ بات یہ کہ اگر کسی شاہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو انکی مرچ اتنی ذکر نہ کرتا کہ جتنی مرچ کی ہے۔ بلکہ اور ہاری روش کو اگر بیچانتے تو اتنی مرچ کو بہت جانتے۔ فقہ مختصر مختاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اُسکے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ جس سے زیادہ بھٹی میری روش نہیں۔ ظاہر اتم خود فکر نہیں کرتے؛ اور حضرات کے بکاتے میں آجاتے ہو۔ صاحب توجہ تیرا اس نظم و نثر کو مہل کہیں گے۔ کس واسطے کہ ان کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ قتل کو اپنے لکھنے والوں میں جانیئے وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا بچائیں گے۔

(نثر) سید احمد خاں نے جب نہایت جانتائی اور عرق ریزی سے آئین اکبری کی تصحیح کی تو دلی کے

قریب دیوان

سید احمد خاں

شاہیر نے اسپر شریں تقریظیں لکھی تھیں؛ اور مرزا نے نظمیں ایک شہزادی لکھی تھی جو ان کے کلمات میں موجود ہے۔ باوجودیکہ مرزا کو سرسید کی خاطر بہت عزت تھی، اور وہ ان سے اور ان کے خاندان سے مثل یگانوں کے ملتے تھے؛ مگر چونکہ مرزا۔ اور افضل کی طرز تحریر کو پسند نہیں کرتے تھے، اور جو آئین اس کتاب میں لکھے ہیں ان کو اس زمانے کے آئینوں کے مقابلے میں بیچ و بیچ سمجھتے تھے، اور تاریخ کا مذاق پیدا کر خود انھوں نے اعتراض کیا ہے بالکل نہ کہتے تھے اس لئے آئین اکبری کی تصحیح کو انھوں نے کبھی فضول کام سمجھا۔ گو انکی یہ رائے غلط ہو یا صحیح۔ مگر چونکہ آئین اکبری اور اسکی تصحیح کی نسبت ان کا خیال تھا انکو تقریظ میں ظاہر کئے بغیر نہیں رہے۔ چنانچہ اس شہزادی کے اول کے چند شعور اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

خود یاراں را گو ایں دیریں کتاب	یافت از اقبال سید فتح باب
ویرہ بیسنا آمد و باز د قوی	کننگی پوشید تشریف نوی
دیں کہ در قیص آئیں راسے اوست	ننگ و عارِ مہنت والا سے اوست
دل بہ شغلے بست و خود را شا و کرد	خود ہمارے بندہ آزاد کرد
گو ہر شس را آنکہ نتواند ستود	ہم بریں کار شس ہی دانند ستود
بر جنیں کار سے کہ اعلش ایں بود	اں ستایہ کش ریا آئیں بود
من کہ آئین ریا را دشمنم	دروغنا اندازد و ان خود منم

مرزا انما العناوید کی تقریظ میں سرسید کی نسبت لکھتے ہیں "یہ کتاب انشائیت اور ذوق انکی آئین ہادی مانا؛ و با مثل بیان ہر از پیشانی ہر چند غرض مانا"۔
 ہمارے بندہ آزاد کرد کہ ان کا نام مرزا کا ہے کہ ان کو افضل کے باپ کا نام مبارک تھا۔

گر جیوں کا ریش نگویم آفریں جاے آں وار دک جویم آفریں
اسکے بعد اگر یزید کے آئین و قانون و ایجادات کسی قدر بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ان چیزوں
کے سامنے پچھلے آئین سب قویم پارینہ ہو گئے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں

طرز تحریرش اگر گوئی خوش است	نئے قزوں از ہر چہ می جوی خوش است
ہر خوشے را خوشترے ہم بودہ است	گر سرے ہست افسرے ہم بودہ است
سید اقیاض را شمر بخیل	نور زمی ریز در طب بازاں خیل
مردہ پروردن مبارک کار نیست	خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست
غالب آئین نموشی دلکش است	گرچہ خوش گفتی دگفتن ہم خوش است
در جہاں سید پرستی دین نیست	اذ شنا بگذر دعا آئین نیست
ایں سر اپا قرہ و فرہنگ را	ستید احمد خان عارف جنگ را
ہر چہ خواہد از خدا موجود باد	پیشکارش طلح مسعود باد

چونکہ اس تقریر میں آئین اکبری کی نقیص کی گئی تھی اور سر سید نے جو ایک نہایت مفید کام کیا تھا اسکی
کچھ داد نہیں دی گئی تھی بلکہ اسکو غیر مفید ظاہر کیا گیا تھا اس لئے انھوں نے آئین اکبری کے آخر
میں مرزا کی تقریر کو نہیں چھپوایا۔

مرزا کی دماغی اور عالی نظری کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ باوجودیکہ ایسی سوسائٹی میں گھرے
ہوئے تھے جس میں سلت کی تقلید سے ایک قدم تجاوز کرنا ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اپنے فن مختصانہ

چال چلتے تھے؛ اور اندھا دھند انھوں کی تقلید ہرگز نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جامع برہان قاطع کی شہرت اور ناموری انکو اُسکا تحلیف کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ”یہ زواں دل و دانا و چشمِ نیا بہر اُن داد و است کہ کابر دانش و نبش ازیں ہر دو گوہر پُر فرگیریم؛ دہرِ جہِ نیکمِ خربہ ستوری دانش اُن را نہ پذیریم۔ استادِی دشنا گردی پیری و مریری نیست کہ تنها اعتقاد میں باشد؛ و میں گئے مشہور کہ ”چیر میں شمس است و اعتقاد میں بس است“، از باز پرس ایسی روسے دہر، حالانکہ وہ ایران کے نامور شعرا کا نایت ادب کرتے تھے اور اسکا ذکر ہمیشہ تعظیم اور احترام کے ساتھ کرتے تھے؛ پھر بھی اندھوں کی طرح انکی تقلید نہ کرتے تھے۔ جو امور سماع اور نقل سے علاوہ رکھتے تھے اُن میں اُن کے کلام کو بے چون و چرا تسلیم کرتے تھے، مگر جو باتیں عقل اور درایت سے تعلق رکھتی ہیں اُن میں انکی تقلید کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ ایک خط میں حزیں کا۔ جسکو وہ بہت بڑا استاد جانتے تھے۔ یہ مطلع نقل کرتے ہیں ”نہ ترکنا زبانی اُن نامزین سوا ہنوز نہ زبیری و نہ انشت زینما ہنوز“ پھر لکھتے ہیں کہ اس مطلع میں ایک ہنوز زائد اور بیودہ ہے؛ متنبی کے واسطے سند نہیں ہو سکتا، یہ غلط محض ہے، یہ سقم ہے، یہ عیب ہے، اسکی کون پر دی کر گیا۔ حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبریل کا ہوتا تو اسکو سند نہ جانا؛ اور اسکی پر دی نہ کرد۔ ایک خط میں منشی ہر گوبال کو لکھتے ہیں ”یہ نہ سمجھا کر دیکھ لکھ گئے ہیں“ حق ہے، کیا آدمی الحق پیدا نہیں ہوتے تھے؟

منشی

مرزا کے کلام پر اگر کوئی ٹھیک اعتراض کرتا تھا، یا کوئی عمدہ تفرقہ انکے شعروں کرتا تھا؛ اسکو فوراً تسلیم کر لیتے تھے؛ اور شعر کو بدل ڈالتے تھے۔ ثنوی درود داغ میں اُن کا ایک مصرعہ تھا ”دخول شد و بجز زدن ساز کرد“ جب مرزا نے یہ ثنوی تحفہ مطلق مکرانی کو بھیجی تو اس نے مرزا کو

لکھا "خوک سم دار و پنجہ اگر تزدیک اسانزدہ اطلاق سم و پنجہ بیک محل روا باشد اعلام باید فرمود" مرزا نے اسکے جواب میں صاف لکھ دیا اگر کلیات فارسی کے چھپنے سے پہلے آپ کا خط پہنچ جاتا تو میں اس لفظ کو بل ڈالتا اور اس مصرع کو اس طرح بنا دیتا "خوک شد و پنجہ نفسی ساز کرد" چنانچہ حب مرزا کا کلام دوسری بار چھپا تو انہوں نے یہ مصرعہ اسی طرح بنا دیا۔

مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیہ کا یہ شعر ہے۔

ہچناں در تن غیب ثبوتے دارند بوجودے کہ نزارند ز قایح اعیان

مرزا صاحب خود مجھے کہتے تھے کہ میں نے ثبوتے کی جگہ نمودے لکھا تھا۔ مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنا یا تو انہوں نے کہا کہ اعیان ثابہ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اسکی جگہ ثبوت بنا دو۔ چنانچہ طبع ثانی میں انہوں نے بجائے نمود کے ثبوت بنا دیا ہے اسطرح ایک قصیدے کے مطلع کا پہلا مصرعہ ہے

عید اسفے بسر آغا نذر مٹاں آمد

مرزا نے اول عید قرباں لکھا تھا پھر نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے کہنے سے حید اسفے بنایا گیا۔ حالانکہ نواب صوف خود مرزا سے مشورہ نہ من کرتے تھے اور مومن مرحوم کے بعد ہمیشہ انہیں کہ اپنا کلام دکھا کر تھے ان باتوں کے بیان کرنے سے مرزا کی تقریش خلقت کو دکھانی مقبوض نہیں ہیں بلکہ انصاف اور حق پسندی کی شریف خصلت اور وہ ملکہ جسکے بغیر انسان کبھی ترقی نہیں کر سکتا مرزا کی ذات میں کھانا مقصود ہے۔ جن لوگوں میں اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی ان کا اپنے فن میں ترقی کرنا نامکن ہے۔

حالانکہ ایشیائی شاعری۔ جسکی بنیاد جھوٹ اور مبالغے پر رکھی گئی ہے۔ مرزا کی رگ و پے میں

سرایت کر گئی تھی باوجود اسکے وہ روایت اور حکایت اور وعدہ و اقرار اور بات چیت میں نہایت
 راست گفتار اور صادق الہیہ تھے۔ اسی لئے جو شخص انکے وعدے یا اقرار کا یقین نہ کرتا تھا اس سے
 نہایت ناراض ہوتے تھے۔ قنصل حسین خاں مرحوم غلط دیوان فضل اللہ خاں سے مرزا نے اپنا
 دیوان مانگا ہے اور اقرار کیا ہے کہ میں اسکو دیکھ کر وہیں بھیج دوں گا۔ انھوں نے دیوان کے دینے
 سے انکار کیا ہے۔ ان کے انکار کے جواب میں مرزا لکھتے ہیں دو کیوں صاحب ! یہ چچا بھتیجا ہزاراؤ
 شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا ؟ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے ملتا تو خدا
 جانے تم کیا غضب دھاتے ؟ میرا کلام ! خرید آٹھ دس روپیہ کی ! سروسہ بھی میں یہ نہیں کستا کہ
 مجھکو دس ڈالو ! تھکو مبارک رہے ! مجھکو ستار دو ! میں اسکو دیکھ لوں ! جو میرے پاس نہیں ہے
 اسکی نقل کروں ! پھر تم کو وہاں بھیج دوں ! اس طرح کی طلب پر نہ نیا دلیل اسکی ہے کہ مجھکو غوطا
 جانتے ہو ! میرا اعتبار نہیں ! یا یہ کہ مجھکو نذر دینا اور ستانا بدل منسوب ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی
 کو دیدو۔ بالشد اللہ میں امیس سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے بھیج دوں گا۔ اگر ٹھکودا پس
 نہ دوں تو مجھ پر لعنت ! اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حاصل رخصت کو نہ نہ تو ٹھکواؤ آفریں۔
 اسی طرح ایک خط میں نواب علاؤ الدین خاں کو لکھتے ہیں

”جست مرگ دے بدتر از گمان تنوشت

مکر لکھ چکا ہوں کہ قصیدے کا مسودہ میں نے نہیں لکھا ! مکر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کوئی کی
 رباعیاں مانگتے ہو ! پھر لکھتے ہو کہ رباعیاں بھیج ! قصیدہ بھیج ! مٹی اسکے یہ کہ تجوڑا ہے ! اب کے تو
 سفر نہ بھیجے گا۔ بھائی قرآن کی قسم ! انجیل کی قسم ! تورات کی قسم ! زبور کی قسم ! ہنود کے چار بیوی

قسم، وساتیر کی قسم، زندگی قسم، پازند کی قسم، آسا کی قسم، گرد کے گرتھ کی قسم، نہ میرے پاس وقصیدہ
نہ مجھے وہ رباعیاں یاد۔ کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں

برہانیم کہ ہستم و ہسماں خواہد بود

مرزا کی اسی راستبازی کا سبب تھا کہ وہ کوئی کام چھپا کر نہیں کرتے تھے۔ جو دل میں تھا وہی زبان
پر تھا۔ جو غلوں میں کرتے تھے وہی جلوت میں بھی کرتے تھے۔ پس اگر ان میں کوئی عیب تھا تو وہی تھا
جبکہ ہر کس و نا کس جانتا تھا؛ مخفی عیبوں سے وہ بالکل پاک تھے

وہ اس خیال سے کہ ان کے کلام کی قدر کرنے والے بہت کم تھے اکثر تنگ دل رہتے تھے۔ چنانچہ
اس بات کی آنھوں نے فارسی اور اردو نظم و نثر میں جا بجا شکایت کی ہے ایک روز قلعے سے سیدھے
نواب مصطفیٰ خاں کے مکان پر آئے؛ اور کہنے لگے کہ ”آج حضور نے ہماری بڑی قدر دانی فرمائی

کی مبارکباد میں قصیدہ لکھ کر لے گیا تھا؛ جب میں قصیدہ پڑھ چکا تو ارشاد ہوا کہ ”مرزا تو پڑھے بہت
محبوب ہو، اسکے بعد نواب صاحب اور مرزا زمانے کی ناقدر دانی پر دیر تک افسوس کرتے رہے۔
مہر نیم دوز میں اس مستون کو کہ میں نے اپنا کمال شاعری محض ناقدر دانوں کی مدح سرائی میں صرف

کیا وہ ایک جگہ اس طرح بیان کرنے ہیں مدینہ من فقے داشت بہ رواں آسانی تسبیح کہ از نثرانی
دزد؛ زبای زده من۔ کہ دم جز بہ نابالست نزد دم۔ بیان مرا قلمے بود بہ دجلہ باری ابر سے
کہ از قبلہ خیزد؛ بیدہ کوش من۔ کہ بارہا بشورہ زار فرور بخیم“ یہی وجہ تھی کہ جب حسن اتفاق

سے ان کو کوئی سخن سنج اور سخن فہم میسر آجاتا تھا تو اسکو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔ ہنسی
بہی بخش حقیر تخلص۔ جو ایک زمانے میں کول میں سر رشتہ دار تھے؛ اور علی سخن فہمی اور سخن سنجی کی

نظم و نثر کی شکایت

حسن اتفاق سے

بڑے بڑے لوگوں سے تعریف سنی گئی ہے۔ کیس وہ دلی میں آئے ہیں؛ اور مرزا کے مکان پر ٹھہرے ہیں
 اُن کی نسبت منشی ہرگز ال فقہ کو ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں جبکہ ماہِ حاصل یہ ہے کہ خدا نے میری
 بیکسی اور تنہائی پر رحم کیا؛ اور ایسے شخص کو میرے پاس بھیجا جو میرے زخموں کا مرہم، اور میرے درد
 کا درماں اپنے ساتھ لایا؛ اور جب میری اندھیری رات کو روشن کر دیا۔ مٹے اپنی باتوں سے
 ایک ایسی شمع روشن کی جبکہ روشنی میں میں نے اپنے کلام کی خوبی۔ جو تیرہ بجتی کے اندھیرے میں خود
 میری نگاہ سے غفلت تھی۔ دیکھی۔ میں حیران ہوں کہ اس فرائض کا زمینی منشی بنی بخش کو کس درجے کی غفلت
 اور سخن بنی غایت ہوئی ہے؛ حالانکہ میں شعر کہتا ہوں اور شعر کہنا جانتا ہوں؛ مگر جب تک میں نے اس
 بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن فہمی کیا چیز ہے؛ اور سخن فہم کس کو کہتے ہیں؛ مشہور ہے کہ خدا نے
 حسن کے دو جوتے کئے؛ آدھا دوست کو دیا اور آدھا تمام بنی زورِ انسان کو۔ کچھ تعجب نہیں کہ فہم سخن اور
 ذوقِ مثنوی کے بھی دو جوتے کئے گئے ہوں اور آدھا منشی بنی بخش کے اور آدھا تمام دنیا کے جوتے میں آیا ہو
 گوزانہ اور آسمان میرا کیسا ہی مخالف ہو یہیں اس شخص کی دوستی کی بدولت زمانے کی دشمنی سے بے فکر
 ہوں؛ اور اس نعمت پر دنیا سے قانع۔

مرزا پر حبِ شعر کے متعلق کوئی ایسی فرائض کی جاتی تھی جو اُن سے آسانی سرانجام نہ ہو سکتی تھی
 تو وہ اس بات کا کچھ خیال نہ کرتے تھے کہ میری شاعری کی شہرت و ناموری پر حرج آئے گا؛ بلکہ صاف
 لکھتے بھیجتے تھے کہ میری طائف سے باہر ہے۔ ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم دستور نے
 مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اردو میں جناب سید الشہداء کا مثنوی لکھیں۔ چونکہ مرزا انکی بہت
 تعظیم کرتے تھے اور انکے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے اُن کے کلم کی تعمیل کے لئے مثنوی لکھنے بیٹھے۔ چونکہ

اس کو چے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا، اور فرمائش ایسی چیز کی ہوئی تھی جسکو اور لوگ حد کمال تک پہنچا پٹے
تھے، اور تو نے میں انخلا شروع ہو گیا تھا؛ شکل سے سندس کے تین بند لگے۔ جنہیں سے پولابند
ہو کر یاد ہے اور یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ہاں اے نفس باوجود شعلہ فشاں ہو اے دجلہ خوں چشم لاکھ سے رواں ہو
اے زمرہ دم لب عیسیٰ پتھراں ہو اے مائیان شبہ مظلوم کہاں ہو

بگڑی ہے بت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

ایک یہ اور ڈوبند اور لکھکر مجتہد، مصر کی خدمت میں بھیج دیے، اور صاف لکھ بھیجا کہ ”تین بند صرف
امثال امر کے لئے لکھے ہیں؛ درمیں اس میدان کا مد نہیں ہوں؛ یہ اُن لوگوں کا حصہ ہے جنہوں
نے اس دادی میں عربی بہر کی ہیں، مجھکو اُن کے درجہ تک پہنچنے کے لئے ایک دوسری ضرورت
ہے، پس مجھے اس خدمت سے معذور و صاف رکھا جائے،“ اُن کا قول تھا کہ ہندوستان میں
انہیں اور دیر جیسا مرتبہ گونہ ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔

بعض اوقات ایسی فرمائشوں سے جنگے سر انجام کرنے میں اُن کو دقت اٹھانی پڑتی تھی بڑے
لطف کے ساتھ پہلو بچاتے تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ مادہ تاریخ نگاہنے سے وہ ہمیشہ گھبرانے لگتے۔
ایک بار نواب علاؤ الدین خاں مرحوم نے اپنے لشکے کی ولادت کی تاریخ اور اسکے تاریخی نام کی فرمائش
کی اسکے جواب میں لکھتے ہیں ”شیر اپنے بچوں کو شکار کا گشت کھیلاتا ہے، طریق میدان فنی سکھاتا ہے
میب جوان ہو جاتے ہیں آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم مختور ہو گئے، حسن طبع خدا داد رکھتے ہو اور لاؤ گے“

تاریخ کیوں نہ کہو! اسم تاریخی کیوں نہ نکال لو! کہ مجھ پر غزوہ دل مردہ کو تخلیف دو۔ علاؤ الدین خانی
تیری جان کی قسم! میں نے پچھلے رشکے کا جو اسم تاریخی نظم کر دیا تھا، اور وہ لڑکا نہ جیا، مجھ کو اس دم
نے گھیرا ہے کہ وہ میری نجاست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا مدوح بیتا نہیں، نصیر الدین میدر، اور
ابجد علی شاہ ایک ایک قصبہ سے میں چل دیے۔ راجد علی شاہ تین قصبہ دلوں کے مقل ہوئے،
پھر نہ منہ بیل کے، جلی مع میں دس بیٹ قصبہ سے کئے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا، ناما صاحب
دوائی خدا کی! میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا، نہ نام تاریخی ڈھونڈھو گا۔

بوجودیکہ مرزا کی تمام عمر قصبہ گوئی اور مع سرائی میں گزری، اور اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ جو
سائنس کا علم ان کو کچھ نہیں ملا، اور جو موت اور کاوش ان کو قصبہ دلوں کی ترتیب میں کرنی پڑی
وہ سب رانچاں گئی، مگر انھوں نے کسی کی ہجو میں کوئی قلعہ یا قصبہ کہی نہیں لکھا۔ مرن ایک قطعہ
جو مرزا کے مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے۔ ہرگز ان کے قلمی مسودات میں دستیاب ہوا ہے۔ جو
میر سے دوست اور مرزا صاحب کے عزیز شاگرد لالہ مباری لال شتاق دہلوی نے اس کتاب کے
لکھتے وقت میر سے پاس بھیجے ہیں۔ اس قلعہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے ایک امیر کی
مع میں ایک فارسی قصبہ مع عرضداشت کے ارسال کیا ہے، اور اس کا جواب مدت دراز تک
مرزا کو نہیں ملا، تب مرزا نے بطور تقاضے کے یہ قلعہ بھیجا ہے۔ جس کو شکل سے ہر طرح کا جاسکتا ہے۔
چونکہ اس قلعہ کا مضمون لطیف سے قالی نہیں اس لئے ہم اول اس کا خلاصہ اردو زبان میں لکھتے ہیں،
اس کے بعد قلعہ مجتہدہ نقل کیا جائیگا۔

قلعہ کا حاصل یہ ہے کہ میں نے عقل سے پوچھا کہ میں نے ایسا اور ایسا قصبہ دراب کی خدمت میں

بیمباجتا، اور اُسکے ساتھ عرضداشت بھی گزرائی تھی؛ پھر کیا سبب ہے کہ جواب عنایت نہیں ہوا؟
 کیا نواب مجھے زندہ ہو گیا؟ اگر یہ بات ہے تو میں نے ناحق تعریف لکھی۔ خدا جانے میں نے کیا لکھ دیا
 ہو گا۔ مگر نواب کو آنروگی ہوئی۔ عقل نے کہا تو کیوں لکھ دیا ہے؟ نواب جس ساز و ساماں کے ساتھ ملے
 بیچنا چاہتا ہے وہ جلدی فراہم نہیں ہو سکتا۔ اُسے بہت دن سے حکم دے رکھا ہے کہ دمشق سے دبا،
 روم سے غل، معدن سے الماس، کان سے سونا، دکن سے ہاتھی، پارٹ سے زرد، عراق سے گھوڑا،
 دریائے موتی، نیشاپور سے فیروزہ، بدشاہ سے یاقوت، ہندو سے ساڈنی، اصفہاں سے تھوار، کشمیر سے
 پشمینہ، ایران سے زربفت، یہ سب چیزیں فراہم کر کے لائیں؛ تب غالب کو صلہ بھیجا جائے۔ پس جبکہ یہ
 ساری دھیل اس وجہ سے ہے تو اُسکو نواب کی آنروگی کی دلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ جب عقل نے مجھکو یہ دم دیا
 تو میری تمام یاس و ناامیدی امید کے ساتھ بیل گئی۔ میں نے بھی اپنے دل میں کہا کہ جب ممدوح میرے
 لئے یہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو میں بھی اُسکے لئے آئینہ اور تلج سکندر سے، انگشتری اور تخت ملیاں سے، جام
 عالم غیب سے، آب حیراں چشمہ نضر سے، عراہد، نشاط و بادید، دل کی قوت، ایمان کی مضبوطی اپنے خدا
 سے، اور اپنی عمری کا جواب اور قصیدے کا صلہ ممدوح سے کیوں نہ مانگوں۔“

قطعہ

گفتہم بخرد و غلوت اُٹس	کاسے شمع و چراغ ہفت ایواں
آیا زچہ زود بود کہ نواب	نوشت جواب نامہ ام۔ ہاں!
اں گو نہ عینہ کہ دانی	درویش نوشتہ سو سے سخاں
اں گو نہ قصیدہ کہ گوئی	از صفحہ دوسرہ سنبہستان

ایں ہر دو رسید نیست پیدا	ژاں سواثر کے بسیج عنوان
رنجید مگر ز مدح تو آب	اسے کاشش نگشتے ثنا خواں
ایہاں چہ گفتہ ام کہ باشم	از گفتہ خویش تن پشیاں
عقل لم بجواب گفت "غالب"	زنسار مخور فریب شیطان
نواب لبیک را فرمان است	تا نامہ فرستدت باماں
واما کہ بنما طریش گذشتہ است	زود آں مسہ جمع کرد تو اں
ز دوست کہ حبیب نیز گردد	دیر ست کہ دادہ است فرماں
تا راہ رود ان بحسب ویر گردد	از نہ بکوشش منہ اداں
ویسا زو مشق و محنت اندوم	الما س ز ممدن و در اذکاں
فیصل از دکن و ز قزو از کوہ	قوسن ز عساق و در زئماں
فیہ دوزخ نغز از زنا پور	یا قوت گزیدہ از بدخشاں
جستازہ تین روز لبنداد	شمشیر بر بندہ از صف اہاں
پشیمینہ قیستی ز کشمیر	ز لبقت گراں بہا ز ایراں
با جملہ دزدک چوں ازین روست	بر پنج و طال نیست بر ماں
چوں پیر حسد و بدعت زوی	گفت ایں ہمہ راز ہائے پناں
گشتم بہم اسید و اری	مرحسہ ہر زخم یاس و حرمال
گفتم کہ چو با من ایں کرم کرد	اک قبلہ و قبلہ گاہ عیاں

ناچار ز راو حق گذاری تا کردہ مشو دلاسنے آں
 سن نیز طلب کنم برایش ایں خواہش اگر نیست آساں
 آستند و تاج از سکنہ انگشت و تخت از سلیمان
 از عالم غیب جام جمشید از چشمہ رخت آب حیاں
 عبرت و نشا و جہاود نیروی دل و ثبات ایمان
 توصیف جواب ناز خویش توصیف عطا و بذل احسان

مرزا کی بی بی جو اسی بخش خاں سعادت کی بی بی تھیں۔ وہ نہایت شفیق پرہیزگار اور نماز روزہ
 کی سخت پابند تھیں۔ جس قدر مرزا مذہبی معاملات میں بے مبالغہ تھے اسی قدر ان کی بی بی
 احکام مذہبی کی پابند تھیں؛ یہاں تک کہ بی بی کے کھانے پینے کے اسن الگ اور شوہر کے الگ
 رہتے تھے۔ اور بی بی شوہر کی خدمتگاری اور خدمت گیری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتی تھیں
 مرزا صاحب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے مگر ان کے کھانے اور دوامتھنڈائی اور چڑا دل وغیرہ کا
 انتظام سب گھر میں سے ہوتا تھا۔ مرزا میں جب تک چلنے پھرنے کی طاقت رہی ہمیشہ وقت میں پر ایک بار
 وہ گھر میں ضرور جاتے تھے۔ اور بی بی اور ان کے تمام رشتہ داروں کے ساتھ نہایت عمدہ و برتاؤ رکھتے
 تھے، اور اپنی جان سے بڑھ کر ان کی ضروریات اور اخراجات کا خیال رہتا تھا۔ مگر چونکہ شوخی اور خرافات
 ان کی کھٹی میں چڑی تھی ان کی زبان و تلم سے بی بی کی نسبت اکثر ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جنکو ناواقف آدمی
 نفرت یا بے تعلقی پر محمول کر سکتا ہے۔

کسی نے امر او سنگ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال مرزا کو لکھا، اور انہیں یہ بھی لکھا

منشی
 نقی

مکتوب

اُسکے ننھے ننھے بچے ہیں! اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے؟ اور بچوں کی کس طرح پرورش ہو؟ مرزا اُسکے جواب میں کہتے ہیں: "امراؤ سنگد کے حال پر اُسکے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ!" ایک وہ ہیں کہ خود و دُور باہر انکی بیڑیاں کٹ چکی ہیں، اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پائش برس سے جو بھانسی کا پسند اگلے میں پڑا ہے تو نہ پسند ہی ٹوٹتا ہے، نہ دم ہی ٹھنکا ہے۔ اُسکو سمجھاؤ کہ بجائی تیرے بچوں کو پس پال لیا، تو کیوں ہاس پسندتا ہے؟ "وہ ہمیشہ تعلقات خاکی کو بذا یا ہڑا ایک سخت مصیبت بتایا کرتے تھے۔

ہاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا بچہ اساتے رکھا تھا۔ طوطا سردی کے سبب پردن میں ٹھہر چکا تھا۔ مرزا نے دیکھ کر کہا: "ریاں بچو! نہ تمہارے جو رو نہ بچے، تم کس فکر میں یوں سر ٹھیکائے بیٹھے ہو؟ ایک دن مرزا مکان بننا چاہتے تھے۔ ایک مکان آپ خود دیکھ کر آئے؛ اسکا دیوانہ خانہ تو پسند آیا، مگر عسکر خود نہ دیکھ سکے، گھر پر آکر اُسکے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا۔ وہ دیکھ کر آئیں تو ان سے پسند ناپسند کمال پوچھا۔ انھوں نے کہا: "اِسیں تو لوگ جانتے ہیں۔ مرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھکر کوئی بلا ہے؟ یہاں مرزا کا ایک قلعہ اور ایک باغی تھنساے مقام کے موافق لکھی جاتی ہے

گیر کہ دور درِ حشر چوں تو ہمینستی	بر سرِ دوق نہ تند تیرہ شہین
لیک نباشد درانِ منیعِ مصیبت	در طلبِ ران و جامہ گفتکش اذن
لیک نباشد درانِ مقامِ صوبت	شورِ قافا سائے نادر اسے حاجن
اسے آں کہ براہِ کعبہ دے داری	دائم کہ گزیرہ آرد و سنے داری
زیرِ گونہ کہ تندی خرامی - دائم	در قاف ز سنے سترہ سنے داری

مرزا اپنی شوخی طبع کے ماتھے سے عبور تھے، اور کسی موقع پر خوش طبعی کرنے سے نہ چوکتے تھے۔

مرزا انہی تہمتیں خان معروف جنگے تقدس اور بزرگی کے سبب اُنکے بڑے بھائی زانو سے ادب چکر کے اُنکے سامنے بیٹھتے تھے، اور جو مرزا کے خسر ہونے کے سبب اُنکے قبلہ و کعبہ تھے۔ اُن کے اُگے بھی مرزا ابوبی شرفی سے باز داتے تھے۔ وہ لوگوں کو مرید بھی کیا کرتے تھے، اور جب بست سے مرید ہو جاتے تھے تو اُن کو اپنے سلسلے کے تمام مشائخ کا شجرہ لکھوا کر ایک ایک کاپی سب کو تقسیم کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے مرزا کو شجرہ دیا کہ اسکی نقل کر دو۔ آپ نے شجرہ کی نقل اس طرح کی کہ ایک نام لکھ دیا دوسرا حذف کر دیا تیسرا پھر لکھ دیا چوتھا پھر ساقط۔ غرض کہ بسطیح بست سے حذف و اسقاط کر کے نقل اور اصل جا کر اُنکے حوالے کی۔ وہ دیکھ کر بہت غصا ہوئے کہ یہ کیا غضب کیا؟ مرزا نے کہا حضرت! آپ اس کا کچھ خیال نہ فرمائیے؛ شجرہ دراصل خدا تک پہنچنے کا ایک زینہ ہے؛ سوزینے کی ایک ایک سیڑھی اگر نیچے سے نکل دیکھائے تو چنداں حرج واقع نہیں ہوتا؛ آدمی خدا اچک اچک کر اوپر چڑھ سکتا ہے۔ وہ اچک بست بڑ ہوئے، اور وہ نقل پھاڑ دالی اور کسی اور شخص سے اسکی نقل کرائی؛ اور مرزا ہمیشہ کے لئے اس تکلیف سے چھوٹ گئے۔

مرزا یا تو اسوجہ سے کہ اُن کی زندگی فی الواقع مصائب اور سختیوں میں گزری تھی، اور یا اس لئے کہ اُن پر ناظروں کا بہت زیادہ اشتہاد تھا؛ آخر عمر میں موت کی بہت آندو کیا کرتے تھے۔ ہر سال اپنی وفات کی تاریخ نکالتے اور یہ خیال کرتے کہ اس سال ضرور مر جاؤں گا۔

شعبۂ اجمری میں اُنہوں نے اپنے مرنے کی تاریخ یہ کہی کہ ”غالب مراد“ اس سے پہلے کہی ہوتی غلط ہو چکے تھے۔ منتہی جو اہر سنگ جو تھلص جو مرزا صاحب کے مخصوصین میں سے تھے اُن سے مرزا صاحب نے اس بات سے کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے کہا حضرت! انشاء اللہ یہ آدہ بھی غلط ثابت ہو گا۔ مرزا نے کہا

اُن کی زندگی

مرزا

”دیکھو صاحب تم ایسی فال منہ سے نہ نکالو، اگر یہ مادہ مطابق نکلا تو میں سرخوڑ کر مر جاؤں گا۔“

ایک دفعہ شہر میں سخت وبا پڑی۔ میر محمدی حسین عروج نے دریافت کیا کہ حضرت! وبا شہر سے
 دفع ہوئی یا ابھی تک موجود ہے؟ اُسکے جواب میں لگتے ہیں ”بھئی کیسی وبا؟ جب ایک شہر برس کے
 پچیسے اور شہر برس کی بڑھیا کو مار سکے تو قوت برسیں وبا! اسی قسم کی اور بہت سی باتیں اور عجوبے
 اُن سے منقول ہیں۔ جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر عمر میں مرنے کے کس قدر آواز دہندہ تھے۔

مرنے سے کئی کئی برس پہلے سے چلنا پھرنا بالکل موقوف ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات پٹنگ پر پڑے
 رہتے تھے۔ غذا کچھ نہ رہی تھی۔ چند منہ سات سات دن میں اجابت ہوتی تھی۔ مٹت چوکی پٹنگ
 کے پاس ہی کسی ندر او بھل میں لگی رہتی تھی۔ جب حاجت معلوم ہوتی تھی تو پردہ ہوجاتا تھا۔
 آپ بغیر استنات کسی نوکر پا کر کے کپڑے اتار کر بیٹھے ہی بیٹھے کھسکتے ہوئے چوکی پر پہنچتے تھے۔ پٹنگ پر
 چوکی تک جانا، چوکی پر چڑھنا، چوکی پر دیر تک بیٹھے رہنا، اور پھر چوکی سے اتر کر پٹنگ تک آنا، ایک
 بڑی سترل طے کرنے کے برابر تھا۔ مگر فطوں کے جواب اس حالت میں بھی برابر۔ یا خود پٹنگ پر پڑے پڑے
 لگتے تھے، یا کسی دوسرے آدمی کو تانے جاتے تھے، وہ دکھتا جاتا تھا۔

مرنے سے چند روز پہلے بیرونی طاری ہو گئی تھی۔ پہر پر دو دو پر کے بعد چند منٹ کے لئے افادہ ہوجانا
 تھا، پھر بیروں ہر جاتے تھے۔ جس روز انتقال ہو گا اس سے شاید ایک دن پہلے میں انکی عیادت کر
 گیا تھا، اس وقت کئی پیر کے بعد افادہ ہوا تھا۔ اور نواب علاؤ الدین احمد خاں مرحوم کے خط کا جواب لکھوا رہے
 تھے۔ انھوں نے لوہار سے حال پوچھا تھا، اُسکے جواب میں ایک فقرہ اور ایک فارسی شعر جو غالباً شیخ سودی
 کا تھا۔ لکھوایا۔ فقرہ یہ تھا کہ ”میر احمال مجھے کیا پوچھتے ہو؟ ایک آدمہ روز میں جہا یوں سے پوچھنا، اور شوکا

پہلا معصیح مجھے یاد نہیں رہا دوسرا معصیح یہ تھا "دنگر دھرم" یا "مین ہر تو سلامت"، رننے سے پہلے اکثر شہر
 در در زبان رہتا تھا "دہم دایس بر سر راہ ہے" عزیز و اب اللہ ہی اللہ ہے۔

آخر ذیقعد ۱۱۵۸ ہجری کی دوسری اور فروری ۱۷۴۹ء کی پندرہویں کو شہر میں اور چار مہینے کی عمر میں
 دنیا سے رحلت کی، اور درگاہ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ میں اپنے خسر کے پائین فرارذ فرمائی گئی۔
 انکی وفات کی تاریخیں جو مدت تک ہندوستان کے اردو اخباروں میں چھپتی رہیں دکنی ادب شاہ سے اہر جی، برن
 ایک تاریخ جیسے دس بابہ آدیوں کو توار دہوا۔ یاد رکھنے کے قابل ہے (یعنی آہ غالب برد) جسکو مختلف لوگوں نے
 مختلف طور پر قطعات میں تقسیم کیا تھا۔ تاریخوں کے علاوہ مرزا قربان علی بیگ ساک، میر حسنی حسین بھون، اور
 کتاب خانے اردو میں اور قسطنطنیہ ہر گاہ پالی فتنہ نے فارسی میں، مرزا اکوڑیہ بھی لکھے تھے۔ جو اسی زمانہ میں مہاراجہ شائع ہو گئے۔
 مرزا کے جنازے پر جب کہ دلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا، اور شہر کے اکثر علماء اور
 ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفیٰ خاں، حکیم احسن اللہ خاں وغیرہم، اور سب
 اہل سنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازے کی شاییت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نیز گنجی
 محمود خاں نے نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب شیعہ تھے، ہکو اجازت ہو کہ ہم
 اپنے طریقے کے موافق انکی تجزیہ و تکفیس کریں، مگر نواب صاحب نے نہیں مانا، اور تمام مراسم اہل سنت کے
 موافق ادا کئے گئے، اسے شک نہیں کہ نواب صاحب سے زیادہ انکے اہلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں
 ہو سکتا تھا، مگر ہمارے نزدیک بہتر یہ تھا کہ شیعہ اور سنی دونوں بلکہ اعلیٰ و علیہ انکے جنازے کی نماز پڑھتے اور صلیبوں کو
 میں اکٹرا کر اوستی اور شیعہ دونوں کے ساتھ یکساں رہا تھا۔ اسی طرح مرئیے بعد بھی دونوں فرقوں کی حق گواری میں شریک ہوتے
 مرزا صاحب کے شاگرد اطراف ہندوستان میں پھیلائے۔ انکی وسعت اخلاق اور عام رضا جوئی نے

بنی
 دکان

نہ
 لکھا

نہ
 لکھا

یہ دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا۔ جو شخص اصلاح کے لئے اُنکے پاس غزل بھیجتا تھا ممکن نہ تھا کہ وہ اُنکے خط کا جواب اور اُنکی غزل میں اصلاح دیکر بھیجیں۔ اگرچہ مرزا کی نظرت شاعری میں اپنے طبقے کے لوگوں سے اس قدر بلند واقع ہوئی تھی کہ وہ کسی شاعر کو دیا مستفید کر اپنے ساتھ ساتھ نہیں لے چل سکتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے خود ایک فلسفی شعر میں اس مضمون کی طرٹ اشارہ کیا ہے : وہ کہتے ہیں

ماہائے گرم پر دوزخ فیض از ما جو سے سایہ بچون دود را لایم و دوزخ بال ما

با اہمہ اہل دہلی و دوزخ دہلی میں چند اصحاب جو مرزا کے فیض صحبت اور مشورہ سخن سے زیادہ مستفید ہوئے تھے اُنکے ارشد تلامذہ بھیجے جاتے تھے : جیسے نیر خشان ، عارف ، سالک ، مجروح ، علانی ، قفہ دفریم۔ اُنکے سوا خاص اہل دہلی میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مرزا کے شاگرد نہیں بھیجے جاتے تھے لیکن در حقیقت اُنکے شاگرد منوی تھے : جیسے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم مخبول نے مومن خاں مرحوم کی وفات کے بعد ہمیشہ اپنا کلام فارسی ہوا اردو مرزا ہی کو دکھایا۔ یا جیسے سید غلام علی خاں مرحوم قلمس بہر حشت جو مرزا کے مدرسے زیادہ ماننے والے اور متقد ادراکی صحبت سے مستفیض رہے تھے۔ مرزا نے انہیں دوزخ صاحبوں کی طرف اپنی ایک اردو غزل کے مطلع میں اشارہ کیا ہے اور کہا ہے

۱۔ صاحب دوزخ کے شاگردوں میں تھے اُنکے دارالکلام سید فزت اذہ خاں تھا اور مولانا رشید الدین خاں مرحوم کے ہاں دوزخ سے قلم علم و فضل کے اردو استاد ہی اور نوزادوں میں جنایت خوش ہیاں اور شوقا ماق دے دے دے لکھتے تھے اول سرکار انگریزوں میں لازم ہے پھر ان میں نور ماہر گئے پھر لکھنؤ میں نواب حیدر الدار مرحوم نائب وزیر کے توسط سے کہ ان سے قربت فرما کر لکھتے تھے ایک مرزا قدرت پر جنازہ ہر گئے وہاں سے پھر الہ آباد گئے اُسے تھے اندر دنگ دیں رہے قدر کے بعد اخیر ترک سرشتہ تسلیم میں منسلک رہے اور نواب مصطفیٰ خاں مرحوم انکی ہر حال میں مدد کرتے رہے ۱۱

دوست و شفقت اب مرثیہ لکھیں شاید مرگیا غالب آشفہ نوا کہتے ہیں

یہ دونو صاحب باہر گر نہایت گہری دوستی رکھتے تھے؛ یہاں تک کہ انکی دوستی عشق کے درجے تک پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ جبکہ راقم بھی جہانگیر آباد میں موجود تھا سید غلام علی خاں مرحوم نواب صاحب سے ملنے کو آئے ہوئے تھے اور مرزا صاحب نے بھی اُن کا یہاں آنا سن لیا تھا۔ انہیں دونوں میں مرزا کا خط نواب صاحب کے نام آیا۔ انہیں خاں صاحب کو بھی سلام لکھا تھا اور اخیر فرمایا حافظہ کے مشورہ شعر کا پہلا مصرع (سطح بدل کر لکھا تھا

”چو با حبیب نشینی دچاسے پیانی بیا د آہر صد فیان بادہ پیمار“۔

ایک عزیز نے یہ لطیف شعر لکھا کہ خواجہ حافظ کے اصل شعر میں اس قدر لطف نہ تھا جیسا کہ اس موقع پر مرزا صاحب کے اس تصرف سے انہیں لطف پیدا ہو گیا۔

مرزا صاحب کے اُن شاگردوں کا حال جبکہ نام کے بت سے خطوط اور دوسے معلیٰ اور عود ہندی میں مرزا کے لکھے ہوئے موجود ہیں یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں؛ اس لئے ہم مرزا کے دو صاحبوں کا مختصر ذکر اس مقام پر لکھتے ہیں ایک نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم اور دوسرے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کہ غالباً ان دونوں بزرگوں میں سے کسی کے نام کا کوئی خط مرزا کے اردو مکاتبات میں نہیں ہے مین سے اُن کی خصوصیت مرزا صاحب کے ساتھ خاص عام کو معلوم ہو

نواب ضیاء الدین احمد خاں جو فارسی میں شیر اور اردو میں رخشال تخلص کرتے تھے۔ قطع نظر کمال شاعری و اقتدار و داری کے تاریخ، جغرافیہ، علم انساب، علم اساتذہ رجال تحقیق و

نہایت نوبہا سب سے خرابے بہت تھے اور مرزا ہی تھے اس لئے انکی نسبت چالیس سال کی نسبت بادہ پیمار لکھا۔

اور جنرل انفریڈیشن (عام واقفیت) میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے فنونِ کور میں
کئی مستقل تصنیف اپنے نام سے تیس جھوڑی؛ لیکن اکثر منتقین اُن سے مدد لیتے تھے اور جو شکل
پیش آتی تھی اُن سے مشورہ کرتے تھے؛ خصوصاً ایسٹ صاحب نے جو ہندوستان کی
تاریخ کئی جلدوں میں لکھی ہے اُسکی تصنیف و ترتیب میں نواب ممدوح نے بے انتہاء مدد پہنچائی تھی
جبکہ مصنف نے اپنی کتاب کے دیباچے میں خود اعتراف کیا ہے۔

چونکہ نواب ممدوح اہلِ کمال کے عاشق تھے اور خاصکر مرزا صاحب سے اُنکی حقیقی جھڑپا
ہنِ صوبہ تھیں اس لئے مرزا کے ساتھ انکو خاص اعلق تھا۔ وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں
مکمل طور پر سمجھتے تھے؛ مگر زیادہ تر فارسی نظم و نثر لکھتے تھے اور مرزا کے قدمِ مقدم چلتے تھے۔
مرزا نے جو ایک قصیدہ نہایت بلیغ و لطیف نواب ممدوح کی شان میں لکھا ہے اور جس میں
انکا استاد ہونے پر فخر کیا ہے اس کے کچھ اشعار معلق مقامات سے اتفاقاً کر کے یہاں لکھے جاتے ہیں

صدا قباب قواں ساختن بیاد بچہ	دذرتہ کہ بود در ضیاء سیر من
نایں سپہ روزاں مہر عالمے دگر است	من آسمانم و او مہر نور گستر من
من آں سپہر کہ دافم چنانکہ مہر بیاہ	بر ہمسر فرد و نہایت سہر متور من
من آں سپہر کہ ہر دم رسد عطیہ فیض	بر سعد اکبر گردوں ز سعد اصغر من
منم خزینہ راز و در جستریہ مراد	ضیاء دین محمد کیس برادر من
برین و دانش و دولت یگانہ اتفاق	بحسب کمر داز و سرتیہ بہتر من
بر ہر ذل برادر دہم نہ یقوتو لم	کہ پور خوش بود و لسان و لہر من

سخن سراے نو آئیں فواسے را نازم
 بنالہ ہم نفس من یہ شور ہم سر من
 بیکتہ شیوہ شاگرد من بہن پاکست
 صنم بصورت خود سے ترا شاہ آذر من
 اگر چہ اوست ارسطو من ملاحظہ
 بود بیا یہ ارسطو سے من سکندر من
 زمین کو سے مرا آسماں کند ہر صبح
 طلوع تیر روشنی ز طرف منظر من
 اگر شوم پیش آتے شرارہ نشان
 شود بقاعدہ ہمدی سمند زمین
 بجز گر قدم رہ۔ بود سفینہ بین
 بہر دوست دہم دل۔ نشاط خاطر من
 گرم ز غصہ تہ گشتہ کار۔ ہوش من
 زہے زور سے تو پیدا فرغ دانش دوا
 دتو کہ آئندہ فیض صحبت آدنی
 مرا ستودی و گفتی کہ من از آن توام
 سعادت و شرف چون منے بغرض کمال
 زبیس بود کہ بود چوں تو تھے ناگزین
 ہوا سے دیدن غالب قتادہ در سر من
 خدا سے آن تو باداقتل و اکبر من
 نہ پس بود کہ بود چوں تو تھے ناگزین

نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفۃ قلوب کہتے تھے اگرچہ
 مرزا کے تلامذہ میں شمار نہیں ہوتے تھے بلکہ جیسا کہ مومن خاں مرحوم زندہ رہے انہیں سے
 شہرہ سخن کرتے رہے لیکن خاں مرحوم کی وفات کے بعد ریختہ اور فارسی دونوں زبانوں میں
 وہ برابر مرزا کو اپنا کلام دکھاتے تھے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہ ہو تو مرزا کے بعد ان کے معاصرین میں

علامہ مسلم پٹا نے مرزا کی وجہ میں کوئی قصیدہ لکھا تھا جسکی طرز ابن ودفویول میں اشارہ ہے ۱۲

نواب
 محمد مصطفیٰ خاں

کسی کی فارسی غزل انکی غزل سے لگانیس کھانی تھی اور ذوق کا جیسا صحیح مذاق انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اور یہ ثابت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے لوگ انکے مذاق کو شعر کے حسن و قبح کا معیار جانتے تھے۔ انکے سکوت سے شاعر کا شعر خود اسکی نظر سے گرجاتا تھا اور ان کی تحسین سے اسکی قدر بڑھ جاتی تھی۔ یہی وہ شخص تھے جنکی نسبت مرزا غالب فرماتے ہیں

غالب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
نوشته در دیوان غزل نام مصطفیٰ خان خوشنود

غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد
غلاب بہ فن گفتگو ناز و دبیریں از پیش کرد

دست رد و بزلج قیصر سے نم	بشت پا بر تخت خاقاں سے زخم
خردہ سے گیر نہ بر من قدسیاں	گر نفس در موج سلطاں سے زخم
اں ہمارے تیز پروازم کہ بال	در ہوا سے مصطفیٰ خاں سے زخم
عرفی و خاقانی شمس راں پذیر	بسکہ در شیراز و شیرداں سے زخم
اد و خرام مست و من چادرش وار	بانگ بر اجرام دارکاں سے زخم
گلشن کو لیش گدازگا و من ست	دوش در فتن برضواں سے زخم
خوبی خویش بد آموز من ست	دم زبیری سے زخم ہاں سے زخم
مہر دزدی ہیں کہ باشم ہمیش	من کہ زانویش دریاں سے زخم
بشنو دے آنکہ باداں را بزد	نالہ گر در گنج زنداں سے زخم
بنگر دے آنکہ کلک اں را کشد	نقش گر بر صفحہ بہاں سے زخم

دوسرا حصہ

مرزا کے کلام پر ریویو اور اس کا انتخاب

مرزا کے کلام پر ریویو کرنا، اور اس کی حقیقت لوگوں کے ذہن نشین کرنی۔ ایک ایسے زمانے میں جبکہ فارسی زبان ہندوستان میں بہتر لہجہ زدہ زبان کے ہو گئی ہے اور ذوق شعر و زبرد کا فور ہوتا جاتا ہے۔ ایک نہایت مشکل کام ہے مرزا کے کلام میں جو چیز سے زیادہ گراں قدر ہے وہ انکی فارسی نظم و نثر ہے۔ لیکن اول تو فارسی زبان سے نکلنے میں عام اجنبیت پائی جاتی ہے؛ دوسرے مرزا کے کلام میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں جن سے لوگوں کے مذاق بالکل نا آشنا ہیں۔ پس جو شخص اس زمانے میں ان کے کلام پر ریویو کرنا اور اس کے ذریعے مصنف کی حقیقت اور اس کا رہنما چاہتا ہے وہ درحقیقت ایک ایسے کام کے درپے ہے جس میں کامیابی کی بہت ہی کم امید ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کچھ امید ہے تو اسی صورت میں ہے کہ کچھ کیا جائے؛ نہ یہ کہ کام کی مشکلات پر نظر کر کے اس سے ہاتھ اٹھایا جائے۔

دفعہ عن غنیمت جز غنیمت خوردن چار و کار نیست جسہ کردن

مرزا کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ انکی حالت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ
ملکہ ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ انھوں نے بیسا کہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمہ
میں تصبیح کی ہے۔ گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں انھوں نے
فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کئے تھے؛ جنکی روایت میں کہ چہ بجائے یعنی چہ کے
استعمال کیا تھا۔ جب انھوں نے وہ اشعار اپنے استاد شیخ معظم کو سنائے تو انھوں نے کہا کہ
یہ کیا مہل روایت اختیار کی ہے؛ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یہ سنکر خاموش
ہو رہے۔ ایک روز ملا ظہوری کے کلام میں ایک شعر انکی نظر پڑ گیا جسکے آخر میں لفظ کہ چہ یعنی
چہ کے معنی میں آیا تھا۔ وہ کتاب لے کر دوڑے ہوئے استاد پاس گئے اور وہ شعر دکھا یا شیخ
معظم اسکو دیکھ کر حیران ہو گئے؛ اور مرزا سے کہا تو فارسی دربان سے خدا دادنا سبت ہے؛
تم ضرور فکر شعر کیا کرو؛ اور کسی کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کرو۔

مرزا کو بیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے باپ نے پانچ برس کی اور چچا نے نو برس کی عمر میں چھوڑ
تھا۔ چچا کے بعد کوئی مرتبی دسر پرست انکے سر پر نہ رہا تھا۔ مرزا کی تخیال جہاں انھوں نے

سلسلہ شنی بیانی لال مشتاق کا بیان ہے کہ لاکھ کمال ایک صاحب لاکھ کے ہتھ والے جو مرزا صاحب کے ہوتے ہیں کیا راقی میں آئے اور جب
مرزا صاحب سے ملے تو انھوں نے کلام میں لکھوا دیا کہ جو شنی آپ نے چنگا بنی کے نہا نہیں گئی یعنی وہ بھی ایک بکریا ہے؛ آخر
نے انکار کیا اور صاحب نے کہا وہ اردو شنی میرے پاس موجود ہے چنانچہ انھوں نے وہ شنی مرزا کو لاکر دی
اور وہ اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے انکے آخر میں یہ فارسی شعر لکھی استاد چنگا کی زبان سے لاحق کر دیا تھا۔
مرزا درگم اٹھند دست + مے کشد ہر جا کہ خاطر خواہ آست "لاہ صاحب کا بیان تھا کہ مرزا صاحب کی عمر یکہ شنی لکھی
تھی آخر درجس کی تھی۔"

پرورش پائی تھی بہت آسودہ حال تھی اور تنہیال کی شردت سے ظاہر مرزا اور ان کے بھائی سے
 بڑھکر کوئی فائدہ اٹھانے والا نہ تھا۔ آغا بہت شباب میں جبکہ سر پر کوئی مرنی نہ ہو۔ دولت و آسودگی سے
 زیادہ کوئی چیز فائدہ برآں نہ ہو سکتی۔ مرزا کی نوجوانی کے ساتھ اس آسودگی نے وہ کام کیا جو
 آگ بارود کے ساتھ کرتی ہے۔ جس آزادی اور مطلق العنانی میں مرزا کی جوانی گزری ہے اس کی کیفیت
 کا خود انھیں کے افغان سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ ایک جگہ اپنی جوانی کی حالت اس طرح ظاہر
 کرتے ہیں۔ ”بافر و فرنگ بچگانہ، و بانام و تنگ دشمن، با فردایاں ہنشین، و با اوباش ہر گز
 پاسے بیراہہ پوسے، و زباں بے مرفکوسے، و شکست خویش گردوں را دستیار، و در آزار خویش دشمن
 را آموزگار“۔ اس کے بعد لکھتے ہیں ”تیزی رفتار میں از مسجد و تہخانہ گرد آئینخت، و خانقاہ و سیکرہ را بیکر
 زد“۔ العسرض مرزا کا لوہا کین اور ان کی جوانی ایسی حالت میں بسر ہوئی تھی کہ ایک ایسے فن میں
 جس کا نہ کوئی قدر داں نظر آتا تھا اور نہ کوئی خریدار دکھائی دیتا تھا، اعلیٰ درجے کا کمال ہم پہنچا تھا
 تو درکنار، اس کا خیال بھی دل میں گزرنے کا قریب ناممکن کے تھا۔ پس یہ صرف ان کی طبیعت کی
 اور فطری قابلیت کا افضا تھا کہ اس غفلت و بستی کے عالم میں بھی شعر کا کشکا برابر نگار با اثر ہوئی
 کی تکمیل کا خیال ایسی بے خبری کے زمانے میں بھی فراموش نہیں ہوا۔

مرزا نے گل رعنا کے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے اول اردو زبان میں شعر کہنا شروع کیا تھا
 اس لئے ہم بھی پہلے ان کے اردو دیوان کا ذکر کرتے ہیں۔ جس روش پر مرزا نے ابتدائیں اردو شعر

سے مرزا نے اپنے نکلنے کے ایک دوست مولوی سرسج احمد کی فرمائش سے اپنے تمام اردو اور فارسی دیوان کا انتخاب کیا تھا جس کا
 دیباچہ ان کے کلمات شرفاویس میں موجود ہے اس کا نام گل رعنا رکھا تھا۔

کونا شروع کیا تھا۔ قطع نظر اسکے کہ اُس زمانے کا کلام خود ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس روش کا اندازہ اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ خود مرزا کی زبان سنایا ہے کہ شیر تقی نے جو مرزا کے ہم وطن تھے اُنکے لڑکپن کے اشعار سُکر یہ کہا تھا کہ مگر اِس لڑکے کو کوئی کمال اُتادل گیا اور اُس نے اِسکو سیدے رستے پر ڈال دیا تو لا جواب شاعر بجا بیگا، در نہ مہل کہنے لگے گا۔

مرزا کے ابتدائی اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تو طبیعت کی مناسبت سے اور زیادہ آقا عبد الصمد کی تعلیم کے سبب۔ فارسیت کا رنگ ابتدا ہی میں مرزا کے بول چال اور انکی تعریف پر چڑھ گیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اکثر ذی الطبع لڑکے ابتدا میں سیدے سادے اشعار کی نسبت شکل اور پیچیدہ اشعار کو جو بغیر غور و فکر کے آسانی سے بحر میں نہیں آتے زیادہ شوق سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ مرزا نے لڑکپن میں بیدل کا کلام زیادہ دیکھا تھا چنانچہ جو روش مرزا بیدل نے فارسی زبان میں اختراع کی تھی اُسی روش پر مرزا نے اردو میں چلنا اختیار کیا تھا جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں

”ظہر بیدل میں رنجستہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے“

یہاں بصورتِ غور مرزا کے ابتدائی کلام میں سے چند اشعار لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ کُترے کُترے فکرِ خمیرِ خرابیاں بیل گردوں زبکے خشتِ مثلِ استخوانِ سبز ز قلابا

مرزا کی ولادت سنہ ۱۲۸۵ میں ہوئی ہے اور میر کی وفات سنہ ۱۲۸۰ میں واقع ہوئی اِس سے ظاہر ہے کہ مرزا کی عمر میر کی وفات کے وقت تیرہ چودہ برس کی تھی۔ مرزا کے اشعار اُنکے چچن کے دوست نواب محمد العین حیدر خاں مرحوم والدہ نافر میں مذکور آقا نے میر تقی کو دکھائے تھے۔

جو ہندوستان اپنے زبان میں سے تو کمال ڈالا گردان فارسی میں تنویرِ افکار داخل کر دیا یعنی اِس طرح ”کنہ فکرِ خمیرِ خرابیاں زبکے خشتِ مثلِ استخوانِ سبز ز قلابا“

- (۱۲) اسد ہر آنکس کے ایک حلقہ بزرگخیز اقرودن
 (۱۳) بحر شگاہہ بازگشتہ جاں بخشی خویاں
 (۱۴) رکھا غفلت نے دور افتادہ ذوق قنادز
 (۱۵) پریشانی سے منبر سرسوا ہے پتہ بالمش
 (۱۶) موسم گل میں ہے گلگوں حلال میکان
 (۱۷) ساتھ جنبش کے بیک بر خاستن طے ہو گیا
 (۱۸) بر بندگی یہ ہے نقش بر آب امید رستن
 (۱۹) خضر کو چشمہ آب بقا سے ترقی میں پایا
 (۲۰) اشارت فہم کو ہر ناخن بریدہ ابرو تھا
 (۲۱) خیال شرفی خویاں کو راحت آفرین پایا
 (۲۲) عقد وصل دخت زراگور کا ہر واہ تھا
 (۲۳) گو سیا صحر اعیانہ واسن دیوانہ تھا

چونکہ مذکورہ بالا شعروں میں قطع نظر اسکے کطرز بیان اور دوبول چال کے خلاف ہے۔ خیالات میں بھی کوئی لطافت نہیں معلوم ہوتی؛ اس لئے ان کے معنی بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف جو تھے شعر کی جو کسی قدر آسان ہے یہاں بطور نمونے کے شرح کیجاتی ہے؛ تاکہ معلوم ہو کہ مرزا نے مشق سخن کس قسم کے خیالات سے شروع کی تھی اور کس قدر کاوش سے وہ یہ نئی قسم کے مضمون پیدا کرتے تھے۔

کہتا ہے کہ فحاش جو لذت اور ذوق تھا ہماری غفلت نے اس سے ہمیشہ دور دور رکھا۔ اگر غفلت نہ ہوتی تو اشارت فہم کے لئے ہر ایک ناخن جو کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ ابرو کا کام دیتا تھا۔ ابرو کا کام ہے اشارہ دایا کرنا؛ اور ناخن بریدہ جو ابرو کی شکل ہوتا ہے وہ بھی فنا کی لذت کی طرف اشارہ کرتا تھا؛ کیونکہ ناخن کے کٹنے سے جو ایک قسم کی فنا ہے لذت اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ ادیر کی سات بیٹیں تھیں مرزا کے ان نظری اشعار اور نظری غزلوں میں سے نقل کی ہیں جو انھوں نے اپنے دیوان ریختہ کو انتخاب کرتے وقت انھیں سے نکال ڈالی تھیں۔ مگر اب کیا

اُن کے دیوان میں ایک مثلث کے قریب بہت سے اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جن پر اردو زبان کا اطلاق مشکل ہے ہو سکتا ہے۔ جیسے ذیل کے اشعار جو اب دیوان میں موجود ہیں۔

شما بجز مرغوب بہت مشکل پسند آیا	تماشا ہے بیک کھت برون بہ دل پسند آیا
ہوا ہے سیرِ گلِ ایندھ بے مہرِ قاتل	کہ اندازِ بچوں غلیظ دین بسمل پسند آیا
لے گئے خاک میں ہم دماغِ قاتل	تو ہوا اور آپ بعد رنگ گلستاں ہوا
شبِ نما چشمِ ساقی رستخیزِ زندہ تھا	تا محیطِ بادہ صورِ تَخا ز غمیا زہ تھا
یک قدم و محنت سے دہلی قمرِ امکاں گھلا	جادو اجڑائے دو عالم دشتِ کاشی راہ تھا

اِن اشعار کو مہل کو یا بے معنی اگر اسمیں شک نہیں کہ مرزا نے وہ نہایت جانکاہی اور جگر کاوی سے سرانجام کئے ہونگے۔ جب کہ اپنے معمولی اشعار کاٹتے ہوئے لوگوں کا دل دکھاتا ہے تو مرزا کا دل اپنے اشعار نظری کرتے ہوئے کیوں نہ دکھا ہوگا؟ ظاہر یہی سبب تھا کہ انتخاب کے وقت بہت سے اشعار جو فی الواقع نظری کرنے کے قابل تھے۔ انکے کاٹنے پر مرزا کا قلم نہ اٹھ سکا۔ ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد یہ اشعار اُنکی نظریں کھٹکے ہوں؛ مگر چونکہ دیوان جیسے کچھ شائع ہو چکا تھا اس لئے انھوں نے اِن اشعار کا کٹنا فضول سمجھا۔

مرزا کے حق میں جو پیشین گوئی میر تقی نے کی تھی اُسکی دو فوٹیش اُنکے حق میں پوری ہوئی۔ ظاہر ہے کہ مرزا اول اول ایسے دستے پر چڑھتے تھے کہ اگر استقامتِ طبع، اور سلامتِ ذہن، اور بعض صحیح المذاق دوستوں کی روک ٹوک، اور مکتہ عینِ معصروں کی خرد و گہری ادب و عینِ تعریف و ستائش نہ ہوتی تو وہ شدہ شدہ منزلِ مقصود سے بہت دُور جا پڑتے۔ سنا گیا ہے کہ اہلِ دہلی خواہ

میں۔ جہاں مرزا بھی ہوتے تھے۔ تشریفاً ایسی خولیں لکھ کر لاتے تھے جو الفاظ اور ترکیبوں کے لحاظ سے تربیت پر شوکت و شاندار معلوم ہوتی تھیں؛ مگر معنی نادر و؛ گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ مولوی عابد القادری اور رام پوری نے۔ جو نہایت ظریف الطبع تھے۔ اور بنگالہ و چند روز قلعہ ممبئی سے تعلق رہا تھا۔ مرزا سے کسی موقع پر یہ کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر ترجمہ میں نہیں آتا؛ اور اسی وقت دو مصرعے خود موزوں کر کے مرزا کے سامنے پڑے

”پہلے تو رخن گل بھینس کے اندیسے نکال پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے اسیسے نکال“
مرزا اسکر سخت حیران ہوئے؛ اور کہا حاشائے میرا شعر نہیں۔ مولوی عابد القادری نے ارادہ فرما کر کہا میں نے خود آپ کے دیوان میں دیکھا ہے؛ اور دیواں ہوتوں اب دکھا سکتا ہوں۔ آخر مرزا کو معلوم ہوا کہ مجھ پر اس پیرائے میں اعتراض کرتے ہیں؛ اور گویا یہ جانتے ہیں کہ تمہارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں۔

مرزا نے اس قسم کی نکتہ چینیوں پر اردو اور فارسی دیواں میں جا بجا اشارہ کیا ہے، اردو میں ایک جگہ کہتے ہیں

”نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا گرنیں ہیں مرے شہا میں معنی نہ سہا“

ایک اور اردو غزل کا مطلع ہے

”گر خاموشی سے فائدہ انتہائی حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے“

یعنی اگر خاموشی سے یہ فائدہ ہے کہ حال دل خاموش نہیں ہوتا تو میں خوش ہوں کہ میرا بولنا بھی

خاموشی ہی کا فائدہ دیتا ہے؛ کیونکہ میرا کلام کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

چونکہ مرزا کی طبیعت نظرۃ نہایت سلیم واقع ہوئی تھی اس لئے مکتہ چینوں کی تعویضوں سے انکو بہت تنبہ ہوتا تھا؛ اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت ماہ پر آتی جاتی تھی۔ اس کے سوا جب سرمدی فضل حق سے مرزا کی راد و برحم بہت بڑھ گئی اور مرزا انکو اپنا خالص و مخلص دوست اور خیر خواہ سمجھنے لگے تو انھوں نے اس قسم کے اشعار پر بہت روک ٹوک کرنی شروع کی؛ بیان تک کہ انھیں کی تحریک سے انھوں نے اپنے ارد و کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا اذیت کے قریب نکال ڈالا؛ اور اس کے بعد اس روش پر چلتا بالکل عبور دیا۔

مرزا نے رعیت میں جو روش ابتدا میں اختیار کی تھی ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مقبول خاص عام نہیں ہو سکتی تھی۔ لوگ عموماً میرا سودا، میر حسن، حیات اور انشا وغیرہ کا سیدھا سادہ اور صاف کلام سننے کے عادی تھے۔ جو مادہ سے روزمرہ کی بول چال اور بات چیت میں برتے جاتے تھے انھیں کو جب اس زبان و وزن کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھتے تھے تو انکو زیادہ لذت آتی تھی اور زیادہ مہلت حاصل ہوتا تھا۔ شعر کی بڑی خوبی یہی سمجھی جاتی تھی کہ ادھر قائل کے سانس سے نکلا اور ادھر سامع کے دل میں اتر گیا؛ مگر مرزا کے ابتدائی ترانے میں یہ بات بالکل نہ تھی۔ جیسے خیالات جنہیں تھے ویسی ہی زبان غیر انوس تھی۔ فارسی زبان کے معادرا، فارسی کے حروف ربط اور توابع فعل۔ جو کہ فارسی کی خصوصیات میں سے ہیں۔ انکو مرزا اردو میں عموماً استعمال کرتے تھے۔ اکثر اشعار ایسے ہوتے تھے کہ اگر ان میں ایک لفظ بدل دیا جائے تو سارا شعر فارسی زبان کا ہو جائے۔ بعض اسلوب بیان خاص مرزا کے مختصرات میں تھے

جز ان سے پہلے اردو میں دیکھے گئے نہ فارسی میں۔ مثلاً انکے موجودہ اردو دیوان میں ایک شعر
 ”قمری کف خاکستر و بیل قفس زنگ“ اسے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے
 میں نے خود اس کے معنی مرزا سے پوچھے تھے فرمایا کہ اسے کی جگہ جگر پڑھو؛ معنی خود کمر
 میں آجائیں گے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ قمری۔ جو ایک کف خاکستر سے زیادہ۔ اور بیل۔ جو ایک
 قفس معمری سے زیادہ نہیں۔ انکے جگر سوختہ یعنی عاشق ہونے کا ثبوت مرث انکے چپکے اور پتہ
 سے ہوتا ہے۔ یہاں جس معنی میں مرزا نے اسے کا فلفہ استعمال کیا ہے ظاہراً انھیں کاغذ
 ہے ایک شخص نے یہ معنی سنکر کہا کہ ”اگر وہ اسے کی جگہ جگر کا فلفہ رکھ دیتے یا دوسرا مصرعہ لکھ دیتے
 کہتے ”اے نالہ نشان تیرے سوا عشق کا کیا ہے“ تو مطلب صاف ہو جاتا۔“ اس شخص کا یہ کہنا
 بالکل صحیح ہے مگر مرزا چونکہ معمولی اسلوبوں سے نا بقصد ورنہ پتے تھے اور شائع عام پر چلنا نہیں
 چاہتے تھے اس لئے وہ بہ نسبت اسکے کہ شعر عام فہم ہو جائے اس بات کو زیادہ پسند کرتے
 تھے کہ طرز خیال اور طرز بیان میں جدت اور نزاع اپن پایا جائے۔

مرزا کے ابتدائی کلام کو مہل و بے معنی کہو یا اسکو اردو زبان کے دائرے سے خارج سمجھو
 ہمیں شک نہیں کہ اس سے انکی اُردو فیلیٹی اور غیر معمولی پُنج کا خاطر خواہ سراغ ملتا ہے اور
 یہی انکی ٹیڑھی ترجیحی چالیں انکی بلند فطرتی اور غیر معمولی قابلیت و استعداد پر شہادت دیتا
 ہیں۔ معمولی قابلیت و استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پک ڈنڈی پر اُگلی۔
 کا گتہ چلا جاتا ہے اُسی پر انھیں بند کر کے گتے کے پیچھے پیچھے چلیں؛ اور لیک کے ادھر
 انکے اٹھا کر نہ کیجیں جو ہنر یا پیشہ اختیار کریں انھیں اگلوں کی چال ڈھال سے سر

نہ کریں، اور انکے نقش قدم پر قدم رکھتے چلے جائیں۔ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے ایسا نہیں کرتے بلکہ دوسرے رستے پر چلنا انکی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔

برفان اس کے شبکی طبیعت میں اُرمیلیٹی اور غیر معمولی پُنج کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے میں ایک ایسی چیز پاتے ہیں جو انگلوں کی پیروی پر انکو مجبور نہیں ہونے دیتی۔ انکو قدم کی شاہ راہ کے سوا بہت سی راہیں ہر طرف کھلی نظر آتی ہیں۔ وہ جس عام روش پر اپنے ہم فنوں کو مبتلا دیکھتے ہیں اس پر چلنے سے انکی طبیعت ابا کرتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو طریق غیر مسلوک وہ اختیار کریں وہ منسلک و منقطع تک پہنچانے والا نہ ہو مگر یہ ممکن نہیں کہ جب تک وہ دائیں بائیں چل پھر کر طبیعت کی جولانیاں نہ دیکھ لیں اور تھک کر چورنو جائیں عام رہگیزوں کی طرح انگلیں بند کر کے شارع عام پر پڑ جائیں۔ مرزا کی طبیعت اسی قسم کی واقع ہوئی تھی وہ عام روش پر چلنے سے ہمیشہ ناک چڑھاتے تھے۔ وہ جنت شرکاء کے سبب خود شاعری سے نفرت ظاہر کرتے تھے۔ عایانہ خیالات اور محاورات سے جہاں تک ہو سکتا تھا اجتناب کرتے تھے۔

ایک صاحب نے جو غالباً بنارس یا لکھنؤ سے دلی میں آئے تھے مرزا کے ایک شعر کی انکے سامنے نہایت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کونسا شعر ہے؟ انھوں نے میرا مانی متخلص بہ اسد شاگرد مرزا رفیع کا یہ شعر پڑھا

”اسد اس جفا پر تو کدونا کی جرس شیر شاہش حرمت خدا کی“

چونکہ شعر میں اسد متخلص واقع ہوا تھا انھوں نے یہ سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ مرزا یہ منکر بہت چیز پڑھا اور فرمایا اگر یہ کسی اور اسد کا شعر ہے تو اسکو حرمت خدا کی اور اگر عجب اسد کا شعر ہے تو مجھے نعمت خدا کی۔

مرزا کو اس شعر کا اپنی طرف منسوب ہونا غالباً اس لیے ناگوار گذرا ہو گا کہ جسے شیر اور جست
خدا کی یہ دونو محاورے زیادہ تر عایموں اور سوتیوں کی زبان پر جاری ہیں؛ اور اسد کی
رعایت سے جسے شیر کہنا بھی اُنکی طبیعت کے خلاف تھا؛ کیونکہ وہ ایسی مبتذل عیائیں کو
جو ہر شخص کو باسانی سوچہ جائیں۔ بہتذل جانتے تھے۔

اس قسم کی اور بہت سی حکایتیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عوامی
میں بلکہ وضع میں، لباس میں، طعام میں، طریق ماند و بود میں، یہاں تک کہ مرنے اور
جینے میں بھی عام طریقے پر چلنا پسند کرتے تھے۔ یہاں ایک لطیفہ قابل لکھنے کے ہے۔

مرنے سے آٹھ سات برس پہلے اُنھوں نے ایک مادہ تابیخ اپنی وفات کا نکلانا تھا۔
جس میں ششہ لگتے تھے۔ اتفاق سے اسی سال شہر میں وبا آئی؛ مگر مرزا بچ گئے۔ اس
امر کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں ”دریاں ششہ لڑکی بات غلط نہ تھی (یعنی اسی سبب)
مجھے مرنا چاہئے تھا، مگر میں نے دبا سے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا؛ دقتی اسمیں میری
کسب نشان تھی۔ بعد منع فساد ہوا کہ مجھ یا جا دیگا، اگرچہ چین ایک ہنسی کی بات لکھی ہے؛ مگر
اُنکی طبیعت کا اقتضا اس سے صاف جھلکتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب جسکو یہ خط لکھا ہے
وہ اُنکی اس خصلت سے خوب واقف ہے۔

بہر حال مرزا ایک مدت کے بعد اپنی بیزاہد روی سے خبردار ہوئے۔ اور استقامت طبع اور
سلامتی ذہن نے اُنکو راہِ راست پر ڈالے بغیر نہ چھوڑا۔ گو اُن کا ابتدائی کلام جسکو وہ حد سے
زیادہ جگر کا دی اور دماغ سوزی سے سرانجام کرتے تھے مقبول نہ ہوا؛ مگر چونکہ قوتِ تخیل سے

بہت زیادہ کام لیا گیا تھا اور اس لئے اُس میں ایک غیر معمولی بلند پروازی پیدا ہو گئی تھی۔
جب قوتِ مزید نے اُسکی باگ اپنے قبضے میں لی تو اُس نے وہ جو ہر نگارے جو کسی کے دہم و گمان
میں نہ تھے۔

یہاں یہ امر جنادینا ضرور ہے کہ مرزا نے ریختہ گوئی کو اپنا فن قرار نہیں دیا تھا؛ بلکہ محض
تشنِ طبع کے طور پر کہیں اپنے دل کی آج سے، کبھی دوستوں کی فرمائش سے، اور کبھی بادشاہ
یا ولیِ قعد کے حکم کی تعمیل کے لئے، ایک آدمِ غزل لکھ لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکے اُردو دیوان
میں غزل کے سوا کوئی صنف بقدرِ عمدہ نہیں پائی جاتی۔ وہ منشی غنی بخش مرحوم کو ایک خط میں
لکھتے ہیں ”بھائی صاحب تم غزل کی تعریف کرتے ہو؛ اور میں شرماتا ہوں۔ یہ غزل کیا ہو
ہیں؛ پیٹ پالنے کی باتیں ہیں۔ میرے فارسی کے وہ قصیدے جن پر مجھ کو ناز ہے کوئی اُنکا
لطف نہیں اُٹھاتا۔ اب قدردانی اس بات پر منحصر ہے کہ گاہ گاہ حضرت غلِ سبحانی فرماتے ہیں
کہ کبھی تم بہت دن سے کوئی سوغات نہیں لائے۔ میں یارِ ریختہ تا چار کبھی کبھی یہ اتفاق ہوتا ہے
کہ کوئی غزل لکھ کر لجاتا ہوں۔“

قطع نظر اسکے وہ اُس زمانے کے خیالات کے موافق اُردو شاعری کو داخلِ کالات نہیں
سمجھتے تھے؛ بلکہ اُسی میں اپنی کسرِ شان جاتے تھے۔ چنانچہ ایک فارسی قطعہ میں جسکی نسبت
شہور ہے کہ اُس میں شیخِ ابراہیم ذوق کی طرف خطاب ہے کہتے ہیں

”فارسی میں تا بہینِ نقشہائے نگِ نیک بگذر از مجموعہ اُردو کہ بے رنگِ بہتست۔“
”راہتِ میگویم من از راستِ مستقران کشید ہر چہ در گفتارِ فخرِ قسمت آن رنگِ بہتست۔“

مگر چونکہ مرزا کے معاصرین اکثر نکتہ بیخ اور نکتہ شناس تھے اس لئے وہ ریختہ کے سرانجام کرنے میں بھی اپنی پوری توجہ اور ہمت صرف کرتے تھے اور دونوں زبانوں میں اپنی فوقیت اور برتری قائم رکھنے کی برابر فکر رکھتے تھے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شاعر اور اسکے کلام کے رتبہ کا اندازہ اسکے کلام کی قلت اور کثرت سے نہیں ہوتا؛ بلکہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اسکے منتخب اور برگزیدہ اشعار کس درجے کے ہیں۔ ہر کی قدر لوگ اس لئے نہیں کرتے کہ اسے متعدد ضخیم دیوان چھوڑے ہیں؛ بلکہ صرف اسکے منتخب اشعار نے جو تعداد میں نہایت قلیل ہیں۔ اسکو تمام ریختہ گو شاعروں کا سربراج بنا دیا ہے۔

لطف علیاں آذرا تشنگہ میں نور صفا بانی کی نسبت لکھا ہے کہ اسکے دیوان کا مختصر ہونا ہی اسکے کلام کی خوبی اور حسن طبع کی کافی دلیل ہے۔ یہ بھی معلوم رہے کہ تمام شعرا کا کلام یکساں

معیار سے نہیں جانچا جاتا؛ ورنہ فردوسی و نظامی و دو نوشنوی میں، اور انوری و خاقانی و درو قصیدے میں، مسلم الشبوت نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ انوری کا قصیدہ اور فردوسی کی مثنوی باعتبار سادگی اور صفائی و عام فہم ہونے کے خاقانی کے قصیدے اور نظامی کی مثنوی سے کچھ زیادہ نہیں رکھتے؛ حالانکہ چاروں شخص فارسی شاعری کے رکن رکین مانے جاتے ہیں۔ پس ضرور

ہے کہ جدا جدا کلام جدا جدا معیاروں سے جانچے جائیں۔ مرزا کے اردو کلام میں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا غزل کے سوا کوئی نہف شاعر کے قابل نہیں ہے۔ مرزا کی موجودہ غزلیات گو بہت اہم بعض شعرا کے تعداد میں کیسی ہی قلیل ہوں۔ لیکن جس قدر منتخب اور برگزیدہ اشعار مرزا کی غزلیات میں موجود ہیں وہ تعداد میں کسی بڑے سے بڑے دیوان کے اتنا ہی اشعار سے کم نہیں ہیں۔ اور

جس قدر بلند اور عالی خیالات مرزا کے رنجہ میں نکلیں گے اُس قدر کسی رنجہ کو کے کلام میں نکلنے کی توقع نہیں ہے۔ البتہ ہکو مرزا کے عمدہ اشعار کے جانچنے کے لئے ایک جداگانہ معیار مقرر کرنا پڑیگا۔ جسکو امید ہے کہ اہل انصاف تسلیم کر لیں گے۔

میر و سودا اور ان کے مقلدین نے اپنی غزل کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ جو عاشقانہ مضامین صدیوں اور قرون سے اولاً فارسی اور اُس کے بعد اردو غزل میں بندھتے چلے آئے ہیں وہی مضامین بہ تبدیل الفاظ اور بتغییر اسالیب بیان عاتقہ اہل زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ میں ادا کئے جائیں۔ چنانچہ میر سے لیکر ذوق تک جتنے مشہور غزل گو مرزا کے سوا اہل زبان میں گزرے ہیں انکی غزل میں ایسے مضامین بہت ہی کم نکلیں گے جو اس محدود دائرے سے خارج ہوں۔ انکی بڑی کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو مضمون پہلے متعدد طور پر بندھ چکا ہے وہی مضمون ایسے بلیغ اسلوب میں ادا کیا جائے کہ تمام اگلی بندشوں سے سبق لیجائے۔ برخلاف اسکے مرزا نے اپنی غزل کی عمارت دوسری بنیاد پر قائم کی ہے۔ انکی غزل میں زیادہ تر ایسے اچھوتے مضامین پائے جاتے ہیں جسکو اور شعرا کی فکر نے بالکل سس نہیں کیا۔ اور معمولی مضامین ایسے طریقے میں ادا کئے گئے ہیں جو سب سے زالا ہے؛ اور ان میں ایسی نزاکتیں رکھی گئی ہیں جن سے اکثر اساتذہ کا کلام خالی معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اور لوگوں نے اول سے آخر تک قوم کی شاہراہ سے سب موعتران نہیں کیا؛ اور جس چال سے کہ انگوں نے راہ طے کی تھی اُسی چال سے تمام رستے طے کیا ہے۔ مرزا نے اول شاہراہ کا رخ چھوڑ کر دوسرے رخ چلنا اختیار کیا؛ اور جب راہ کی مشکلات نے

بجور کیا تو ان کو بھی آخر اسی سبب چلنا پڑا۔ مگر جس ایک پر قافلہ جا رہا تھا اس کے سوا ایک اور
 ایک اسی کے متوازی اپنے مئے نگالی اور جس چال پر اور لوگ چل رہے تھے اس چال کو چھڑ کر
 دوسری چال اختیار کی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب میر و سودا اور ان کے متعلقین کے
 کلام میں ایک ہی قسم کے خیالات اور مضامین دیکھتے دیکھتے جی اکتا جاتا ہے اور اس کے بعد
 مرزا کے دیوان پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ہلکوا ایک دوسرا عالم دکھائی دیتا ہے؛ اور جس
 طرح کہ ایک خشکی کا تیلح سمندر کے سفر میں، یا ایک میدان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر، ایک نیا
 نئی اور زالی کیفیت مشاہدہ کرتا ہے؛ اسی طرح مرزا کے دیوان میں ایک اور ہی سماں نظر آتا
 ہے۔ یہاں اول ہم چند شعر مرزا کے دیوان سے ایسے نقل کرتے ہیں جن سے ان کے خیالات
 کا اچھوتا پن ثابت ہوتا ہے

”بلکہ شکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا“
 بادی النظر میں یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے؛ مگر غور سے دیکھا جائے تو بالکل اچھا خیال
 ہے دعوتے یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو
 عین انسان ہے اس کا بھی انسان بننا مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال نہیں ہے؛ بلکہ شاعرانہ
 استدلال ہے۔ جس سے بہتر ایک شاعر استدلال نہیں کر سکتا۔

”ہوس کو ہے نشاط کار کیا نہ ہو مرزا تو بیٹھنے کا مرزا کیا“
 نشاط کے معنی آنگ کے ہیں۔ نشاط کار یعنی کام کرنے کی آنگ۔ یہ بھی جہاں تک کہ معلوم
 ایک نیا خیال ہے؛ اور زرا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے؛ کیونکہ دنیا میں جو کچھ چل پھل

اخلاق

فشار

انسانی

مرت اس یقین کی بدولت ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت تھوڑا ہے۔ یہ انسان کی ایسی طبیعت
 خصلت معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر فرصت قلیل ہوتی ہے اسی قدر زیادہ سرگرمی سے کام کو سرانجام
 کرتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ صلت ملتی ہے اسی قدر کام میں تاخیر اور سہل انکاری زیادہ کرتا ہے۔
 نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ تھا تو خدا ہوتا ڈوبو یا بھگو ہونے نے نہ تو تائیں تو کیا ہوتا

بالکل نئی طرح سے نیستی کو ہستی پر ترجیح دی ہے؛ اور ایک عجیب ترقی پر معدوم محض ہونے کی تمنا کی
 ہے۔ پہلے مصرع کے معنی ظاہر ہیں۔ دوسرے مصرع سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میں نہ تو تاتا
 کیا بڑائی ہوتی؛ مگر قابل کا مقصود یہ ہے کہ اگر میں نہ تو تاتا تو دیکھنا چاہیے کہ میں کیا چیز ہوتا؛ مطلب
 یہ کہ خدا ہوتا؛ کیونکہ پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر کچھ نہ تو تاتا تو خدا ہوتا۔

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
 بالکل نیا اور اچھوتا اور باریک خیال ہے۔ اور نہایت صفائی اور سمدلی سے اسکو ادا کیا گیا ہے۔
 اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو اسکی فہم کا قصور ہے۔ دعوے یہ ہے کہ جس قدر ہمت عالی ہوتی ہے
 اسی کے موافق اسکی تائید غیب سے ہوتی ہے۔ اور ثبوت یہ ہے کہ قطرہ اشک جبکہ آنکھوں میں
 جگہ ملی ہے۔ اگر اسکی ہمت جبکہ وہ دریا میں تھا۔ موتی بننے پر قانع ہو جاتی تو اسکو۔ جیسا کہ غائب
 یہ درجہ یعنی آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل نہوتا۔

لاگ ہو تو اس کو، رسم جھیں لگاؤ جب نہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 لاگ دشمنی اور لگاؤ محبت۔ یہ مضمون عجب نہیں کہ کسی اور نے بھی باندھا ہو؛ مگر ہم نے آج تک
 نہیں دیکھا۔ اگر کسی نے باندھا بھی ہو گا تو اس خوبی اور لطافت سے ہرگز نہ بندھا ہو گا، مطلب

یہ ہے کہ مشوق کو نہ ہمارے ساتھ دشمنی ہے نہ دوستی؛ اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس لئے کہ اس میں بھی ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے۔ ہم اسی کو دوستی سمجھتے۔ لیکن جب نہ دوستی ہو اور نہ دشمنی تو پھر کس بات کے دھوکا کھائیں۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور ندرت کے لاگ اور لگا و ایسے دو نقطہ ہم پہنچے ہیں جن کا ماخذ متحد اور معنی متضاد ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے جس نے خیال کی خوبی کو چار چند کر دیا ہے۔

گرنی تختی ہم پر برق تجلی نہ طور پر دیتے ہیں یادہ ظن قبح خوارچہ
اس شعر میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا؛ مگر وہ اس کے تحمل نہ کئے، اور اُن کے اور انسان نے اُسکو اٹھایا، شاعر کہتا ہے کہ برق تجلی کے گرنے کے ہم سخت تھے اور اُن کیونکہ شراب خوار کا ظن دیکھ کر اُس کے موافق اُسکو شراب دی جاتی ہے؛ پس کوہ طور جو سنجہ جادات کے ہے۔ وہ کیونکہ تجلی الہی کا تحمل ہو سکتا ہے۔ یہ خیال بھی مع اس تشبیہ کے آئیں بیان ہوئی ہے بالکل اچھوتا خیال معلوم ہوتا ہے۔

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز دعا قبول ہو یا رب کہ عمر حقدور
چونکہ خیال وسیع تھا، اور مضمون مطلع میں بندھنے کا مقصد تھا، اس لئے پہلا مصرع اُردو روزمرہ سے کسی قدر عبید ہو گیا ہے؛ مگر بالکل ایک نئی شوخی ہے۔ جو شاید کسی کو نہ سوجھی ہو کہ کتاب ہے کہ کسی شکل مقصد کے حاصل ہونے میں تو عجز و نیاز کا منتر کچھ کام نہیں لیتا؛ لاجواب ہی دعا مانگیں گے کہ الہی خضر کی عمر دراز ہو یعنی ایسی چیز طلب کرینگے جو پہلے ہی دی جا چکی ہو۔

فینٹ
نوع انسانی

شوخی

نہیں

آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد مجھے مرے گم کا حساب بجز انہماک

اس میں بھی نئی طرح کی شوخی ہے۔ جو بالکل اچھوتی ہے۔ بظاہر درخواست کرتا ہے کہ اسے خدا مجھے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ، اور درپردہ الزام دیتا ہے؛ گویا یہ کتاب گناہوں کا حساب کیونکر دوں؟ وہ شماریں اس قدر زیادہ ہیں کہ جب انکو شمار کرنا ہوں تو وہ داغِ جوتونے دنیا میں دیے ہیں، اور جزائیں اسی کثرت سے ہیں جس کثرت سے میرے گناہ ہیں، انکی گنتی یاد آتی ہے۔ گناہوں اور داغوں کے شمار میں برابر ہونے سے یہ مراد کھتی ہے کہ جب کسی گناہ کا مرتکب ہو تو بسبب عدم استطاعت کے اسکو خاطر خواہ نہ کر سکا؛ کوئی نہ کوئی حسرت ضرور باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پی تو وصل نصیب ہوا، اور وصل میسر آیا تو شراب نہ ملی، پس جتنے گناہ کئے ہیں اتنے ہی داغِ دل پر کھائے ہیں۔

سچا

محبت

محبو دیا بغیر میں مارا وطن سے دور رکھ لی میرے خدا نے بری بلکسی کی شرم

پر دیس میں مرنا۔ جو ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے۔ اس پر خدا کا اس لئے شکر کرتا ہے کہ اگر وہاں بے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں؛ کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون تھا اور کس تہ سے کا آدمی تھا؛ لیکن وطن میں مرنا جہاں ایک زمانہ واقف حال ہو، مگر غریب اور غمخوار ایک بھی نہ ہو، وہاں مردے کی اس طرح بٹی خراب ہوتی سخت رسوائی اور ذلت کی بات تھی، میں خدا کا شکر ہے کہ اس نے پر دیس میں مار کر میری بلکسی کی شرم رکھ لی، میں گو بظاہر خدا کا شکر ہے مگر فی حقیقت سراسر اہل وطن کی شکایت ہے۔ جسکو ایک غیب پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔

ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہر نہیں اب میں ہنوز جو جاگے ہر خیال میں

نہیں

سالک کو تمام موجوداتِ عالم میں حق ہی حق نظر آئے اسکو شہود کہتے ہیں۔ اور غیبِ غیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصیر و بصیرت سے دور اور ارہ ہے۔ کہتا ہے کہ جسکو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیبِ اینب ہے۔ اور اسکو غلطی سے شہود سمجھنے میں ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں کھیسے کہ میں جاگتا ہوں۔ پس گم وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب ہی میں ہے۔ یہ مثال بالکل نئی ہے؛ اور اس سے بہتر اس مضمون کے لئے مثال نہیں ہو سکتی۔

نظر لگے نہ کیسے اُسکے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں برسے زخم کو دیکھتے ہیں
عشقِ حقیقی ہو یا مجازی اُسکے زخم کی گہرائی اس سے بہتر کسی اسلوب میں بیان نہیں ہو سکتی
ریخ سے خوگر ہوا انسان قہرِ بٹ جاتا اور بج
یہ خیال بالکل اچھوتا ہے؛ اور زرا خیال ہی نہیں بلکہ نیکٹ ہے؛ اور ایسی خبری سے بیان
ہوا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ مشکلات کی کثرت کا اندازہ ضدِ حقیقی یعنی
اُنکے آسان ہو جانے سے کرنا درحقیقت حسنِ مبالغہ کی معراج ہے۔ جس کی نظیر آجکل
نہیں دیکھی گئی۔

لہذا برا اگر نہیں آسان تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
ایک نیکٹ کے بیان میں ایسے متناسب محاورات کا دستیاب ہو جانا عجیب اتفاق ہے۔
اس مضمون کو چاہر حقیقت کی طرف لجاؤ، اور چاہر مجاز پر محمول کرو، ورنہ صورتوں میں
مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا لہنا آسان نہ تھا۔ یعنی دشوار ہوتا۔ تو کچھ وقت نہ تھی؛ کیونکہ ہم ہر روز

میٹر رہتے، اور شوق و آرزو کی غلش سے چھوٹ جاتے؛ مگر شکل یہ ہے کہ وہ جس طرح
 آسان نہیں اسی طرح دشوار بھی نہیں؛ اور اس لئے شوق و آرزو کی غلش سے کسی طرح
 نجات نہیں ہوتی۔

وفا داری بشرط استواری اہل ایمان ہے جسے تجانے میں تو کہے میں گاڑدیں کہ
 یعنی جب برہنہ اپنی ساری عمر تجانے میں کاٹ دے، اور وہیں مر رہے، تو وہ اس بات کا
 مستحق ہے کہ اُسکو کہے میں دفن کیا جائے؛ کیونکہ اُسے وفا داری کا حق پورا پورا ادا کر دیا؛ اور
 یہی ایمان کی اہل ہے۔

طاقت میں تا رہے نہ ملے و نگہیں کی لاگ و درخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو
 یعنی جب تک بہشت قائم ہے لوگ عبادت اس امید پر کرتے ہیں کہ وہاں شہد اور شہر طیبہ
 وغیرہ ملے گی؛ پس بہشت کو درخ میں جھونک دینا چاہئے تاکہ یہ لالچ باقی نہ رہے اور لوگ
 خالصاً لوجہ اللہ عبادت کریں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسے کما میں نے یہ جاننا کہ بایہ بھی سیر کیوں ہے
 کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات قائل کے منہ سے نکلے وہ سامع
 کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ اُسکو یہ شبہ ہو کہ یہ بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی۔
 اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے
 جام جم پر جام سفال کو کس خوبی سے ترجیح دی ہے کہ اُسکی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی اور بالکل نیا
 خیال ہے جو کہیں نظر سے نہیں گذرا۔

رہا آباد عالم اہل بہت کچھ نہونے سے بھرے ہیں جتنے نام و سبب بیانہ خالی ہے

یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گنڈا ہو مگر تشیل نے اسکو بالکل ایک انجیوٹا معنون بنادیا اور شعر کو نہایت بلند کر دیا ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر اہل بہت کا وجود ہوتا جو دنیا کو محض ناجیز محکمہ طوفان التفات نہ کرتے تو دنیا ویران ہو جاتی پس یہ جانتا چاہئے کہ عالم اسی سبب کا آباد نظر آتا ہے کہ اہل بہت نہ تو ہیں مگر جسطرح مینا نے میں عالم و سبب کا شراب بھر رہا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ مینا نے میں کی بیواری نہیں ہے اسی طرح عالم کا آباد و مہر ہونا دلالت کرتا ہے کہ اسی اہل بہت معدوم ہیں۔

مخسر مرنے پہ ہر جسکی امید ناامیدی اسکی دیکھا چاہئے

ناامیدی کی غایت اس سے بڑھ کر اور ایسی خوبی سے شاید ہی کسی نے بیان کی ہو۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے وا یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

یعنی جو گناہ ہم نے کئے ہیں اگر انکی سزا ملتی ضرور ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت کے ہم نہیں کئے اور انکی حسرت دل میں رہ گئی انکی داد بھی ملتی چاہئے۔

علاوہ جذبات مضامین اور ظرفی خیالات کے اور بھی چند خصوصیتیں مرزا صاحب کے

کلام میں ایسی ہیں جو اور ریختہ گو یوں کے کلام میں شاف و نادر پائی جاتی ہیں۔ اولاً عام اور مبتذل کلام جو عوام ریختہ گو یوں کے کلام میں متداول ہیں مرزا جہاں تک ہو سکتا ہے ان تشبیہوں کو استعمال نہیں کرتے بلکہ تقریباً ہمیشہ نئی نئی تشبیہیں ابداع کرتے ہیں۔ وہ خود ایسا نہیں کرتے بلکہ زبان

کی جدت ان کو جدید تشبیہیں پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ان کے ابتدائی ریختہ میں جو تشبیہیں دیکھی جاتی ہیں وہ اکثر غزابت سے خالی نہیں ہیں۔ مثلاً سانس کو موج سے

بیخودی کو دیا سے، گرداب کو شعلہ جوالہ سے، مغر سر کو چنبہ بالمش سے، مادہ انگور کو عقدہ صیال سے، استخوان کو خشت اور بدن کو قالبِ خشت سے، اور اسی قسم کی اور بہت سی عجیب و غریب تشبیہیں انکے ابتدائی رشتہ میں پائی جاتی ہیں، لیکن جس قدر خیالات کی اصلاح ہوتی ہے اسی قدر تشبیہوں میں۔ باوجود ذہن و ادب اور طرفگی کے۔ سنجیدگی اور لطافت بڑھتی گئی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام مہر گردوں ہے چراغ رہگذارِ بادیاں
 یہاں سورج کو۔ اس لحاظ سے کہ وہ بھی اجزائے عالم میں سے ہے اور تمام اجزائے عالم آمادہ
 زوال و فنا ہیں۔ چراغ رہگذارِ باد سے تشبیہ دی ہے؛ جو بالکل نئی تشبیہ ہے۔
 دوسری جگہ سورج کو۔ اس لحاظ سے کہ حسن معشوق کے مقابلے میں اسکو ناقص الخلقہ قرار
 دیا ہے۔ مادہ خشب کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

چھوڑا ہوا خشب کی طرح دستِ قضا نے خورشید ہنوز اس کے برابر نہوا تھا
 ایک جگہ انسان کی زندگی کو اس لحاظ سے کہ جب تک موت نہیں آتی اسکو غم سے
 نجات نہیں ہوتی۔ شمع سے تشبیہ دی ہے؛ کہ جب تک صبح نہیں ہوتی وہ برابر جلتی رہتی
 ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔

غم ہستی کا آسہ کس ہر جز مرگِ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحرِ مرتے تک
 اس قسم کی بے شمار تشبیہات سے مرزا کے دونوں دیوان اردو اور فارسی بھرے ہوئے ہیں
 قطع نظر تشبیہات کے مرزا ہر ایک بات میں جیسا کہ پہلے حصے میں بیان ہو چکا ہے ابتداء سے

بہت بچتے تھے مبتذل مضامین، مبتذل تشبیہیں، مبتذل محاورے، مبتذل ترکیبیں جس قدر
 انکے کلام میں کم لطیفی ظاہر کسی ریختہ گو شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتیں مثلاً مسل علی کا
 لفظ جو بجائے سبحان اللہ وغیرہ کے استعمال ہوتا ہے اُسکو وہ کبھی جائز نہیں رکھتے تھے بیان
 تک کہ شاگردوں کی غزل میں بھی ہمیشہ اس لفظ کو کاٹ کر نام خدا یا کوئی اور لفظ بنا دیتے تھے
 اسی طرح جو محاورے یا الفاظ صرف عوام الناس کی زبان پر جاری ہیں۔ اور خواص اُنکو
 کبھی نہیں بولتے تا بمقدور وہ اُنکو استعمال نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ایسا التزام
 کرنے سے زبان کا دائرہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے اور لٹریچر کو وسعت دینا جو شاعری کا اصل مقصد ہونا چاہئے
 فوت ہو جاتا ہے مگر مرزا کے کلام میں جو خصوصیتیں ملکر معلوم ہوتی ہیں اُن کا بیان کرنا ضرور ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مرزا نے استعارہ دکنایہ و تمثیل کو جو کہ لٹریچر کی جان اور
 شاعری کا ایمان ہے، اور ہر ایک طرف ریختہ گو شعرا نے بہت کم توجہ کی ہے۔ ریختہ میں بھی نسبتاً
 فارسی کلام سے کم استعمال نہیں کیا۔ اور شعر نے استعارے کو صرف محاورات اور دوہوں بلاشبہ
 استعمال کیا ہے؛ لیکن استعارے کے قصد سے نہیں بلکہ محاورہ بندی کے شوق میں استعارہ
 بلا قصد انکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔ یہاں چند مثالیں مرزا کے کلام سے نقل کی جاتی ہیں۔
 بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کہیں لب تشہیر تقریر بھی تھا
 یہاں اس مطلب کو کہ معشوق نے آن کی آن اپنی صورت دکھا دی تو اس سے کیا تسلی
 ہے۔ اس طرح ادا کیا ہے "بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا"

۱۲۹
 دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز پھر ترا وقت سنسرایا
 دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گزری تھی اور جو اُسکے چلے جانے کے بعد
 رہ رہ کر یاد آتی ہے اُسیں جو کبھی کبھی کچھ وقفہ ہو جاتا ہے اُسکو قیامت کے دم لینے سے تعبیر
 کیا ہے۔ ایسے مبلغ شہر آرزو زبان میں کم دیکھے گئے ہیں جو حالت فی الواقع ایسے موقع پر
 گزرتی ہے ان دو مصرعوں میں اُسکی تصویر کھینچی ہے جس سے بہتر کسی اسلوب بیان میں
 یہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا۔

۱۲۹
 دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کاہنم نگ
 جو مطلب اس شعریں ادا کیا گیا ہے وہ مرت اس قدر ہے کہ انسان کو درجہ کمال تک پہنچنے
 میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۲۹
 پہناں تھا دام سخت قریب آشیان کے
 جو مطلب اس طریقے سے ادا کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہلکو ہوش بن جانے سے پہلے ہی مصائب
 و شدائد نے گھیر لیا تھا۔

۱۲۹
 درماندگی میں غالب کچھ بن چڑے توجانوں
 دوسرے مصرع میں یہ مضمون ادا کیا گیا ہے کہ جب مشکلات نے نہیں گھیرا تھا اُسوقت
 اُسکے دفع کرنے کی طاقت تھی۔

۱۲۹
 ان اشعار میں جیسا کہ ظاہر ہے اصل خیالات سیدھے سادے ہیں؛ مگر استعارے اور تشبیل
 نے اُن میں نہرت اور طرفگی پیدا کر دی ہے۔

تیسری خصوصیت کیا ریختہ میں، اور کیا فارسی میں، کیا نظم میں، اور کیا نثر میں۔ بادِ جو
 سبیدگی و متانت کے۔ شوخی و طرافت ہے؛ جیسا کہ مرزا کے انتخابی اشعار سے ظاہر ہوگا۔
 مرزا سے پہلے ریختہ گو شعرا میں دو شخص شوخی و طرافت میں بہت مشہور گذرے ہیں؛ ایک
 سودا، دوسرے انشا؛ مگر دونوں کی تمام شوخی و خوش طبعی اچھو گئی یا بخش و ہزل میں بہر
 ہوئی؛ بخلاف مرزا غالب کے کہ انھوں نے ہجو یا بخش و ہزل سے کبھی زبانِ حکم کو اٹھانہ کیا
 چوتھی خصوصیت مرزا کی طرزِ ادا میں ایک خاص چیز ہے جو اردو کے ہاں بہت
 دیکھی گئی ہے؛ اور جبکہ مرزا اور دیگر ریختہ گو یوں کے کلام میں مابہ الامتیاز کہا جاسکتا ہے؛
 اکثر اشعار کا بیان ایسا پهلودار واقع ہوا ہے کہ بادی النظر میں اُس سے کچھ اور سنی معلوم ہوتا
 ہے؛ مگر غور کرنے کے بعد آپس میں ایک دوسرے سنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہیں؛ جن سے
 وہ لوگ جو خامی سمنوں پر قناعت کر لیتے ہیں۔ لطف نہیں اٹھا سکتے۔ یہاں ایسے اشعار
 کی چند مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

مثال

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھرا دیا

اس شعر سے جو سنی خورِ امتیاز ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ جس دشت میں ہم ہیں وہ اس
 دیران ہے کہ اُسکو دیکھ کر گھرا داتا ہے؛ یعنی خوفِ معلوم ہوتا ہے۔ مگر ذرا غور کرنے کے
 اس سے یہ سنی نکلتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھر ہی کو سمجھتے تھے کہ ایسی دیرانی کہیں نہوگی؛ مگر دشت
 بھی استعد دیران ہے کہ اُسکو دیکھ کر گھر کی دیرانی یاد آتی ہے۔

مثال

کون ہوتا ہے حریفِ بے مردِ افکنِ عشق ہے مکر لبِ ساقی میں صلا میر

اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جیسے میں مر گیا ہوں بے مرد انگن عشق کا ساقی۔ یعنی
 معشوق۔ بار بار صلا دیتا ہے؛ یعنی لوگوں کو شرابِ عشق کی طرف بلاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے
 بعد شرابِ عشق کا کوئی خریدار نہیں رہا؛ اس لئے اسکو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوئی ہے۔
 مگر زیادہ غور کرنے کے بعد۔ جیسا کہ مرزا خود بیان کرتے تھے۔ ہمیں ایک نہایت لطیف معنی پیدا
 ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرع یہی ساقی کی صلا کے الفاظ ہیں؛ اور اس مصرع کو
 وہ مکرر پڑھ رہا ہے۔ ایک دفعہ بلانے کے لہجے میں پڑھتا ہے ”کون ہوتا ہے حریف بے مرد انگن
 عشق“، یعنی کوئی ہے جو بے مرد انگن عشق کا حریف ہو؟ پھر جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا
 تو اسی مصرع کو مایوسی کے لہجے میں مکرر پڑھتا ہے ”کون ہوتا ہے حریف بے مرد انگن عشق“
 یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ ہمیں لہجہ اور طرزِ ادا کو بہت دخل ہے۔ کسی کو بلانے کا لہجہ اور ہے؛ اور
 مایوسی سے چپکے چپکے کہنے کا اور انداز ہے۔ جب اس طرح مصرعِ مذکور کی تکرار کر دو گے فوراً
 یہ معنی ذہن نشین ہو جائیگے۔

کیونکہ اُس بُت سے رکھوں جان غریز کیا نہیں ہے مجھے ایمان عنہ ز
 اسکے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اُس سے جان غریز رکھوں گا تو وہ ایمان لے لیگا؛ ایسے
 جان کو غریز نہیں رکھتا۔ اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جان قربان کرنا تو عین
 ایمان ہے؛ پھر اُس سے جان کیونکر غریز رکھتی جا سکتی ہے۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
 اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معشوق کو باوجود ہماری خاطر ایسی غریز تھی کہ اگر بالفرض فرشتہ بھی ہماری

نسبت کوئی گستاخی کرتا تو اسکو گوارا نہوتی؛ اور یا اسہم کو بالکل نظر سے گرا دیا گیا ہے۔ اور دوسرے
 عمدہ معنی یہ ہیں کہ اس شعر میں آدم اور فرشتوں کے اُس قبضے کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید
 میں مذکور ہے؛ کہ جب خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا: کیا
 تو دنیا میں اُس شخص یعنی اُس نوع کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو اسیں فساد اور خونریزی کرے؛
 وہاں سے ارشاد ہوا کہ ”تم نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں“ اور پھر آدم سے اُنکو زکرائی
 اور حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ کہتا ہے کہ ہم آج دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں کل تک تو
 ہماری ایسی عزت تھی۔

ترے سرو قیامت سے اک تدِ آدم قیامت کے نقتے کو کم دست بختے ہیں
 اسکے ایک معنی تو یہی ہیں کہ ترے سرو قیامت سے قتنہ قیامت کمتر ہے۔ اور دوسرے یہ معنی بھی
 ہیں کہ تیرا قد اسی میں سے بنایا گیا ہے؛ ایسے وہ ایک تدِ آدم کم ہو گیا ہے۔

سر اڑانے کے جو عددے کو کمتر چاہا مہنس کے بدلے کہ ترے سر کی قسم ہے ہمارا
 اس شعر میں ”ترے سر کی قسم ہے ہمارا“ اس جملے کے دو معنی ہیں؛ ایک یہ کہ ترے سر کی قسم
 ہے ہم ضرور سر اڑائینگے۔ اور دوسرے یہ کہ ہمارے سر کی قسم ہے۔ یعنی کبھی ہم تیرا سر اڑائینگے
 جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے ہاں کھانے کی قسم ہے۔ یعنی کبھی ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔
 اُجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ جو تم سے شہر میں ہوں اکیں تو کیونکر ہو

اسکا مطلب ایک تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں ایک دو اور ہوں تو شہر کا کیا حال؟
 اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم کو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر

فی الواقع تم جیسے ایک دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کرو۔

کیا خوب ہتم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے ہمارے بھی منہ میں زبان ہے "اہیں دوسری رکھتے ہیں؛ ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر بولنے پر آئے تو تم کو قائل کر دیں گے؛ اور دوسرے شوخ معنی یہ ہیں کہ ہم زبان سے چٹکھڑکتا سکتے ہیں کہ غیر نے بوسہ لیا ہے؛ انہیں۔

زندگی میں تو وہ مغل سے اٹھاتے تھے دیکھو اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے "کون اٹھاتا ہے مجھے" اس کے دوسری ہیں۔ ایک تو یہ کہ زندگی میں تو مجھے مغل سے اٹھاتے تھے اب مرنے کے بعد دیکھو مجھے وہاں سے کون اٹھاتا ہے؛ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ مغل سے تو اٹھاتے تھے دیکھو اب میرا جنازہ کون اٹھاتا ہے۔

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے باد پیمائی یہ شعر ہمارے تعریف میں ہے۔ اسی باد پیمائی کے لفظ نے دوسری پیدا کر دیے ہیں؛ باد پیمائی بحث کام کرنے کو کہتے ہیں؛ پس ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ فصلِ بہار کی ہوا ایسی تازہ ہے کہ گویا اسی شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ اور جب کہ یہ حال ہے تو بادہ نوشی معنی باد پیمائی یعنی فضول کام ہے۔ اس صورت میں بادہ نوشی مبتدا ہو گا؛ اور باد پیمائی خبر دوسرے معنی یہ ہیں کہ باد پیمائی کو مبتدا اور بادہ نوشی کو خبر قرار دیا جائے؛ اور جس طرح بادہ پیمائی کے معنی بادہ خوری کے ہیں اسی طرح باد پیمائی کے معنی ہوا کھانے کے لئے جائیں۔ اس صورت میں یہ مطلب نکالے گا کہ آج کل ہوا کھانا بھی شراب پینا ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیتوں کے علاوہ ایک اور بات قابل ذکر ہے جو جزا اور ان کے بعض عناصر
 و متبعین کی غزل میں عموماً پائی جاتی ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ ریختہ کی بنیاد فارسی غزل پر رکھی گئی
 ہے۔ جو جذبات اور خیالات اہل ایران نے غزل کے پیرائے میں ظاہر کئے ہیں ریختہ گوینوں
 نے زیادہ تر بلکہ بالکل انھیں کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ پس جو انقلاب
 ایک مدت کے بعد فارسی غزل میں پیدا ہوا۔ ضرور تھا کہ وہی انقلاب اردو غزل میں ایک
 عرصے کے بعد پیدا ہو۔

قدماے اہل ایران جن کا دورہ مولانا جامی پر ختم ہوتا ہے انکی غزل میں جو جذبات و خیالات
 بیان ہوئے ہیں وہ اپنی نچرل حالت سے متجاوز نہیں ہوئے، اور گویا سلیب بیان میں
 تلاحق افکار کے سبب رفتہ رفتہ وسعت اور لطافت پیدا ہو گئی لیکن بیان کا طریقہ
 نچرل سادگی کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ مگر چونکہ خیالات نہایت محدود تھے ایک مدت کے
 بعد جتنے سیدھے سادے عہد اور لطیف اسلوب تھے وہ سب نبرگئے اور متاخرین کے
 لئے ایک چوڑی ہوئی ہڈی کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اگر متاخرین غزل کو ہر قسم کے خیالات
 ظاہر کرنے کا آکر بناتے تو انکے لئے میدان غیر تنہا ہی موجود تھا مگر انھوں نے اس محدود
 دائرے سے باہر نکلنا نہ چاہا، اب جو لوگ تقلید کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے انھوں
 نے تو اسی چوڑی ہوئی ہڈی پر قناعت کی، مگر جنگی فطرت میں آرجیٹیلیٹی اور رچ کا مادہ تیار
 انھیں قدیم خیالات و جذبات میں اپنے اپنے مبلغ فکر کے موافق تزئینات اور لطافتیں پیدا
 کرنے لگے۔ چنانچہ نظیری، ظہوری، عربی، طالب، اسیر اور انکے اقران و اشبال کی

غزل میں بقایا سدی، حافظ، خسرو وغیرہم کی غزل کے ہم اسی قسم کا تفاوت پاتے ہیں۔
مثلاً خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

گناہ اگرچہ بنود اختیارِ ماحافظ تو در طریقِ ادب باش دو گناہِ منست
تغیری نے اسی صنون کو حقیقت سے مجازیں لاکر اُنہیں ایک نئی طرح کی نزاکت پیدا کی ہے۔
وہ کہتا ہے۔

ماستفعل زربخش بیے جانہ بینش سے ارمِ اعتراف گناہِ بنودہ را
یا مثلاً دوسری جگہ خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

از عدالت بنودِ دُرگوش پر سدِ حال پادشاہ سے کہ ہمسایہ گدائے وارِد
غوری کے ہاں یہ سیدِ حاسادہ خیال ابراہیم عادل شاہ کے حق میں۔ جو کہ اُسکا مدوح
بھی ہے اور محبوب بھی۔ ایک نئے انداز سے بندھا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

مرقت کردہ شہباز تو سیرِ بام و دُلازم نئے باشند چرائی۔ خازنِ بے شکاں ا
یعنی چونکہ بے مقدور لوگوں کے گھر میں چراغ نہیں ہوتا اس لئے مرقت اور کرم نے سمجھ
لازم کر دیا ہے کہ راتوں کو کونٹے پر چڑھ کر ٹھلا کرے تاکہ تیرے چہرے کی روشنی سے آنکھ گھر
میں چاندنا ہو جائے۔ مطلب یہ کہ اُنکے حال سے واقف ہو کر انکی مدد کرے۔

مگر یہ انقلابِ فارسی غزل میں کم و بیش چار سو برس بعد نمود میں آیا تھا کیونکہ نئی طرزِ انست
تک ایجاد نہیں ہوتی جب تک ضرورتیں اہل فن کو سخت مجبور نہیں کرتیں۔ لیکن رنجیت میں یہ
انقلاب ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر پیدا ہو گیا کیونکہ متاخرین اہل ایران کا نمونہ موجود تھا

اس لئے نئی طرز کے ایجاد کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ جو طرز فارسی میں متاخرین نکال چکے تھے اُسی کو ریختہ میں ڈھالنا تھا۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مرزا غالب نے سب سے پہلے یہ طرز اختیار کی تھی، کیونکہ جہڑ کیسٹری کے مدون ہونے اور علم کے درجے پر پہنچنے سے پہلے اسکے متفرق اصول مشرقی ملکوں میں بھی پائے جاتے تھے اسی طرح مرزا سے پہلے بھی بعض شعرا کے کلام میں اس نئی طرز کی کہیں کہیں جھلکی سی نظر آجاتی ہے مگر ہمیں شک نہیں کہ اول مرزائے اور انھیں کی تقلید سے مومن، شیفہ، تسکین، سالک، عارف، دلغ وغیرہم نے اس طرز کو بہت زیادہ رواج دیا۔ خصوصاً مومن خاں مرحوم اس خصوصیت میں مرزا سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔ یہاں ایسی ایک دو مثال لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے ناظرین بخوبی سمجھ جائیں کہ متاخرین کے اس خاص گروہ نے قدام کے سیدھے سادے خیالات اور معمولی اسلوبوں میں کس قسم کی تراکیب اور لفظی و معنوی تصرفات کر کے ان میں تازگی اور ظہلی پیدا کی ہے۔ مثلاً میر تقی کا شعر ہے۔

میری تغیر رنگ پرمت جا اتفاقات ہیں زمانے کے

اسی تغیر رنگ کے مضمون کو مومن خاں نے اس طرح بازہا ہے۔

میری تغیر رنگ کو مت دیکھ تجھ کو اپنی نظیر نہو جائے

یہ مثلاً خواجہ میر درد نے معشوق کے رخ روشن کو شمع پر اس طرح ترجیع دی ہے۔

رات مجلس میں ترے حسن کو شعلے کو خضو شمع کے ٹھنڈے چوہ دیکھ تو کہیں نور نہ

نواب مرزا خاں داغ نے اسی مضمون میں نئی طرح کی نزاکت پیدا کی ہے۔ وہ کہتے ہیں
 رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ کہتے ہیں اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اُدھر پردہ آتا ہے
 الغرض اس قسم کی مافی افرینیاں، غالب، مومن اور انکے متبعین کے کلام میں بت پاتی
 جاتی ہیں۔ چونکہ اس موقع پر صرف مرزا کے کلام پر بحث کرنی مقصود ہے اسلئے چند شعر مرزا کی
 غزلیات میں سے اسی قبیل کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں

شعف سے اے گرہ کچھ باقی مر توں میں نہیں	رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کرد اس میں نہیں
غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ۔ دیکھو جرم کیا ہے	نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش دریاں کسوں ہو
کرنے لگا ہے باغ میں تو بے حجابیاں	آنے لگی ہے نکمت گل سے حیا مجھے
شد کی ہے اور بات۔ مگر خوئی نہیں	بھولے سے آنے سیکردوں وعدہ وفا کئے
دیکھنا قسمت کو آپ اپنے پر رشک آج ہے	میں آسے دیکھوں بھلا کب مجھے دکھایا جائے
اشکی بزم آریاں سنکر دل بخوریاں	مثل نقشِ مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے
نقش کو اسکے۔ مصوّر پر بھی کیا کیا نازیں	کھینچتا ہے جس قدر آنا ہی کھینچتا جائے ہے
ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے	یہاں تک مٹے کر آپ ہم اپنی قسم ہوے
نسیۂ نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم	لے لیا مجھے مری ہمتِ عالی نے مجھے
مڑتے ہیں آرزو میں مرنے کی	موت آتی ہے پر نہیں آتی
پلے شعر میں خون کا رنگ ہو کر اُبھانا، دوسرے میں عاشق کے جذبہ اور مشرق کی کشیدگی	سے کشاکش کا لازم آنا، تیسرے میں نکمتِ گل سے حیا آتی، چوتھے میں بھولے سے سیکردوں

وعدے دفا کرنے، پانچویں میں آپ اپنے پر شک انا، چھٹے میں دل ربخو کا نقش مرعاشی
کی طرح بیٹھا جانا، ساتویں میں کھینچنے سے نقش کا مصور سے کھینچنا، آٹھویں میں مٹتے مٹتے آپ
اپنی مٹم ہو جانا، نویں میں آپ اپنی ہمت عالی کے ہاتھ پک جانا، دسویں میں باد جو دنوت
آنے کے موت زانی، یہ سب متاخر ازراکتیں ہیں جو ولی سے لیکر میر، سودا اور درد
تک کے کلام میں نہ تھیں، اور اگر تھیں تو صرف اُس قدر جیسے آٹے میں نمک۔

اگرچہ ایران میں زمانہ حال کے شعر انھوری و عرفی و طالب و اسیر وغیرہ کی طرز کو ہاں پہنچ
کرتے ہیں اور ہندوستان میں بھی روز بروز طبیعتیں نچیل شاعری کی طرف مائل ہوتی جاتی ہیں۔
جبکہ نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ رفتہ رفتہ اس قسم کے تحلفات و ذراکتیں نظروں سے گر جائیں۔
لیکن یہ سب زمانے کے متقصیات ہیں جو ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ایسی باتوں سے اُن
لوگوں کی اُستادی اور گرانماگی میں کچھ فرق نہیں آتا جنکو نئی طرز کے موجد ہونکا فخر نچیل نما
بہر حال جو نسبت انھوری، نظیری، عرفی، طالب، اسیر وغیرہم کے کلام کو سعدی،
خسرو، مافط، اور جامی کے کلام سے ہے تقریباً ویسی ہی نسبت مرزا کے ربختہ کو میر، سوا
دور کے ربختہ سے سمجھنی چاہئے۔ قدا اردو روزمرہ اور صفائی بیان کو سب باتوں سے
زیادہ اہم اور مقصود بالذات جانتے تھے؛ برخلاف متاخرین کے کہ وہ ہر شعر میں ایک نئی بات
پیدا کرنے اور اسالیب بیان میں نئے نئے تعجب انگیز اور لطیف و پاکیزہ اختراعات کرنے ہی کو
کمال شاعری سمجھتے تھے اور زبان کی صفائی اور روزمرہ کی نشست کو محض خیالات کے
ظاہر کرنے کا ایک آلہ (نہ کہ مقصود شاعری) تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مرزا ایک دوست کو

خط میں لکھتے ہیں کہ ”بھائی! شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ پائی نہیں ہے“

اگرچہ مرزا کی اردو شاعری پر بحث کرنے کے لئے ابھی بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ لوگوں کو ایسی باتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے اس لئے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور صرف اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ مرزا کے دیوان ریختہ میں جس قدر اشعار سرسری نظر میں مستان معلوم ہوں وہ بطور انتخاب کے یہاں نقل کر دئے جائیں۔ جو شعرا اس سے پہلے شاعروں میں لکھے جانے لگے ہیں ان کو اب کمرہ دلکشیں گے اور جہاں ضرورت ہوگی شعر کے معنی بھی بتائیے اور کہیں کہیں محاسن شعری کی طرف بھی اشارہ کیا جائیگا

آتشا شکر ہے نازد ایتقد جس باغ رضواں کا وہ اک گلہ ستہ ہے ہم بخودوں کے طاق نیاں کا
طاق نیاں وہ طاق جس میں کچھ رکھ کر بھول جائیں۔ طاق نیاں کا گلہ ستہ وہ گلہ ستہ جس کو طاق میں رکھ کر بھول جائیں۔ بخودوں کے بہشت کو گلہ ستہ طاق نیاں سے تشبیہ دینا بالکل ایک نرالی تشبیہ ہے جو کہیں نہیں دیکھی گئی۔

محرم نہیں ہے تو ہی تو ابا سے راز کا یہاں در نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
یعنی راز کے نمونوں سے تو خود ہی آتشا ہے؛ ورنہ دنیا میں جو بظاہر حجاب نظر آتے ہیں وہ بھی پردہ ساز کی طرح بول رہے اور بچ رہے ہیں، اور اسرار الکی ظاہر کر رہے ہیں۔

ایک قطرہ کا بٹھے دینا پڑا حساب خونِ جگر دو بیت مرغانِ یار تھا
یعنی انگٹوں سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ گویا جگر میں جتنا خون تھا وہ مرغانِ یار کی ناک میں آتی؛ اور اسلئے اُسکے ایک قطرہ کا حساب اسی طرح دینا پڑیگا جس طرح امانت کا

حساب دنیا پڑتا ہے۔

یہ کہاں کی دہتی ہے کہ بے دست نہ لے

اُسے کون دیکھ سکتا کہ گناہ ہے وہ یکتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترابیانِ غالب

اسنا ہے کہ جس وقت یہ غزلِ جزائے بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ نے قطعِ منکر کہا، بیسی ہم تو جب بھی

ایسا نہ سمجھتے، ”مرا نے کہا“ حضور تو اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر یہ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ

میں اپنی ولایت پر مغرور نہ ہو جاؤں“

نہ مارا جان کہ بے جرم قاتل تیری گردن پر

کتاب ہے کہ تو نے ایک شقاقِ قتل کو بے جرم سمجھا اس لئے قتل نہیں کیا کہ خونِ بگناہ اپنی گردن

پر نہ لے کر اب تیری گردن پر بچاے خونِ بیگنہ کے حقِ آشنائی کا رہیگا۔

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا

کیا وہ غزوہ کی خدائی تھی؟

بندگی میں مرا بھلا نہوا

کتاب ہے کہ میری بندگی کیا غزوہ کی خدائی تھی کہ اُس سے مجھ کو سواِ نقصان کے کچھ فائدہ نہ پہنچا

یہاں بندگی سے مراد عبادت نہیں ہے بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر غزوہ کی خدائی کا اطلاق کرنا

بالکل نئی بات ہے۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی

غمِ فراق میں تحلیفِ سیرِ گلِ مستِ دو

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مجھے دماغ نہیں خندہ داسے جب کا

خندہ گل کو خندہ بے جا اس لئے کہا ہے کہ وہ کچھ سمجھ کر باز راہِ قعجب نہیں ہنستا، پس گویا اُسکی خندہ بے محل ہے۔

فلک کو دیکھ کے کرنا ہوں اُسکو یاد آئے
جفا میں اُسکی ہے اندازِ کارِ منہ راکا
یعنی فلک کو دیکھ کے خدا یاد آتا ہے؛ کیونکہ فلک سے جو جاسر زد ہوتی ہے اُسکے علم سے ہوتی ہے۔
میں اور بزم سے سے یوں فتنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
یعنی اُسے درستی کیوں نہ پلا دی!

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا
بھرا اگر بھر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
تنگے دل کا بگلا کیا یہ وہ کا فردل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھن پڑا حق
اڑی کوئی ہمارا دمِ خسریہ بھی تھا
یعنی ہمارے جرم کے ثبوت کے لئے کسی کی شہادت ہونی ضرور ہے؛ صرف فرشتوں کا لکھنا کافی نہیں۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدرِ بار کا عالم
میں معتقد فتنہِ محشر نہ تھا
دیراے معاصی تنگ آئی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

کہتا ہے لگناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دنیا سے معاصی خشک ہو گئی
مگر ابھی ہمارے دامن کا پتہ تنگ نہیں بھیگا۔ نہ کہ وہ انبیات میں لکھا ہے کہ ذوقِ اس شعر کو نہایت
پسند کرتے تھے؛ اور کہتے تھے کہ فرزا کو اپنے آپ سے شعروں کی خود خبر نہیں ہوتی۔ یہ بیحدِ دلیلی ہی بات
ہے جیسے مولانا آزاد نے فرزا کا ایک عمدہ شعر شکر اُسکی قریب کرتے وقت کہا تھا کہ "اس میں مرزا"

کیا کمال ہے یہ تو ہمارے انوار کا شمع ہے، غرض کہ ایک ہمعصر دوسرے ہمعصر کی تعریف بھی کرتا ہے تو اس میں ایک نہ ایک بات ضروری شامل کر دیتا ہے جس سے یا اسکی مقیاس لازم آئے یا اپنی تعریف اس سے بھی زیادہ بکلی۔

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
مرنے کی اسے دل اور ہی تدبیر کر کریں
شایان دست و بازو سے قاتل نہیں
رنگ کتاب ہے کہ اسکا غیر سے اخلاص
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا دشمن
ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
کتاب ہے کہیں نے جو معشوق کے حسن کی تعریف کی تو جو شخص میرا محرم راز اور دشمن تھا وہی میرا
میرا رقیب بن گیا؛ کیونکہ اول تو ایسے پری وش کی تعریف تھی اور وہ بھی مجھ جیسے جاوید
کی زبان سے۔ پہلے مصرع کا دوسرا کن یعنی ”اور پھر بیاں اپنا“ یہ مرزا کی خصوصیت
میں سے ہے۔

دوسے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالینگے
یہ اسے آشنا نکلا اُن کا پاساں اپنا
یعنی خراب ہی ہوا کہ معشوق کے در کا پاساں ہمارا جان پہچان نکلا؛ اب ہمارے لئے اس کا
سرفراز حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ہکو ذلت دے ہم اسکو ہنسی میں ڈالتے رہیں گے؛ اور
ظاہر کرینگے کہ ہمارا قدیم آشنا ہے؛ ہمارا اسکا قدیم سے یہی بڑا دوست ہے۔

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنرمیں کیا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا
آسمان کی دشمنی کے کیا خوب اسباب بتائے ہیں اور اپنی دانائی اور ہنرمندی کس خوبصورتی سے

عاشقانہ
عاشقانہ
عاشقانہ
عاشقانہ

ظافرت

مشکوٰۃ
تہذیب

ثابت کی ہے۔

رضت نہ لے مجھے دے کہ سب اذنام تیرے چہرے سے ہونا ہر غم پہناں میرا
یعنی اگر نالہ کی اجازت نہ ہوگی تو ہم اسکو ضبط کرینگے اور اسکا اثر ختم تک پہنچینگا۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ہورہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

دکھلائیں کا مرجع خدا کو ٹھہرایا ہے کہتا ہے کہ عمر بھر موت کا منتظر رہا کہ وہ حالت زندگی سے فرار
بستر ہوئی اب دیکھئے مرنے کے بعد کیا حالت دکھلاتے ہیں جبکہ تمام عمر منتظر لگتا ہے۔

رست اگر قبول کرے کیا بید ہے شرمندگی سے عند زنا گناہ کا
حریف جوشش دریا نہیں خود دریا بل جہاں ساقی ہو تو دعویٰ ہے بل شہابی کا

یعنی ساحل ملا کہ اپنے تئیں بجائے کہ جب دریا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں رہ سکتا اسی طرح
جہاں تو ساقی ہر دہاں ہوشیاری کا دعوئے چل نہیں سکتا نیز حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہر سکتا ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں قنا ہو جانا در و کا مد سے گزرنا ہے ودا ہو جانا
یعنی جب در و مد سے گزر جائیگا تو مر جائیگا یعنی قنا ہو جائیگا گویا قطرہ دریا میں کپ جائیگا اویسی

اسکا مقصد وہ ہے پس در و کا مد سے گزر جائیسی اسکا ودا ہو جانا ہے۔

تجھے قسمت میں جبری صورتِ نقل بہد تھا لکسا بات کے بیٹے ہی جدا ہو جانا

صنعت سے گریہ مبتدل جو ہم سرد ہوا با در آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے شنائری انگشتِ خانی کا خیال ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر گھٹانا
 روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہونا
 یعنی غمِ فرقت میں روتے روتے تمام ہر جان میرے نزدیک ایک ایسی معمولی بات ہے جیسے پرہیزی
 کا برس کر گھٹانا یہ بالکل خالی تشبیہ ہے۔

منہ گئیں کھولتے ہی کھولتے اکھیں غالب
 یار لائے مرے بالیں پڑے پر کمرِ وقت
 کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقت سخن
 جانوں کیسے دل کی میں کیونکر کے بغیر
 ہنسا ہوں میں تو چاہیے دانا ہر لطافت
 سستا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر
 دامنِ سنا کو یار نے کینچنا ستر سے ہاتھ
 ہما کو جس میں لذت آزاد دیکھ کر
 یک جہاں طبعِ حسد دیدار دیکھ کر
 بان آبلوں سے پانوں کے گہر لیا تھا
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پڑا دیکھ کر
 سر پہ ڈنڈا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
 یاد نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھنے مری بات
 دے دو دل کو جو نہ دے مجھ کو ذراں اور

یہ شعر بظاہر مشوق کے حق میں معلوم ہوتا ہے مگر ایسے درپردہ ان لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو
 مرزا کے کلام کو بے معنی یا بعید الغنم کہتے تھے۔

ہر چند سبکدست ہوئے بتِ شگنی میں
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور

اس شعر میں سارا زور ہم کے لفظ پر ہے یعنی جب تک کہ ہماری ہستی باقی ہے اس وقت تک راہ میں
 انہی میں ایک اور سنگِ گراں سدِ راہ ہے پس اگر جتنے بت توڑنے میں سبکدستی حاصل کی ہے
 تو کیا فائدہ؟ یہ بڑا بھاری بت یعنی ہماری ہستی تو ابھی موجود ہے۔

عاشق

عاشقِ شہزادہ

شہزادہ

باتے نہیں جیے اہ تو پڑ جاتے ہیں
رکتی ہے ہری طبع تو ہوتی ہے داس اُفد
نالے یعنی ندی نالے نہ آہ و نالے۔ مثال کس قدر مثل اس کے مطابق ہے اور مضمون کننا مطابق
واقع کے ہے فی حقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت رکتی ہے
اُسی قدر زیادہ رادہ دیتی ہے خصوصاً جو مضمون وہ اس وقت اپنے حسب حال لکھتا ہے وہ نہایت
مؤثر اور درد انگیز ہوتا ہے۔

نقصی

فلک سے ہلکولیش نہتہ کا کیا کیا تھا
متاع بڑہ کو بجھے ہوئے ہیں غرض نہن پڑا
متاع بڑہ یعنی لونی ہوئی متاع یہ مضمون بھی بالکل دعویمات میں سے ہے جو لوگ اسودگی کے
بعد مفلس ہو جاتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے تئیں مظلوم و ستم رسیدہ و فلک زدہ سمجھا کرتے ہیں اور غیر
اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ ضرور کبھی نہ کبھی ہمارا انصاف ہوگا اور ہمارا اقبال بھر ہو کر گایا۔
روشن ہستی ہے عشقِ خاں دیراں سا
انجن بے شمع ہے گر برقِ خرمن میں
یعنی تمام دنیا میں جو روشن اور چل چل ہے وہ عشق و محبت کی بدولت ہے، خواہ زن و فرزند کی محبت ہو
خواہ مال و دولت کی، خواہ ملک و ملت کی، خواہ اور کسی چیز کی، پس اگر خرمن میں برق یعنی دلوں
میں محبت نہیں تو اسکی مثال اُس انجن کی ہے جیسے شمع کی روشنی نہیں۔

نقصی

زخمِ سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں
عقلمند میں شانِ گایا لکے ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں مشتِ خس کہ گلشن میں نہیں

نقصی

اپنے تئیں حسِ مین پھرنے و فیر سے، اور وطن کو گلشن سے، تشبیہ دی ہے، یعنی جس طرح پھوس گلشن میں
ہوتا ہے تو ملتا ہے، اور گلشن میں نہیں ہوتا تو اسکی کچھ قدر نہیں ہوتی، یہی حال میر ہے، کہ وطن میں تھا

ترجما تھا اور اب پردیس میں ہوں تو بے قدر ہوں۔

مہرباں ہو کے بلاو مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں ہو کہ پھر انہی سب کو

زہر مٹا ہی نہیں مجھ کو سنگم - ورنہ کیا تم ہے ترے مٹنے کی کرکھا بھی سکو

یہ تھے ہیں کہ اسکو فلاں کام کرنے کی قسم ہے تو ایسے یہی ہوتے ہیں کہ اسکو اس کام کے کرنے سے

بچ رہے ہیں عاشق معشوق کے مٹنے کی قسم کو نہ کرکھا سکتا ہے کتا ہے کہ زہر کچھ ترے مٹنے کی قسم

نہیں ہے کہ اسکو کھانا سکوں مگر چونکہ وہ مٹا نہیں اسلئے نہیں کھا سکتا۔

قومن کی پتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ہا رنگ دلی ہاری فاقہ مستی ایک دن

کس منہ سے شکر کچھ اس لطف خاص کا پرستش ہے اور پامی سخن درمیاں نہیں

بوسہ نہیں نہ بکھے دشنام ہی سہی آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرد بان نہیں

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کھلا کی روح القدس اگرچہ میرا ہونہا نہیں

یہاں بجزباں کے لفظ میں ایہام ہے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبانیں

نہیں ہو سکتی اور دہرہ دہمیں یہ اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری زبان کی ویسی روح القدس کی نہیں

منع دشت خوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے ہر سے پاؤں نہیں زنجیر نہیں

اسی مطلب کو جو پہلے مصرع میں بیان ہو چکا ہے دوسرے مصرع میں نئے رنگ سے کس خوبی کے ساتھ

بیان کیا ہے دشت خوردی کی مانع کوئی تدبیر نہ ہونی اسکو اس طرح ادا کرنا کہ پاؤں میں چکر

مگر زنجیر نہیں کمال بلاغت ہے۔

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے جسادہ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں

عبادہ یعنی بٹاکو دم شمشیر سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ عشق کے آزاد اور بکلیف میں جو لذت ہے جی تو یہی چاہتا ہے کہ اس لذت سے خوب دل کھول کر متنع ہوں، مگر چونکہ وفا کی راہ سراسر تلوار کی دھار پر ہے اس لئے پہلے ہی قدم پر موت نظر آتی ہے۔ پس افسوس ہے کہ لذت آزاد کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی جاتی ہے۔

الفبت گل سے غلط ہے دعویٰ دارنگی
سر دہے بار صفت آزاد دمی گزنا چمن
مطلب یہ ہے کہ کوئی کیسا ہی آزاد و وارستہ مزاج ہو دنیا میں عشق و محبت کے پھندے سے نہیں بچوٹ سکتا۔

ہے پرے سرحد اوراک سے اپنا بکود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ ناکتے ہیں
قبلہ پر قبلہ نما کا اطلاق ظاہر امرنا کے سوا کسی نے نہیں کیا۔

راہ معشوق نہ رسوا ہو جاے
ورنہ مرجانے میں کچھ بھید نہیں
بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں؛ خواہ پوشیدہ مصلحت ہو، اور خواہ پوشیدہ قباحت ہو۔ یہاں پوشیدہ قباحت مراد ہے اگر مرجانے کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہوتا تو بھید کے معنی پوشیدہ مصلحت کے ہو جاتے۔

کتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں
یہ شعر سہل و متنع ہے اس زمین میں اس سے بستر شرعاً نا ممکن ہے۔

کل کے لئے کراچ نہ خست شرابیں
یہ سو وطن ہے ساقی کوثر کے بابیں
یعنی آج اس خوف سے شراب دینی کہ کل نیلگی ساقی کوثر کی فیاضی پر سو وطن کرنا ہے۔

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب ہیں

قاصد کے آتے آتے خطا اکر دیکھ لوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
دوسرے مصرع میں بیلو طرز کے کتاب ہے کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے مجھے معلوم ہے؛ یعنی وہ کچھ نہیں
لکھنے کے۔ اسلئے قاصد کے واپس آنے سے پہلے ایک اور خط لکھ رکھوں۔

بچہ تک کہ بچہ بزم میں آتا تھا دو عالم
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
اس شعر میں پہلے مصرع کے بعد اتنا جملہ حذف ہے ”پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت ہو تک
پہونچی ہے“ اس حذف نے شعر کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے ایسا حذف۔ جس پر قرینہ دلالت کرانہ
اور جو الفاظ حذف کئے گئے ہیں وہ بغیر ذکر کئے دونوں مصرعوں میں بول رہے ہوں مختصاتِ شعر
میں شمار کیا جاتا ہے۔

لاکھوں لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
یہاں لگاؤ سے مراد لگاؤٹ ہے؛ یعنی مشوق کا عاشق کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے اسکا
انتقام اور میلان طبع پایا جائے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی لاکھوں لگاؤ میں ایک دن یا
اور ایک نگاہ کا چرانا ایک طرف۔ اور اس کے لاکھوں بناؤ سنگار ایک طرف؛ اور ایک عتاب میں
بگڑنا ایک طرف۔ یہ شعر بھی سہل و متنوع ہے۔ اگر الفاظ کی طرف دیکھئے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر ایسے
دو ہم پلے مصرع ہم پہونچ گئے جن میں حسنِ ترصیع کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے۔ اور اگر معنی پر نظر کیجئے
تو ہر ایک مصرع میں ایک ایسا معاملہ بندھا گیا ہے جو فی الواقع عاشق و مشوق کے درمیان ہمیشہ
گد تارہتا ہے۔ مشوق کی لگاؤٹ عاشق کے لئے بہت بڑی چیز ہے؛ مگر اسکا آئکھ چرانا جو لگاؤٹ
کی ضد ہے وہ عاشق کی نظر میں لگاؤٹ سے بہت زیادہ و دلفریب و دلادیز ہوتا ہے۔ اسطرح

بنادہ سنگار سے مستحق کا سخن بے شک دو بالا ہو جاتا ہے، مگر اسکا قصہ میں بگڑنا اُسکے بناؤ
 سے بہت زیادہ خوشنما اور دلربا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے متعلق یہ سب ظاہری اور ادبی باتیں
 ہیں جو ہم لکھ رہے ہیں؛ اسکی اصل خوبی و عبادانی ہے جسکو صاحب ذوق کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔
 ایک روز مولانا آزاد مرحوم کے روبرو کسی نے یہ شعر پڑھا چونکہ مولانا نہایت صاف اور سچ الفہم
 اشعار کو پسند کرتے تھے، اس لئے مرزا کا کلام سُکر اکثر بُھٹتے تھے اور انکی طرز کو ہمیشہ نام لکھتے تھے۔ مگر اُس
 روز اس شعر کو سُکر وجد کرنے لگے اور تعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کیسا شعر ہے؟ کہا گیا کہ مرزا غالب کا۔ چونکہ
 دو مرزا کے شعر کی کبھی تعریف نہیں کرتے تھے، اور اُس روز راجا علمی میں بے ساختہ اُنکے منہ سے
 تعریف نکل گئی تھی، غالب کا نام سُکر بطور مزاح کے جیسی کہ انکی عادت تھی فرمایا "بہیں مرزا کی کیا
 تعریف ہے یہ تو خاص ہماری طرز کا شعر ہے"، مگر فی الحقیقہ یہ شعر بھی معنی و لفظاً ویسا ہی اچھا تھا۔
 مرزا لاہے جیسا کہ مرزا کا تمام کلام کسی کے کلام سے میل نہیں کھاتا۔ جہاں تک کہ ہر معلوم ہے یہ اسلئے
 بیان آج تک اس عمدگی کے ساتھ کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔

نہ میں ہے رخشِ عمر کاں دیکھتے تھے نے ہاتھ بال پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

سوار کی بے اختیاری اور گھوڑے کا اُسکے قابو سے باہر ہونا چابک سواروں کی زبان میں اس سے
 بہتر بیان نہیں ہو سکتا اور عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے تشبیہ دینا حسن تشبیہ کا حق ادا کرنا ہے
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

غیر سے یہاں ماسویٰ اللہ مراد ہے۔ جو مصنفہ کے نزدیک بالکل معدوم ہے۔ کیونکہ وہ وجودِ واحد کے
 حساب کو معدوم سمجھتے ہیں۔ کتاب ہے کہ جس قدر وجود ماسویٰ کے وہم سے رات دن پیچ و تاب میں

رہتا ہوں اتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجود واجب سے بعد ہے۔

ہے مشتمل نمودِ ضرور پر وجودِ عجب یہاں کیا دھڑ ہے قطرۂ موج و جاب میں

وحدت وجود اور کثرت موہم کی تمثیل ہے قطرۂ موج و جاب کے پیچ و ناچیز ہونے کو ایک عام محاورے میں اسطرح ادا کرنا کہ ”یہاں کیا دھڑا ہے“، تمنا سے بلاغت ہے۔

غالبِ نیکم دوست سے آتی ہو بویِ دوست مشغولِ حق ہوں بندِ گئی بو تراب میں

چہرہ تراں رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہھر کوئیں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے تپا پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کوئیں

غالب اہل مذاکرات ابتدا میں پیش آتی ہے اسکو اس تمثیل میں بیان کیا ہے۔ غالب اہل مذاکرات

جس شخص میں کوئی کثرتم یا وجد و سماع و جوش و خروش دیکھتا ہے اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا

ارادہ کرتا ہے؛ اور اُس کے ساتھ ساتھ پیرتا ہے پیر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اسکا تہمت

کرتا ہے؛ وچکم جزا۔ اور وجہ اس تندہی اور زلزل کی یہی ہوتی ہے کہ وہ کالمیں کو پہچان نہیں سکتا

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں سمجھ لیا لیکن ہم کو قتلید تنگِ ظرفی سے مشغول

کرنے کس غم سے ہو غربت کی شکایت کیا تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہیں

دورِ جان دیکے وہ سمجھے یہ خوش رہا یہاں اپڑی یہ شرم کر کر کر کر کر

اپنی فراخِ حوصلگی اور اُس کے ساتھ شرافتِ نفس کا اظہار ہے؛ یعنی میں جو دوہو نہ جان لیکر خاموش ہو رہا

اسکا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ان پر قانع ہو گیا؛ بلکہ ٹھیکو زیادہ مانگنے اور تکرار کرنے سے شرم آئی اس لئے

خاموشی اختیار کی۔

نقشہ

نقشہ
عاشقانہ
سکون

نقشہ
عاشقانہ
سکون

تھک تھک کے ہرقام پر دوچار رو گئے تیرا پتہ نہ پائیں تو اچھا ر کیا کریں
 میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی تنکے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کریں
 ستم ظریف وہ ظریف جسکی غرافت کے ساتھ فلم بھی بلا ہوا ہو۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ میں نے توبہ کی غیر
 مجھ کو کہا تھا کہ آپکی محفل غیر سے خالی ہونی چاہیے، اُسے یہ سن کر مجھے بزم سے اٹھا دیا، یعنی یہاں ایک
 توبہ غیر نظر آتا ہے۔

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بانی کارگر عشق کا اُسکو گماں ہم بیزبانو نہیں
 قیامت ہے کہ سن لیلے کا دشتِ قیس میں آنا قعب سے دہر لایوں بھی ہوتا ہوا نہیں
 وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت سے کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
 اپنے گھر میں مشرق کے آنے سے جو قعب درجیت ہوئی ہے دوسرے صوبہ میں اُسکی کیا عمر تصور پہنچی
 ہے، یعنی کبھی مشرق کو دیکھتا ہے، اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہے، کہ اس گھر میں اور کیا شخص مارا ہوا

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں کونج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
 جہاں میں ہو غم و شادی بہم ہیں کیا کام دیا ہے ہکو خدا نے وہ دل کو شاد نہیں
 یارب زمانہ مجھ کو مٹا تا ہے کس لئے لوحِ جہاں پر حرفِ کمر نہیں ہونیں
 مدد چاہتے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہگار ہوں کا قرین نہیں ہونیں
 سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں گشتیں خاک میں کیا سوتیں ہو گئی کہ نہان گشتیں
 قید میں یعقوب نے لی گونہ یوسف کی خبر لیکن آنکھیں روزن دیواہ زناں گشتیں

یعقوب کی آنکھوں کو روزن دیواہ زناں قرار دیا ہے کیونکہ جس طرح روزن زناں ہر وقت درشت پر

توبہ

توبہ

توبہ

کشاود رہتا تھا اسی طرح یعقوب کی آنکھیں شب در در یوسف کی طرف نگراں رہتی تھیں۔
 میندا سکی ہے دماغ اسکا ہے لیتا سکی ہیں جسکے بازو پر تیری زلفیں بے شمار تھیں
 وہ گناہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں ایسے لکڑے جو مری کوتاہی قسمت سے مرگاں ہو گئیں
 لگا ہوں گے مرگاں ہونے سے یہ مراد ہے کہ شرم و حیا کے سبب اوپر نہیں اٹھتیں، بلکہ لٹکوں کی طرح
 ہر وقت نیچے کو ٹھکی رہتی ہیں۔

دعاں گیا بھی میں انکی گالیوں کا کیا جواب دیتیں تہی دعا میں صرف دریاں بہ گئیں
 یعنی اب نئی دعا تو کوئی ذہن میں باقی نہیں رہی اور وہی ستمل دعا میں جو دریاں کو دسے چکا ہوں
 دوست کے حق میں صرف کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس شعر میں جو اصل خوبی اور لطافت ہے
 وہ یہ ہے کہ گالیوں کے جواب میں دعائیں دینے کو ایک ایسی معمولی اور ضروری بات ہونا اور
 کہتا ہے کہ گویا اسکو ہر شخص ضروری جانتا ہے، کیونکہ سب سے حیراں ہو کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ کیا
 گالیوں کا کیا جواب دو گا جبکہ دعائیں سب بڑھ چکیں۔

ہم موصد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ روم تین جب بٹ گئیں اجڑاے یہاں ہو گئیں
 تمام ملتوں اور مذہبوں کو منجملہ دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے۔ جن کا ترک کرنا اور بٹنا ناموس و قہر کا اصل
 مذہب ہے؛ اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب بٹ جاتی ہیں تو اجڑاے ایمان بجاتی ہیں۔
 دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا دیوانہ گرد نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
 جبہ جمالِ دل فردر صورت مہرِ نمرود آپ ہی ہنظارہ نور پر دوسرے منہ بجا کر گرن
 حقیقت و مجاز دونوں پر محمول ہو سکتا ہے۔

قد حیات و بندہ غم اصل میں نواک ہے موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پا کر کیوں
مسد سے دل اگر مسرودہ ہے گرم تماشائے کو چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے دام

بعض خیالی مضمون نہیں ہے، بلکہ حقیقت واقعی کو ایک نیا تہ عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ فی الواقع
جب انسان گھر کی چار دیواری میں محصور، دنیا کے حالات سے ناواقف، اور لوگوں کی ترقی و
تنزل کے اسباب سے بے خبر ہوتا ہے تو اپنی محدود جماعت میں سے کسی کو عمدہ حالت میں نہیں
دیکھ سکتا؛ لیکن جس قدر اسکا دائرہ تعارف زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر اُس پر یہ بات
گھٹتی جاتی ہے کہ لوگوں کی خوشحالی محض اتفاقی نہیں ہے۔ جیسے حسد ورتنگ کیا جائے۔ بلکہ
انکی محنت و تدبیر کا نتیجہ ہے؛ اور اس لئے انصاف اور فیاضی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے؛
اور وہ خود بھی کوشش و تدبیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور بجائے حسد ورتنگ کے اوروں کی
ریس اور پیروی کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس منقول بات کو ایک محسوس تفصیل میں بیان
کرتا ہے کہ ”چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے داہو“ جس طرح شہر انے بخیل کے دل کو
تنگ باندھا ہے اسی طرح حسد کی آنکھ کو تنگی کے ساتھ موموت کیا ہے۔

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو وطن کیا کیوں
ہوں سخن نہ کیوں رہ دہم صواب کے
اے اگر بلا تو جگہ سے ٹٹے نہیں
خدا شرانے ہاتھوں کو کرکتے ہیں کشاکش میں
نہ کٹنا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو
میر حالگا ہے قلم سر نوشت کو
ایزا ہی دیکھتے ہیں بجایا ہے کشت کو
کبھی میرے گریباں کو کبھی باباں کے دہن کو
رہا کھٹکانہ چوری کا دعا دیتا ہوں بہن کو

چشم تنگ
مخلاف

وفا داری
مخلاف
استقلال
خفا خانہ
میرزا

جب میکہ چٹا تو پھر کیا جاگہ کی قید
مسجد ہو در مسجد ہو کوئی خانقاہ ہو
اس شعر میں ازراہ تہذیب اس کام کا ذکر نہیں کیا جسکے کرنے کے لئے مسجد و در مسجد و خانقاہ
کو مساوی قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میکہ۔ جہاں حرفیوں کے ساتھ شراب پینے کا لعنت تھا
جب وہی جھٹ گیا اب مسجد میں بل جائے تو اور در مسجد و خانقاہ میں ماتہ آجائے تو سب جگہ کی
برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تفصیل ازراہ شرفی کے کی گئی ہے؛ یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل
لااق نہیں ہیں وہاں بھی میکہ چھٹنے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے۔ اور شراب پینے
کی تصریح ذکرنا عین مقتضائے بلاغت ہے۔

سننے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہر
اس شعر کو حقیقت و مجاز و دو پر محمول کر سکتے ہیں۔

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
اس دن کی سیاہی کیسی ہوگی جسکے آگے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے۔

یہ کہہ سکتے ہو؟ ہم دل میں نہیں ہیں۔ پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو انگھوں کے نہاں ہیں
اس شعر میں مخاطب مشوق حقیقی ہے۔

مے سے غرض نشا ہے کہن و سیاہ کو
ارک گو نہ بخود ہی مجھے دن رات چاہئے
رہے اس شرف سے آزدہ ہم چند تکلف سے
تخلّف بظرف تھا ایک اندازہ جزوں دو
مرے دل میں ہے غالب شوق و صلہ شکوہ ہجر
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں بھی کوئی دہی
عزم دنیائے گریباں بھی فرصت آٹھانے کی
فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

یعنی جب غم دنیا سے سرٹھانے کی فرست ملتی ہے تو سرٹھاتے ہی آسمان پر نظر پڑتی ہے اور چونکہ وہ جفا پیشہ ہے اُسکے دیکھتے ہی تو یاد آتا ہے۔ اب دوسرا غم شروع ہو جاتا ہے۔ غم خلک کسی حالت میں غم سے نجات نہیں۔

ایک جاحظ دنا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
خا ہر اکا غد ترے خط کا غلط بردار ہے

غلط بردار اس کا غد کو کہتے ہیں جس پر سے حرف آسانی کو لگ و غیرہ سے اُسکے اور کا غد پر اُسکا نشان باقی نہ رہے۔ مگر یہاں ازراہ طرافت غلط بردار کے یہ معنی لئے ہیں جس پر سے حرف غلط خود بخود اڑ جائے۔ کہتا ہے کہ تو نے اپنے خط میں حرف ایک جگہ حرف دنا لکھا تھا سو وہ بھی مٹ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے خط کا کا غد غلط بردار ہے۔ کہ جو بات سچے دل سے اُسپر نہیں لکھی جاتی وہ خود بخود مٹ جاتی ہے۔

ہے وہی بدبختی ہرزوہ کا خود عذر خواہ
جسکے جلوے سے زمین آسمان نکلا

ہرزوہ یعنی ہر مخلوق۔ عذر خواہ معافی چاہنے والا، یا معذور رکھنے والا۔ اس شعر میں دعویٰ ہے طریقے سے کیا گیا ہے کہ خود دعوے متعین دلیل واقع ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذرات عالم یعنی مکانات جبرنی الحقیقت معدوم محض ہیں۔ ان کی بدستی و عقلیت کا عذر خواہ وہی ہے جسکے پر تو وجود سے یہ تمام معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں۔

پیس میں گزرتے ہیں جو کوچرے وہ میر
کنہ جا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے
قطع کیجئے نہ قسطن ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و سہرید کی رخصت ہی سہی

نہی

صفت

حاشا

عاشق
شوق

ہم بھی تسلیم کی خود الیں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی
زندگی اپنی جب اس نگہ گزری فنا ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدار کتے تھے

یہ مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ فارسی غزل میں بھی مرزا صاحب نے لکھا ہے اور وہ یہ ہے

”لفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت می توان گفت کہ این منہ خداوند شد“

اُس بزم میں مجھے نہیں بنی جیائے بیٹھا اگر چہ اشارے ہو اکتے

صحبت میں غیر کی زبڑی ہو کہیں رخو دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کتے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے گرچا بھی اُسکو آتی ہے تو شرابا جے

یہ شعر معاملہ کا ہے۔ جو طالب و مطلوب کے درمیان اکثر گزرتا ہے، اور شاعرانہ نزاکت دوسرے

صراع میں پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جی آتی اور شرابا جانا درحقیقت ایک ہی چیز ہے، پھر ایک

کیا معنی؟ کہ جی بھی آتی ہے تو شرابا جانا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مقام پر جی آنے کا متعلق اور ہے

اور شرابا جانے کا متعلق اور، گرچا بھی اُسکو آتی ہے ”یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش جی آئے۔ اور

شرابا جاتا ہے۔“ یعنی غیر سے یا اُسکے ساتھ ٹکرا کر نہ سہے۔

ہر کے عاشق وہ پرینچ اور نازک بن گیا رنگ لگتا جاسے ہے جتنا کڑا تاجا جے

گرچہ ہے کس کس بڑائی سے دسے باہنہ ذکر میرا مجھے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

بس ہجوم نا امید ی خاک میں لجا بیٹگی یہ جواک لذت ہماری سعی جیاصل میں ہے

فرزادِ دبی کا تفرقہ اک بار پٹ گیا تم کیا گئے کہ ہم یہ قیامت گزرتی گئی

کہتا ہے کہ مختارے جاتے ہی سبب خود رفتگی و خود فراموشی کے یہ حالت ہو گئی کراچ اور کل کی مطلق

عاشق
عاشق
نا امید
عاشق

باد و دوشینہ بینی رات کی پی ہوئی شراب جو مرنے سے پہلے پی تھی محض ازراہ شوخی کے کہتا ہے کہ
 گمیرین کے سوال و جواب سے بچنے کی کوئی تدبیر اسکے سوا نہیں کہ شراب پی کر مرے تاکہ گمیرین کو
 بو کی کراہت سے بغیر سوال جواب کئے چلے جائیں۔

جہاد سے ڈرتے ہیں نہ دعا عطا سے جھگڑتے ہم سمجھے ہوئے ہیں اس طرح بھیس میں پہنچے
 گویا خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔

فہم

بیچہ زائلی
 عمارت
 عمارت
 عمارت
 عمارت

بے اعتدالوں سے سبک سب میں ہم ہے جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 پہناں تقادامت قریب آشیان کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
 چھوڑی آس نہ بھنے گداں میں دل لگی سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے
 سایے کی طرح ساتھ پھریں سر و ہونویر تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے
 دے بھگو شکایت کی اجازت کہ ستمگر کچھ جھکو مزا بھی مرے انداز میں آوے
 حسن مہر گرچہ ہنگام کمال آچھا ہے اس سے میرا ہر خورشید جمال آچھا ہے

دوسرے مصرع میں دعویٰ متفنن دلیل ہے مستحق کو ہر خورشید جمال اس لئے کہا ہے تاکہ اس کا کمال
 پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے۔

برس دیتے نہیں اور دل پر ہے ہر لحظہ نگاہ جمی میں کستہ میں کرمیت آئے تو مال آچھا ہے
 بے طلب دیں تو مزا ہمیں سوا الما ہے وہ گدا جسکو نہو خوئے سوال آچھا ہے
 انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے رونق خیر وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال آچھا ہے

اسی کے قریب قریب سعدیؒ کا بھی ایک شعر ہے وہ کہتے ہیں کہ گفتم بودم چو بیانی غم دل باتو گم

شوخی
 اخلاق
 عمارت

اچھو گویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی، "دو تو کا حاصل یہ ہے کہ کسی طرح اپنی تکلیف یا رنج مشوق پر
 ظاہر نہیں کر سکتے مگر سعدی کے بیان میں یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ شاید مشوق عاشق کی ظاہری
 برحالی دیکھ کر سمجھ جائے کہ اس کا دل مغموم ہے کیونکہ سعدی کے بیان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ مشوق کے آنے سے غم جاتا رہتا ہے نہ یہ کہ ظاہری حالت بھی بدل جاتی ہے مگر مرزا کے بیان میں
 یہ احتمال باقی نہیں رہتا با اینہم سعدی کے شعر کو بہ حال مرزا کے شعر پر ترجیح دینی چاہئے کیونکہ

الفضل للقدم

دیکھئے پائے ہیں شقائق بریں کیا فیض اک برہن نے کہا ہے کہ سال چھا ہے
مواہب مشوق کی تمنائیں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں میاں تک کہ پٹرت نے سال
کو اچھا بتایا ہے تو اس کے اچھا ہونے کے یہی معنی سمجھتا ہے کہ شاید اس سال مشوق عاشقوں پر ہر سال
ہر جائیں نہ یہ کہ اس سال تھلا نہیں پڑے گا یا دبا نہیں آئے گی یا لڑائیاں نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 پڑھو نہیں شکوے یوں راگ سے جیسے بابا
 کیوں نہ ٹھہریں ہر ناک بیدار کو کم
 رکھو غائب مجھے اس تلخ نوائی میں فنا
 رگوں میں ڈرتے پھر نے کہ ہم نقل
 وہ چیز جس کے لئے ہمارے ہر بہشت عزیز
 میری قسمت میں عشم گرا نہ تھا

دل کے بھانے کو غالب یہ خیال آج تھا
 اک ذرا چھوڑے پھر دکھئے کیا ہوتا ہے
 آپ اٹھا لاتے ہیں گرتیر خطا ہوتا ہے
 رنج کچھ دردِ دہرے دل میں سوا ہوتا ہے
 جب آنکھ ہی سے نہ چکا تو پھر سو کیا ہے
 سوا سے بادہ گلّہ نام مشک ہو کیا ہے
 دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

از برای
بنیوی
خاشخانی
خاشخانی
خاشخانی
بنیوی
خاشخانی

لفظ تو ذہن دوسرے صرح میں ہے : معنی پیدا کر دیے ہیں کہ آنکھ سے مورو تے روتے دل میں خون
کا ایک قطرہ باتی نہیں ۔ ۱۰۱ اس لئے دوست کے سر انگشت خنائی کے تصور کو غنیمت سمجھتا ہے کہ
اسی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند تو نظر آتی ہے ۔

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بچو جھلکی سے
یہاں تو کوئی سُنتا نہیں فزاؤ کوئی
بچو جھلکی یعنی کم ظرفی تیاں سے مراد دنیا معشوق سے کہتا ہے کہ تو اس بات سے کیوں ڈرتا ہے
لو ہم ماشق لوگ تیرے جو روئے ظلم سے تنگ آکر حاکم سے یا خدا سے تیری فزاؤ کوئی کیونکہ اگر ہم ایسا
کریں بھی تو یہاں کوئی کسی کی فزاؤ ہی نہیں سُنتا ۔

چاک مت کر جب بے ایام گل کچھ اُدھر کا بھی اشار چاہیے
پھول کے کھلنے کو چاک گریاں سے عموماً تشبیہ دی جاتی ہے کہتا ہے کہ ہر ایک کام نیچر کی ہدایت سے
کرنا چاہئے ، پس جب تک پھول اپنا گریمان چاک نہ کرے تو بھی گریمان چاک مت کر ہمیں لطف
یہ ہے کہ محضوں کو ہمیشہ بہار میں جوش جنوں زیادہ ہوتا ہے ۔

پلاوے اُدک سے ساتی جو نہ تو نفرت ہے
پالاکر نہیں دیتا نہ شراب تو دے
اُدک کھاؤ مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کر ہے - نہیں ہے
کیوں نہ بقیج کرے ہے زاہد
تھے ہے یہ گس کی تے نہیں ہے

گس کی تے یعنی شہد زاہد جو شہد کے پینے کو موجب ثواب جانتا ہے اور شراب سے نفرت کرتا ہے
اسکو شراب کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جتنا ہے کہ نفرت کی چیز شراب نہیں ہے بلکہ وہ چیز ہے جو
گس کے تے کرنے سے حاصل ہوتی ہے ۔

انتظار

عشق

عشق

عشق

ہاے وصال بھی شورِ محشر نے نرم لینے دیا
لے گیا تھا گو میں ذوقِ تنہا سانی مجھے
وعدہ آنے کا وقت کبھے یہ کیا انداز ہے
تھے کیوں سوچتی ہے میری گھر کی زبان مجھے

دعا سے وعدہ کے انتظار میں گھر سے کہیں نہ جائے کہ اس طرح بیان کرنا کہ تھے میرے گھر کی زبان مجھے
سوچ دی ہے بالکل نیا پیرایہ بیان ہے۔

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھ سے ہو گئے
عشق سے آئے تھے نانیہ ادا مجھے
کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گرا جاوے مجھے
جہانگیر کے اپنی یاد شرم جائے ہو مجھے

یعنی اس خیال سے کہ تمام عمر اس پر ظلم کئے ہیں اب تھوڑی سی نیکی کرنے سے اس کی کیا تلافی ہو سکتی ہے نیکی
شیں کر سکتا۔

بسنٹنے دے مجھے انا امید کیا تھا
کہ دامنِ خیالِ بارجو مل جائے ہے مجھے
ہوئے ہیں پاؤں پہلے نہرِ عشق میں نہی
نہ بھاگا جائے ہو مجھے نہ ٹھیکر جاوے مجھے

دوسروں جہاں کیفیات کی تمثیل عسوسات کے ساتھ دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ تو ہے جن سے عشق
کے ترک کرنے یا اس کے شدائد پر تحمل کرنے کی قدرت تھی ابتداء سے عشق میں اُنھیں کو مصدوم پہنچا ہے پس
اب عشق ترک ہو سکتا ہے نہ اُس پر صبر و تحمل کیا جا سکتا ہے۔

بازیمِ اطفال ہے دنیا رہے آگے
ہوتا ہے شبِ دروزر تماشا رہے آگے
اک کھیل ہے اور نگِ سلیمان سے نزدیک
اک بات ہے اعجازِ سیما رہے آگے
وہ بیشتر سی پر دل میں جیتا تر جائے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کئے
سغنیہ جیکہ کنارے پر آگیا غالب
خدا سے کیا ستم وجودِ ناز خدا کئے

رونے سے اور عشق میں بیاک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاکی ہو گئے

دھوا جانا۔ بے شرم و بیباک ہونا۔ پاک۔ آزاد یا شہداء۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک تکہ سے آنسو نہیں
نکلے تھے تو اس بات کا پاس و لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے مگر جب رزنا ضبط نہ ہو سکا
اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو انھوں نے راز عشق کا خیال جانا ہوا اور ایسے بے شرم و بے حجاب
ہو گئے کہ آزادوں اور شہدوں کی طرح کھل کھیلے اس مطلب کو ان لفظوں میں ادا کرنا کہ "رونے سے ایسے
دھوئے گئے کہ بالکل پاک ہو گئے"، بلاغت اور حسن بیان کی انتہا ہے

کرنے لگے تھے اس تعاقل کا ہم گلہ کی ایک ہی نگاہ کہ میں خاک ہو گئے
شاہر حقیقی کا جو معاملہ غیر عشاق کے ساتھ ہے اسکو تعاقل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ
کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سحابی بھی کہتا ہے
رباعی

اے زاهد و عاشق از تو درنا رواہ دور تو نزدیک ترا حال تباہ
کس نسبت کہ جاں از تو سلامت ببرد اں را بہ تعاقل کشی این را بہ نگاہ
پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے تعاقل سے تنگ کر شکایت کی تھی اور اسکی توجہ کے خوشگوار
ہونے سے جب اسے توجہ کی تو ایک ہی نگاہ میں ہلکوتا کر دیا۔

جب تک بان تم نہ پیدا کرے کوئی مشکل کہ تجھے راہ سخن واکرے کوئی

سوفیہ کی اصطلاح میں محاورت اور سامت (یعنی عباد اور معبود کے درمیان گفتگو ہونا) دور تھے ہیں جو
کالمین اور عرفا کو حاصل ہوتے ہیں کہتا ہے کہ شاہر حقیقی کے ساتھ اس معمولی لب و لہجہ سے بات

نہیں ہو سکتی بلکہ اسکے لئے وہاں زخم پیدا کرنا چاہئے یعنی جب تک دل تیج عشق سے مجروح نہ ہو تب تک حاصل نہیں ہو سکتا۔

سر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آزماتے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
یعنی ساری عمر تو صبر کی آزمائش ہی میں گزر گئی پھر تیرے ملنے کی تمنا کس وقت کی جاتی۔

بات پر دھاں زبان کھٹی ہے
وہ کہیں اور تمنا کرے کوئی

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک دو گر غلط چلے کوئی
ڈھانک دو گر خطا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب ترفع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کیا گھلا کرے کوئی

ہزاروں خوشیوں کی ہر خواہش دم نکلے
بہت نکلے مری دارماں لیکن پھر بھی کم نکلے

خواہش پر دم نکلنا اسکے پورے ہونیکے لئے جلدی کرنا چنانچہ کہتے ہیں کیوں دم نکلا جاتا ہے یا کیوں سر جاتے ہو یعنی کیوں جلدی کرتے ہو پہلے مصرع میں بقصفاے مقام یہ الفاظ کہ ”دل میں باقی ہیں“ مستعد رہانے چاہئیں باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔

نکلا ملے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت لے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

دوسرے مصرع میں بہت کے لفظ پر زور دینا چاہئے تاکہ آدم کی نسبت زیادہ بے آبروئی کے ساتھ نکلا ثابت ہو۔

بہم گھلجائے ظالم تیری قاتل کی درازی
اگر اس طے ہو پریج دھم کا بیج و خم نکلے

خاتون

شخص

خاتون

شخص

مختبب میں نہیں ہے، فریقہ دینے اور مرنے کا
 کہاں بیانے کا دروازہ غالب کی کمال
 اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جب کہ فریقہ دینے
 پر آنا جانتے ہیں کل وہ جانا تھا کہ ملے
 وہ آئے یا نہ آئے یہ بیان انتظار ہے
 اسے کی طرح ہم پر جیتتے ہیں
 اس پر تو فرشتہ جہان بان مری

یہ خطاب ہے آفتاب حقیقت کی طرف، کہتا ہے کہ بیباک ساقی شہم پر جو ہے اور فی الواقع اسکی کج
 ہستی نہیں ہے اسی طرح ہم بھی اس دھوکے میں پڑے ہیں اگر آفتاب حقیقت کی کوئی بجلی ہمیں
 لگے مگر ہوا جائے تو یہ دھوکا جاتا رہے اور ہم فنا فی اللہ ہو جاویں، کیونکہ جہاں آفتاب چمکا اور
 سایہ کا نور ہوا۔

اگر کوئی چمک لکھن میں کر دیں بناؤ ہیں
 بڑی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر جو کی
 یہ شعر حقیقت و مجاز دونوں پہلو رکھتا ہے، گرہ نسبت مجاز کے حقیقت پر زیادہ چسپاں ہے۔

واغظ نہ تم پر نہ کسی کو بلا سکو
 کیا بات ہے تمہاری شراب طہری
 یہاں فرم ہے کہ سب کو شکایت ہو یہ
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں گے دور کی
 گرمی سہی کلام میں لیکن اس قدر
 کی جس سے بات آنے نہ سکایت نہ ہو کی
 غالب اگر اس سفر میں نہ ساتھ چلیں
 حج کا ثواب نہ رکھ کر دھماکہ مقرر کی

اس شعر سے مراد کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانے میں لکھی تھی جبکہ
 بیمار شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ مرزا اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ جانے کا کمال
 اشتیاق ظاہر کرتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے لئے شت مانتے ہیں، مگر منت یہ کہتے ہیں کہ حج کو

شخص

شخص

خاتون

شخص

آبِ حنور کی نذر کرونگا۔ اُدھر سفرِ حج کا وہ اشتیاق اور اُدھر حج کے ثواب کی یہ بقید رہی۔

غم کھانے میں بو داول کا م بہت ہے یہ سچ کہ کم ہے بے گلفام بہت ہے

کتے ہوئے ساتی سے جی آتی ہے جھکو ہے یوں کہ مجھے دُر دہِ جام بہت ہے

یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تلچٹ بھی میرے لئے کافی ہے مگر اس خیال سے کہ ساتی مجھے ذلیل اور کم بہت اور قلعہ بیچ نہ سمجھے اُس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

نئے تیر کہاں ہیں ہے نہ ضیا دکھیں میں گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

یعنی جو شخص گمنامی اور کس پریری کی حالت میں ہوتا ہے اُس کا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا ساری خرابیاں شہرت اور اقتدار اور نام و نمود کے ساتھ دابستہ ہیں۔

بلا سے گرفتار تیرے رخوں ہے رکھوں کچھ اپنی بھی ترکانِ نقتال کئے

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں شمسِ خلقِ غصہ نہ غم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر کرے قفس میں فراہمِ خضرِ آشیان کئے

اس سے زیادہ کوشش کی غمتی کسی پیرائے میں بیان نہیں ہو سکتی۔

گدا سمجھے دہ چپچہا مری جو شامت آئے اٹھا اور اٹھکے قدم بیٹے پاس کئے

اُردو و غزل میں ایسے بلیغ اشعار شاید دوسری چار اور نکلیں گے۔ مولانا آزاد وہ جو مرزا کی طرز کو نام

رکھتے تھے وہ بھی اس شعر کے اندازِ بیان پر پروا نہ تھے۔ ہمنے مقدمہ میں بھی اس شعر پر کچھ بہار

کیا ہے یہاں اسکی ایک اور خوبی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو واقعہ مرزا نے اس شعر میں

بیان کیا ہے اُس میں دو باتوں کی تصریح کرنی ضرورت تھی ایک یہ کہ پاسبان نے قائل کے ساتھ کیا سلوک

روایت

قناعت

ذہن

قناعت

عاشق

شوق

کوشش

شوق

کیا دوسرے یہ کہ قابلِ پاسبان سے چاہتا کیا تھا سو یہ دونو باتیں بصراحت بیان نہیں کی گئیں مگر
 کتا یہ میں ادا کی گئی ہیں مگر صراحت سے زیادہ وضع کے ساتھ فوراً سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ پہلی
 بات پر لفظ شامت اور دوسری پر قدم لینا صاف دلالت کرتا ہے۔ اسکے سوا روزِ قرہ کی نشست
 اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیال کو دو معرعوں میں ایسی خوبی سے ادا کرنا کہ تخریم بھی اس
 طرح ادا کرنا مشکل ہے یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

اس غزل کے اخیر میں چند شعرِ نوابِ فرخ آباد کی مح میں لکھے ہیں جنہوں نے مرزا کو نہایت
 اشتیاق کے ساتھ فرخ آباد میں بلایا تھا مگر غالباً مرزا کا دماغ جانا نہیں ہوا اُن مدحیہ اشعار میں
 صرف دو شعر اس مقام پر لکھے جاتے ہیں۔

دیا ہے اور کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیشِ تجلِّ حسینِ قاس کے لئے
 زمانہِ عہد میں ہے اُسکے محوِ ارتش بنیں گے اور شاہِ اقبال کے لئے

قطعات

قطعہ ۱

یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا نے پادشاہ کی معذرتیں اس درخواست سے گزرنا تھا کہ انکی تخواہ جو
 شمشاہی گزرنے پر اکھٹی جچہ مینے کی ملاک آتی تھی وہ ماہِ بہار کے چنانچہ اس درخواست کے کوئی
 تخواہ ماہِ بہار ملنے لگی تھی۔

اے شمشاہِ آسماں اور نگ اے جہاندارِ آفتابِ آثار

تھامیں اک میزائے گرشہ نشیں	تھامیں اک دردمند سینہ نکدہ
تم نے مجھ کو جو تیرا بخش	جوئی میسری دہ گربے بازار
کہ ہوا مجھ سا درد و تاج حسینہ	روشتا س توایت دستیار
گرچہ از روئے تلک بے ہنری	ہوں خود اپنی نفس میں اتنا خواہ
کہ گرا اپنے کو میں کموں حنا کی	جانتا ہوں کہ اُسے خاک کو عمار
شاد ہوں لیکن اپنے ہی راکہ ہوں	بادشہ کا سلام کا گزار
حسانہ زاد اور مرید اور مداح	عقائے ہمیشہ سے یہ عریف نگار
بارے تو کر بھی ہو گیا صدہ شکر	نسبتیں ہو گئیں مشتاق حیار
نہ کموں آپ سے تو کس سے کموں	مرعائے صندریں الانار
پیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں	ذوق آرائش سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر	جسم رکھتا ہوں۔ ہے اگرچہ تزار
کچھ خریدنا نہیں ہے اب کے سال	کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ	بھاڑ میں جائیں ایسے یلن ہمار
آگ تاپے کہاں تلک انسان	دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار
دھوپ کی تابش آگ کی گرمی	دقتا رہتا عذاب النار

مذہب و مذاہب کی عزت سے پہلے ہی عزت کی آمد و رفت غلو میں جاری تھی اور مرتبہ قصیدے برابر بادشاہ کے اس
کمرانے تھے اور غلو پاتے تھے ۱۲

میری تنخوا دجو مسترز ہے اس کے مٹنے کا ہے عجب ہنجا
 رسم ہے فروے کی چٹہا ہی ایک خلق کا ہے اسی چیلن بہدار
 مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات اور چھ ماہی ہو سال میں بار
 بلکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار
 میری تنخواہ میں تنہائی کا ہو گیا ہے شریک ہوا کار
 آج مجھ سانس زمانے میں شاعر فقر کو سے خوش گفتار
 رزم کی داستان گزنیے ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 بزم کا التزام گرتے کچے ہے قلم میری ابر کو ہر بار
 ظلم ہے گرد و سخن کی داد قلم سے گر کروں مجھ کو پیار
 آپ کا بندہ اور بچروں تنگا آپ کا نوکر اور کھاؤں دھار
 میری تنخواہ تنگ ہے ماہ بہ ماہ تانہ مجھ کو زندگی دشوار
 ختم کرتا ہوں اب دعا بہ کلام شاعری سے نہیں تجھے سروکار
 تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں نچ پاس ہزار

قطعہ ۲

گو ایک پادشاہ کے سفارت زاد ہیں دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

بختی

شاعری سے مراد یہاں مست شاعر ہے جو کہ قلم مرزا نے اپنے خاص طرز کے کلام بت سید حاسدہ لکھا ہے تو دعا
 بھی ایسی ہی سیرجی سادی ہے جس کی طرح کی مست شاعر نہیں ہے ۱۱

کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کرتے ہوئے سلام ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں
بادشاہ کے دربار کا یہ داب تھا کہ آپس میں جو دواں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ہاتھ پر ہاتھ
رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ وائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے
کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لئے مرزا نے اسکو اس پیرائے میں بیان کیا ہے۔

قطعہ ۳۰

نہ پوچھا اسکی حقیقت - حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے مین کی رونمائی ہوئی
نہ کھاتے گیوں - نکلے نہ خلد سے باہر جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسی ہوئی
جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکراتے تھے تو اکثر مصاحبین اور اہل دربار کے لئے بطور ادولش کے
بھیجا کرتے تھے اس کے شکریے میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی بادشاہ کے حضور میں گزرتے
تھے یہ قطعہ بھی اسی قبیل کا ہے۔

جسوقت چوہدار بادشاہی یہ ادولش لیکر آیا ایک باہر کار نے والا طالب علم جو مرزا سے کچھ پوچھا کرتا تھا
موجود تھا۔ چوہدار کے چلے جانے کے بعد اسے مرزا سے تعجب ہو کر پوچھا کہ مینی سوئی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ
بادشاہ کی سرکار سے بطور ادولش کے تقسیم ہوتی ہے؟ مرزا نے کہا ”ارے حق! چناؤ درخیز ہے کہ اسنے
ایکے غمہ خبابا لگی ہیں فریادی کی مٹی کہ دنیا میں مجھ پر سے ظلم ہوتے ہیں، مجھے دلتے ہیں، پیستے ہیں، بھرتے
ہیں، پکاتے ہیں، اور مجھے سیکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھ پر ظلم ہوتا ہے ایسا
کسی پر نہیں ہوتا۔ دواں سے حکم ہوا کہ اسے چنے تیری خیرا ہی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جاوے؛ ورنہ
ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھ کو کھا جائیں“

قطعہ ۴

افکارِ صوم کی کچھ اگر دستِ گاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھولے کھانے کو کچھ ہو روزہ اگر نہ کھاوے تو ناچار کیا کرے
مرزا ایک خط میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعہ بھی رمضان کے مہینے میں پادشاہ کی حضور میں پڑھا گیا تھا جسکو
پادشاہ اور تمام مساجدین جو دربار میں موجود تھے بے اختیار بہت پس پڑے۔

قطعہ ۵

سہل تھا سہل دے سخت مشکل آپڑی مجھ پہ کیا گزیری گی اتنے روزِ حاضرین ہرے
تین دن سہل سے پہنچے تین دن سہل کے بعد تین سہل تین تبریزیں سب کے دن ہوئے
ایک شعر میں سہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل جن میں حکیم چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عہد کی ہے
بیان کی ہے یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے۔

قطعہ ۶

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو از غلبہ مستر کبھی کسی پر مجھے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

رباعیات

رباعی ۱

شکل ہے زبیں کلام میرا سے دل سن چکے اُسے سخنِ نوانِ کامل

مرزا غالب نے یہ رباعی اپنے ایک شعر کے ساتھ درج کی ہے جو شریک غالب کے غزلیں جو لطف ہے وہ ظاہر ہے۔

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل درگزر گویم مشکل
 اس اخیر کے مصرع میں دوسری پیدا ہو گئے ہیں ایک یہ کہ اگر انکی فرمائش پوری کروں اور آساں شعر
 کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اقتضا کے خلاف ہے اور آساں نہ کہوں تو یہ مشکل ہے کہ وہ بڑا
 ہانتے ہیں اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس باب میں صاف صاف بات کہتا ہوں تو سنو زبانِ گل
 کی نافرمانی اور کئے ذہنی عیاں ہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو آپ ملزم ٹھیکر ہوں پس یہی طرح ہے

رباعی ۲

یہ بھی ہے مجھے جو شاہِ جم جاہ نے دال ہے لطفِ عنایتِ شہنشاہِ پے دال
 یہ شاہِ پسند دال بے بحث و جدال ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال
 یا دشاہ کے ہاں مونگ کی دال پکا کرتی تھی جو بادشاہِ پسند کھلاتی تھی یہ رباعی اس کے شکر میں لکھی گئی ہے

رباعی ۳

حق شد کی بقا سے خلق کو شاہِ کرے تاشاہِ شیر عروج و انش و داد کرے
 یہ دی جو گئی ہے رشتہ عسمرین گانڈ ہے صفر کہ انزائش اعداد کرے

رباعی ۴

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
 کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ افتد !!! وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

اس رباعی میں مرزا نے غایت ورج کی شوخی کی ہے جو بالکل اچھوتی اور زنی طرح کی ہے کہتا ہے
 کہ ہم ہر چند دربار کے باختیار لوگوں کو جھجک جھجک کر سلام کرتے ہیں مگر وہ ہماری کامروائی میں درنگ

ادیت دہل کر کے ہیں۔ ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اؤ خدا ہی سے کہیں بھرہ خیال
 آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت دہل کرنے کو
 کہتے ہیں جو کہ صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے تو خدا کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ وہ صبح و شام
 کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر کا اصل مقصود یہی ہے کہ کامرانی خلق میں یہی لیت دہل دہاں ہوتی ہے ایسی
 کہیں نہیں ہوتی کہ اکثر ساری عمر اسید ہی میں گزر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

رباعی ۵

پیشانی

ساں خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
 روزہ میرا ایمان ہے غالب لیکن غصہ خانہ و بر قاب کہاں سے لاؤں
 یہ رباعی بھی اُسی قطعہ کے ساتھ جس میں روزے کا مضمون آتا ہے دربار میں پیش کی گئی تھی۔

رباعی ۶

پیشانی

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آرا نہیں عشاق کی پرش سے اُسے ملز نہیں
 جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکر انوں کہ اُس میں تلوار نہیں
 یہ رباعی ماثقائد ہے اور بالکل نیا مضمون ہے ظلم سے اٹھ اٹھانا اُس سے دست بردار ہونا اور
 اسکو ترک کرنا باقی الفاظ کے معنی ظاہر ہیں۔

رباعی ۷

پیشانی

اِن ریم کے بھجوں کو کوئی کیا جانے نیچے ہیں جو ارنماں شہر دلائے
 گن کر دیویں گے ہم دعائیں سواہر فیروزے کی قبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے سیم کے تاجوں کا سالن بھیجا ہے، انکے شکرے میں یہ رباعی لکھی ہے، بڑا فیروزہ جو خیزی
 شکل کا ہوتا ہے وہ سیم کے بیج سے بہت شبابہ ہوتا ہے۔

نثر اردو

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سید احمد علیک میرٹھ فارسی میں خطکات کرتے تھے، مگر سنہ مذکور میں جبکہ تاج خیزی
 کی خدمت پر مامور کئے گئے، اور بہترین مہر خیز کے لکھنے میں مصروف ہو گئے، اسوقت بغیر درت انکو اردو
 میں خطکات کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثر میں اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوت تہمید کا عمل اور
 شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب انکی
 بہت مہر خیز کی ترتیب انشائیں مصروف تھی مزدور کے اسوقت انکو فارسی زبان میں خطکات
 کرنی اور وہ بھی اپنی طرز خاص میں۔ شاق معلوم ہوئی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے
 غالباً سنہء کے بعد سے اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ
 ”زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور صنعت کے مددوں سے
 محنت پذیر وہی اور جگر کا دی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارت غریزی کو زوال ہے اور خیال ہے
 معطل ہو گئے تو سے غالب اب غاصر میں اعتدال کہاں“

غالباً اردو زبان میں تحریر اختیار کرنے کو مرزا نے اول اول اپنی شان کے خلاف سمجھا ہوگا۔
 مگر بعض اوقات انسان اپنے جس کام کو حقیر اور کم وزن خیال کرتا ہے وہی اسکی شہرت اور قبولیت
 کا باعث ہو جاتا ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان میں جس قدر انکی

اُردو شریکِ اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظم اُردو اور نظم فارسی اور متر فارسی سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ لوگ عموماً مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے؛ اور اُنکے اُردو دیوان کو بھی ایک علیٰ تر کلام عام افہام سے بالاتر سمجھتے تھے؛ مگر لوگوں کا ایسا خیال کرنا محض تقلیدِ اتحادِ تحقیقاً۔ وہ خود اپنے ایک مرتبہ دان اور پایہ شناس دوست کو خط میں لکھتے ہیں ”میر سے فارسی قصیدے کو بہتر سمجھو، ناز ہے کوئی اُنکا لطف نہیں اُٹھاتا مگر بطریقِ اذعان کہ یہ شخص فارسی خوب کتا ہے۔ ہاں کہاں اور ادراک پایہ معنی کہاں؟ تاریخِ جزیرہ (یعنی مہرِ غریب) کے پانچ سو چارے پاس بھیجے ہیں میری خاطر نہ کیجیے؛ افسانے سے کہنے کہ یہ شریک ہیں اور ہے؛ اور پھر اُس شکر کا کوئی نشان نہ“ اگرچہ مرزا کی اُردو شریکِ قدر بھی جیسی کہ چاہئے ویسی نہیں ہوئی۔ چنانچہ بعض اوشل تحریروں میں دیکھا گیا کہ اُردو سے متعلق اور بوستانِ خیال کی جملات کو ایک مرتبے میں رکھا گیا ہے؛ لیکن پھر بھی مرزا کی اُردو شریکِ قدرِ معان بہ نسبتِ ناقدرِ دافوں کے ملک میں بہت زیادہ نکلیں گے۔

مرزا کی اُردو شریکِ زیادہ تر خطوط و رقعات ہیں؛ چند تقریریں اور دیباچے ہیں؛ اور تین مختصر رسالے ہیں۔ جو ربانِ قاطع کے طرفداروں کے جواب میں لکھے ہیں؛ لطافتِ غیبی، تیغِ تیز و زار، غالب۔ اسکے سوا چند اجزا ایک ناتمام قفے کے بھی ہیں۔ جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپ اور لطیف انگیز اُنکے خطوط ہیں جن میں سے زیادہ تر اُردو سے متعلق ہیں اور اُس سے کم عربی و ہندی میں جمع کر کے چھپوائے گئے ہیں۔ اور بہت سے خطوط ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوئے ہیں۔ جواب تک شائع نہیں ہوئے۔ مگر تقریباً بیس اجاب کا ارادہ اُنکے چھپوانے کا ہے۔

مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے بڑا ہے۔ نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا، اور نہ اُنکے بعد کسی سے اُسکی پوری پوری تقلید ہو سکی۔ اُنھوں نے انشاء و آداب کا پُرانا اور فرسودہ طریقہ اور اور بہت سی باتیں جنگو و تسلیس نے لوازم نامہ نگاری میں سے قرار دے رکھا تھا مگر حقیقت فضول اور دوران کار تھیں سب اُڑا دیں۔ وہ خط کو کبھی میاں، کبھی برخوردار، کبھی بجائی صاحب، کبھی ہماراج، کبھی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہیں؛ اُنکے بعد مطلب لکھتے ہیں۔ اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اواسے مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً اُنکو یہ لکھنا تھا کہ ”محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گذرا۔ میں نے پوچھا کہ لوہار کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ اُسے کہا ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا کیا آج نہ جائینگی؟ اُسے کہا آج ضرور جائینگی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“ اس مطلب کو اُنھوں نے اسطرح ادا کیا ہے ”محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ کبھی محمد علی بیگ۔ لوہار کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ حضرت ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائینگی؟ آج ضرور جائینگی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“

میر ہمدی مروج کو خط لکھا ہے؛ اُنہیں لکھنا یہ ہے کہ میر نصاحب اُنے اور اُنسے یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اس طرح نہیں لکھتے بلکہ اُنکو اسطرح شروع کرتے ہیں ”اے میر نصاحب السلام علیکم۔ حضرت آداب۔ کہو صاحب آج اجازت ہے میر ہمدی کے خط کا جواب لکھنے کی؟ حضور میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں؛ پھر آپ کیوں تکلیف کریں۔ نہیں نصاحب اُنکے خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں وہ خفا ہوا ہو گا؛ جواب لکھنا ضرور ہے۔ حضرت وہ آپ کے

فرز نہیں آپ سے خفا کیا ہونگے۔ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟ سبحان اللہ! اسے لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔

اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر یہ کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں۔ کیا عرض کروں؟ سچ تو یہ ہے کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں ستنا اور خط اٹھاتا۔ اب جو میں دیاں نہیں پڑھتا

تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوے۔ میں اپنے جہنم کو روانہ ہوتا ہوں؛ میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھ گئے گا۔ یہاں بیٹو، ہوش کی خیر لو؛ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاؤ؟

میں بڑھا آدمی میرا آدمی تمہاری باتوں میں آگیا اور آج تک اُسے خط نہیں لکھا۔ لا حول ولا قوۃ۔ اس کے بعد میر مہدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں۔

بعضی جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اُسکو غائب فرض کر لیتے ہیں؛ یہاں تک کہ جو لوگ مرزا کے انداز بیان سے واقف نہیں وہ اُسکو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً میر مہدی کو لکھتے

ہیں ”میر مہدی! جیتے ہو۔ آفریں صد ہزار آفریں۔ اردو عبارت لکھنے کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا ہے۔ سنو دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے۔

یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی؛ سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلے کا رہنے والا لڑکا یا لڑکی نے اُسکو مکمل کیا؛ اللہ برکت دے۔“

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں ایک ظالم سے مراد خود میر مہدی مجروح ہیں؛ کیونکہ صدر کے بعد وہ پانی پت کے محلے مذکور میں کئی سال مقیم رہے تھے۔ مگر جو لوگ مرزا کی ”تکمیلی چالوں سے“ واقف ہیں وہ غلطی سے اُس کے

دوسرے سنی سمجھ جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو اس خیال سے کہ آتم بھی پانی پت انصاری محلے کا رہنے والا ہے۔

ان الفاظ سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے میری نسبت لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ میں نے جس قدر ان کو سمجھایا کہ یہ خود میری جہد ہی کی نسبت لکھا ہے، میری نسبت نہیں لکھا، اسی قدر ان کو اس بات کا زیادہ خیال ہوا کہ میں اندر وہ کس نفسی کے ایسا کہتا ہوں۔

مغربی طریقے پر چوتھے لکھے جاتے ہیں انیس اکثر اس قسم کے سوال و جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں ہم اور رد لکھا چکے ہیں مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا انکے اسموں کی کوئی علامت لکھ دی جاتی ہے؛ ورنہ یہ نہیں معلوم ہر کس کا سوال کس کا ختم ہوا؟ اور جواب کہاں سے شروع ہوا؟ مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے؛ اور نہ انکے نام کی علامت لگتے ہیں۔ مگر سوال یا جواب کے منہ میں ایک ایسا الفاظ آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے؟ اور جواب کیا؟ مثلاً یہ بتیے یا نودل میں یہ بات نہ چل سکے؛ مگر خطوط میں تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کر دی ہے۔ مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتیں اور بڑا کمر ہوش یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ انکی پیروی نہ کریں۔ مگر وہ چیز جسے ان کے مکاتبات کو نودل اور ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخی تحریر ہے جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہم کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے خط کتابت میں مرزا کی روش پر پلٹنے کا ارادہ کیا ہے؛ اور اپنے مکاتبات کی بنیاد مذکورہ شوخی و طراقت پر رکھنی چاہی ہے۔ مگر انکی اور مرزا کی تحریر میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور ہر روپ میں ہوتا ہے۔ مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تار میں سر بھرے ہوئے ہوتے ہیں؛ اور قوت تخیل جو شاعری اور طراقت کی خلاق ہے انکو مرزا کے دماغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پرور انکو مرزا کے ساتھ۔ اگرچہ مرزا کے بعد مرزا آردو میں بے انتہا وسعت اور ترقی ہوئی ہے، علمی، اخلاقی اور

سوشل، ایچ جس مضامین کے لوگوں نے دیا ہوا دیے ہیں؛ بایں گہنی اور نودل میں بھی متعدد کتابیں منایت سنا بھی گئی ہیں؛ باوجود اسکے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دائرے میں بلحاظ دلچسپی اور لطف بیان کے اب بھی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ مکتوب الیہ اسکا پڑھکر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا مکتوب الیہ ہوتا تھا اسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے؛ اے میں اُن کی زد کی کو۔ جو پچیس میں مرزا کے سامنے آتی تھی اور اب جوان ہو گئی ہے۔ بعد دعا کے لکھتے ہیں ”دیہوں بھئی اب ہم اگر کوں اُنے بھی تو تھو کہو نہ کہو دیکھیں گے؛ کیا تمہارے ملک میں بھتیجیاں چچا سے پردہ کرتی ہیں؟“ مثلاً نواب امیر الدین احمد خاں کو جواب ٹیس لکھا ہے۔ اُنکے بچپن کے زمانے میں اُنکے رتے کا جواب جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا۔ اس طرح لکھتے ہیں ”دوسرے مردم چشم جہاں میں غالب۔“ اپنے القاب کے معنی سمجھ لو؛ یعنی چشم جہاں میں غالب کی تیلی۔ چشم جہاں میں تمہارا باپ مرزا علاؤ الدین غالب بباد۔ اور تیلی تم۔ میاں تمہارے دادا تو نواب امین الدین خاں بباد ہیں؛ میں تو صرف تمہارا دل دادہ ہوں۔

ایک دوست کو دسمبر ۱۸۵۹ء کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے اُنھوں نے اسکا جواب جنوری ۱۸۶۰ء کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا اُسکے جواب میں اُنکو اس طرح لکھتے ہیں ”دو گھر صاحب یہ باتیں تم کو پسند نہیں؛ ششماہ کے خط کا جواب ششماہ میں بھیجتے ہو؛ اور فرایہ کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گے کہ میں نے ”دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے۔“

ایک دوست کو رمضان میں خط لکھا ہے؛ اُس میں لکھتے ہیں ”وہ خوب بہت تیز ہے۔ روزہ رکھتا ہوں؛ مگر روزے کو بھلاتا رہتا ہوں۔ کبھی پانی پی لیا، کبھی حقیقی لیا، کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا بھی کھا لیا۔ یہاں کے لوگ عجب غم رکھتے ہیں؛ میں تو روزہ بھلاتا ہوں اور یہ صاحب فرمائے ہیں کہ تو روزہ نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے؛ اور روزہ بھلانا اور بات ہے۔“

جس زمانے میں برہان قاطع پراعتراض لکھے ہیں اور لوگوں نے مرزا کی سخت مخالفت اور برہان کی حمایت کی ہے ایک خط میں صاحب برہان کا ذکر کرنے کے بعد اُسکی اور اُسکے طرفداروں کی نسبت لکھتے ہیں ”ان فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھ دیا۔ نظامی دسمدی کی لکھی ہوئی کوئی فرہنگ بہر تو ہم اُسکو مانیں؛ ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ ایک گاٹے کا بچہ بزرگ سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا؛ بنی اسرائیل اُسکو خدا سمجھے۔“

برہان

ایک خط کے آخر میں جو نواب علاؤ الدین خاں کو لکھا ہے۔ لکھتے ہیں ”اُستاد میر خان کو اس سے کہ میر تقی میر کی انکی چچی تھیں اور میر مجیسے عمر میں چھوٹے ہیں۔ دعا۔ اور اس سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی دینی بن و سال کی رعایت نہیں کرتے۔ سلام۔ اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہیں۔ بندگی۔ اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں۔ درود۔ اور موافق مضمون اس مصرع کے ”دوسو سے اشد و انتہائی الوجود“، ”سجود“

ایک خط میں برسات کی شدت کا ذکر کرتے کرتے لکھتے ہیں ”دیوانخانے کا حال عکس اس سے بہتر ہے میں مرنے سے نہیں ڈرتا؛ تقدیرِ راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہو گئی ہے؛ ابر دو گھنٹے

بیسے تو محبت چاہنے سے برسی ہے۔

نواب علاؤ الدین خاں اور انکے والد نواب امین الدین خاں میں کچھ شکر بخنی ہے۔ باب دلی آئے ہیں اور بیٹے کو لوہا و چھوڑ آئے ہیں۔ مرزا نواب علاؤ الدین خاں کو خط میں لکھتے ہیں ”دستا گیا کہ نواب امین الدین خاں صاحب نے اپنی کوٹھی میں تردد لاجل کیا۔ بہرہ ور رہے ازراہ مہربانی ناگاہ میرے ہاں تشریف لائے۔۔۔ میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے؟ بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے۔ اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔ میں نے کہا اتنا ہی جتنا تم اسکو چاہتے ہو۔ ہنسنے لگے۔ غرض کہ میں نے بظاہر انکو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگوں کے دینی (محبتیں غائبوں کے) دلوں کا اللہ مالک ہے۔“

ایک دفعہ کثرتِ اغراجات سے تنگ آکر بعضی مزدوری خراج بند کر دئے ہیں یہاں تک کہ شراب پینا بھی چھوڑ دیا ہے۔ نواب علاؤ الدین خاں نے اپنے والد کے اشارے سے اسکا سبب دریافت کیا ہے اور مولوی مزدور خاں کی طرف سے بطور نصیحت کے مرزا صاحب کو یہ شعر لکھا ہے ”چوں پیر شہدی حافظ از سیکہ و بیرون شوالخ اسکا جواب اس طرح لکھتے ہیں ”بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ادر متھرا داس سے قرض لیا، اودھر درباری مل کو جا مارا، اودھر غوب چندھین سنگھ کی کوٹھی جاوئی، ہر ایک پاس تنگ تھری موجود، شہد لگاؤ اور چاؤ زمول نہ سرد۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خراج! لیکن تمہیں کے سر با ایندھ کبھی خان نے کچھ دیدیا، کبھی اور سے کچھ دوا دیا، کبھی ہاں نے کچھ آگے سے بھیج دیا۔ اب میں اور باٹھ روپے آٹھ آنے کلکڑی کے، ستر روپے رام پور کے، قرض دینے والا ایک میرنکار کا، وہ ستر ماہ باہ لیا چاہے، مول میں قسط اسکو دینی پڑے! انکم گس جدا، چوکیدارہ جدا، سرد جدا، مول جدا“

بنی جید، بیکے جید، شاگرد پیشہ جید، آمدہی ایک سو باسٹھ، تنگ آگیا، گذرا مشکل ہو گیا، روزمرہ کا کام بند رہنے لگا، سوچا کیا کروں؟ کہاں سے گنجائش نکالوں؟ قہر و ریش بجان درویش صبح کی تبرید سڑو، چاشت کا گوشت اُدھار، رات کی شراب و گلاب موقوف، میں بائیس روپے مہینا بچا، روزمرہ کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیو گے؟ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے پوچھا کہ نہ پیو گے تو کس طرح جیو گے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائیں گے، بارے مہینا پورا نہیں گذرنا تھا کہ رامپور سے علاؤ دہ مقررہ کی آمد ہو گیا، قرض مقسط ادا ہو گیا، متفرق رہا، خیر بہرہ صبح کی تبرید، رات کی شراب جاری ہو گئی، گوشت پورا اُٹے لگا، چونکہ بھائی نے وہ موقوفی اور بھائی پوچھی تھی انکو یہ عبارت پڑھا دینا اور جزہ خاں کو بعد سلام کہنا۔

اسے بخیر لذتِ شربِ بدمام ما، دیکھا، ہلکیوں پلاتے ہیں، دریسے کے بیوں کے نوٹروں کو پڑھا کر مولوی شہر ہونا اور رسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اور رسائل حنفی و قاس میں غوطہ اڑانا اور یہ؛ اور عرفا کے کلام سے حقیقتِ حق و وحدتِ وجود کو اپنے دشمن کرنا اور یہ، مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب ممکن نہیں سمجھتے جانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو یہ کہ نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو رسولوں کو ابوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں، دونوں ان لوگوں کے واسطے ہے، میں مودہ خالص اور مومن کامل بن کر زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہتا ہوں؛ اور دل میں لا موجود اِلَّا اللہ، لا مشر فی الوجود الا اللہ سمجھا ہوا ہوں انبیا سب واجب التعمیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مقرر فی الطاعت تھے، محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی، یہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین میں بقطع نبوت کا مطلع اہمیت اور اہمیت نہ اجتماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علیہ السلام ہے تم حسن ثم حسین اسی طرح آمدی موعود علیہ السلام دربار میں

زیستیم ہمیں بگذرم“ ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عامی سمجھتا ہوں۔ اگر تمھیں کو دوزخ میں ڈالیں گے تو میرا بلا ناقصو و مٹوگا بلکہ میں دوزخ کا ایندھن ہونگا اور دوزخ کی کچ کچ کو تیز کر دینگا؛ تاکہ مشرکین نبوت مصطفوی و امامت مغضویٰ اسیس جلیں۔ *** سنو! مولوی صاحب تنے کئی ناقوس ہیں۔ ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ”چوں پریشدی حافظ از سیکہ پیرش آغ“ اور پھر پڑھتے ہو اس کے سامنے کو اسکی نظم کا دفتر حافظ کے دیوان سے دو چندہ چند ہے؛ محبوبہ شربہ بگاہ؛ اور یہ بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے اور ہزار شعر اسکے مخالف ہیں۔“

ایک خط میں تعلقات خانہ داری کی اس طرح شکایت کرتے ہیں ”سنو! عالم دو ہیں؛ ایک عالم دین اور ایک عالم آب و گل۔ عالم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے ”دلمن الملک الیوم“ اور پھر آپ ہی جواب دیتا ہے ”وہ لہذا احد القہار“ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارباب میں سزا پاتے ہیں؛ لیکن میں بھی ہوا ہے کہ عالم ارباب کے گناہگار کو دنیا میں بھی بکر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب سنہ ۱۲۸۵ میں رو بکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ دینی سدا ہوا تیرہ برس حالات میں رہا۔ ساتویں رجب سنہ ۱۲۸۶ کو میرے واسطے حکم دوام حبس (یعنی نجات) صادر ہوا۔ ایک ٹیری سیرک پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندان منتقل کیا؛ اور مجھے اُس زندان میں ڈال دیا۔ فکر نظم و فکر شغف ٹھیکریا۔ برسوں کے بعد میں جلیانے سے بھاگتا تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پانچ کالہ مجھے نکلتے سے بڑھائے؛ اور پھر اسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریبا ہے دوسٹرگیاں اور

آٹھ ٹیری سے مراد اہلیہ اور دوسٹرگوں سے مراد حسین علی خاں احمد باقر علی خاں جنگو مرزا نے ان کے والدین اصحابین خاں کی وفات کے بعد خود مرزاؤں کی طرح پوروش کیا تھا۔

بڑھادیں۔ پافوٹیری سے فکار، ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار، شقت مغزنی اور شکل بکھری۔ طاقت
 ایک قلم نازل ہو گئی۔ بے تیاہوں، سال گذشتہ بٹیری کو زادیہ زنداں میں چھڑے سے دونو ہتھکڑیوں کے بھاگا۔
 میرٹھ مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا، کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر کپڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگا
 بھاگوں کیا، بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھیے کب صادر ہو؟ ایک ضعیف سا انتقال ہے کہ اس
 ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوسے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں
 نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا۔ فرخ آں روز کو زخاۃ زندان دم + سوی شہر خزاں ذی ای براں بر دم
 ایک خط مرزا حاتم علی ریگ مہر کو انکی محبوبہ جنا جان کی تعزیت میں لکھا ہے اسیں لکھتے ہیں مدد آپ کا
 غم فرما رہا ہے۔ یوسف علی خاں عزیز کو پڑھوا دیا۔ انھوں نے جو میرے سامنے اُس مرحوم کا اور اچھا معاملہ
 بیان کیا یعنی اُسکی اطاعت اور تمکاری اُس سے محبت سخت ملال ہوا، منو صاحب شہر میں
 فردوسی اور فقرتیں حسن بھٹری اور خُشاق میں بہنوں یہ تین آدمی تین فن میں سر فرور ہو چکے ہیں۔ نثار
 کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بھٹری سے ٹکر کھائے عاشق کی خودیہ ہے کہ
 بہنوں کی ہٹھٹی نصیب ہو۔ بلی اسکے سامنے مری تھی تمھاری محبوبہ تمھارے سامنے مری بلکہ تم اُس سے
 بڑھ کر ہونے کے لیلی اپنے گھر میں اور تمھاری مشوقہ تمھارے گھر میں مری۔ بھی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں
 جیسے مرتے ہیں اُسکو مار کھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچے ہوں۔ عمر بھر میں ایک - ۲۰ - کو میں نے بھی مار کھا ہوا
 خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ نہ فرم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے۔ چالیس
 بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ با آنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا، اس فن سے میں یگانہ محض ہو گیا ہوں، لیکن کبھی
 کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں، اُسکا مرزا زندگی بھر نہ بھولوں گا۔ جانتا ہوں کہ تمھارے دل پر کیا گذرتی ہوگی

نمبر کر۔ اور بیکارہ عشق مجازی چھوڑو۔ سدی اگر ماضی گئی و جوانی بے عشق محمد میں ست و آل محمد
اللہ ماسوئے موس۔

ایک اور خط مرزا صاحب موصوت کو اسی چٹا جان کی تعزیت میں اس طرح لکھا ہے۔ مرزا صاحب!
ہم کو یہ باتیں پسند نہیں پینے پو برس کی عمر ہے۔ بچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدا ہی شباب
میں ایک مرشد کمال نے یہ نصیحت کی تھی کہ بھوکو نہ دو درخت منڈو نہیں، ہم منع فسق و فجور نہیں، پیو،
کھاؤ، مرنے آؤ، مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی کٹھی بڑا شہد کی کٹھی نہ ہو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔
کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ کرے کیسی اشک افشانی، کہاں کی مرنیہ خوانی، آؤ آدمی کا
شکوہ بھلاؤ، غم نہ کھاؤ۔ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چٹا جان نہ سی چٹا جان سی۔
میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی اور ایک قسط اور ایک حور ملی،
افاست جاو دانی ہے، اور اسی ایک نیکبخت کے ساتھ زندگانی ہے، اس تصور سے جی گھبرا رہا ہے، اور
کلیجہ تنہ کوڑا ہے۔ ہٹے ہٹے وہ خور و بخیرن ہر جا نیل، طبیعت کیوں نہ گھبرا نیل۔ دہی نہ مردیں کان اور
دہی طوبی کی ایک شاخ، چشم بدو دہی ایک حور۔ بھائی ہوش میں آؤ کیوں اور دل لگاؤ۔
زن نوکن اسے دوست ہر نو بہار کہ تقویم پار سینہ ناید ہ کار

مرزا حاتم علی بیگ مرنے اپنی تصویر مرزا کو بھیجی ہے اسکی رسید اس طرح لکھتے ہیں۔ علیہ مبارک
نظر اور ذرا ہوا۔۔۔ تمہارا علیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ فاست ہونے پر مجھ کو رنگ نہ آیا کسو اسٹے کر میرا تھکی
درازی میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر رنگ نہ آیا کسو اسٹے کہ سب میں جیتا تھا تو میرا
رنگت جیسی تھا اور دیدہ رنگ کی ستایش کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی ٹھکودہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر

سانچہ بچر جاتا ہے۔ ہاں عجک و رشک آیا اور میں نے خون جگر لگایا تو اس بات پر کہ دوا سی گئی ہوئی ہے۔ دوزخ یاد آگئے۔ کیا کہوں جی پر کیا گزری؟ بقول شیخ علی خیریں

نما و شترم بود ز دم چاک گریان
شرمندگی از حسرت و پشیمانی دارم

”جب ڈاڑھی سوچ میں بال سفید آگئے، تیسرے دن چوٹی کے اندھے گالوں پر نظر آنے لگے، اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے، ناچار سستی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی، مگر یاد رکھئے کہ اس بخونڈے شہر میں ایک درویہ ہے عام، کلا حائط، بیاطی، نیچہ بند، دھوبی، سقاء، بھٹیاری، مٹھہر، ڈاڑھی سر پر بال، فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔“

الغرض مرزا کے خطوط و درقات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جنہیں اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتیں مندرجہ منوں یہاں تک کہ بچہ و انسروگی کا بیان بھی اس قسم کی چھڑے خالی نہیں رہتا۔ منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں ”د بھائی صاحب! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا، یعنی ننگل کے دن ۱۔ بریج الاول کو شام کے وقت میری وہ چھچی کہ میں نے بچپن سے راج تک اسکو ماں سمجھا تھا اور وہ بھی مجھ کو بیٹا سمجھتی تھی۔ مگر نہی۔ آپ کو معلوم رہے کہ پرسوں میرے گویا نوادی مرے! تین بیٹھیاں، دادا، تین بچا، اور ایک باپ، اور ایک دادی، اور ایک دادا، یعنی اس مرحوم کے ہونے سے میں جانتا تھا کہ یہ نوادی زندہ ہیں اور اسکے مرنے سے میں نے جانا کہ یہ نوادی راج ایک بار مر گئے۔“

ایک ایسی ہی افسردہ تحریریں نواب امین الدین خاں کو لکھتے ہیں ”راج تم دو نو بجائی اس خانہ میں“

۱۰۔ یاں اس شر کے لکھنے سے یہ مراد تھی ہے کہ بینک مجھے موقع ملا برابر ڈاڑھی کا حق ادا کرتا رہا یعنی منہ اتارنا اور پھر کسی طرح خیر مند نہ نہیں ہوں "

شرف الدرد اور فخر الدرد کی جگہ ہو، میں لم لید ولم یولد ہوں۔

مزارقراں علی بیگ سالک کو خط میں لکھتے ہیں ”میں خدا سے بھی توقع نہیں، مخلوق کا کیا ذکر، کچھ بن نہیں آتی، اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں، بیخ و ذات سے خوش ہوتا ہوں، یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے، چونکہ مجھے یہ پتہ ہے کہ میں کون سا ہوں کہ لو غالب کے ایک اور جتنی لگی، بہت اتر آتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں، آج دور دور تک میرا جواب نہیں، لے اب تو فرضہ اردو کے جواب دے بیچ نہیں ہے کہ غالب کیا مڑا بڑا محمد مراد بڑا کا فرزا، ہم نے ازراہ قیسم درمیا بادشاہوں کو بعد ان کے جنت آرام گاہ دعوت نشین خطاب دیتے ہیں، چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلم و سخن جانتا تھا، سقر منقر اور ہادیہ زاویہ خطاب بخور کر رکھا ہے۔ آئے غم الدرد ببادر!! ایک ترصدا کا گریبان میں تھا، ایک ترصدا رنجوگ سارا ہے، میں اُن سے پوچھ رہا ہوں ”اجی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے اور غلام صاحب! آپ بلوچی اور انگریسیابی ہیں، یہ کیا بجزی ہو رہی ہے؟ کچھ تو اُگسو، کچھ تو بولو، بولو، کیا بچیا، بے عزت؟ کوٹلی سے شراب، گندمی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، مرآت سے دام، قرض لئے جاتا ہے یہ بھی تو سوچنا ہوتا کہاں سے دھکا،“

فتح دہلی کے بعد جو شہر میں سناٹا مہر گیا ہے اسکی کیفیت ایک خط میں منشی ہر گوبال قنوتہ کو اسطرح لکھتے ہیں ”صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہر دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر محبت و پیش آئے، شرکے، دیوان جمع کئے، اسی زمانے میں ایکادر بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست تھے اور منشی بنی بخش انکا نام اور حقیر تخلص تھا، انکا وہ زمانہ رہا، نہ وہ اشخاص، نہ وہ معاملات، نہ وہ اختلاط، نہ وہ انبساط، بعد چند

پھر دوسرا جنم ہو گیا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے، یعنی ایک خطائیں سے منشی
 بنی بخش صاحب کو بھیجا۔ اسکا جواب بھیجوا آیا۔ اور ایک خط تمھارا کہ تم بھی موسوم بنشی ہو گوا بن بخش
 بہت فتنہ ہو آج آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں اسکا نام بھی دلی اور اس محلے کا نام بھی بلی ماروں کا علاقہ ہے
 لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ دانشور ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر
 میں نہیں ملتا۔ کیا اسیر، کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں
 ایک خط میں نواب علاؤ الدین خاں کو لکھتے ہیں ”کل تمھارے خط میں دوبار یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلی
 بڑا شہر ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہونگے۔ اسے میری جان یہ وہ دلی نہیں ہے جس میں تم پیدا ہو
 ہو، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم نے علم تکمیل کیا ہے، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شہجان بیگ کی چوٹی
 میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے، وہ دلی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں، وہ دلی نہیں
 ہے جس میں ایسا دن برس سے متیم ہوں، ایک کپ ہے جس میں مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیش
 باقی سرسراہندہ۔ بادشاہ کے ذکر جوقبۃ السیف میں دو پانچ پانچ روپے مہینا پاتے ہیں۔۔۔۔
 امرا اہل اسلام میں اموات گنہ تو حسن ملیحان بہت بڑے باپ کا بیٹا ستر و پیر روز کا پیش دار۔ ستر روپے
 مہینے کا روزینہ دار بنکر نامرادانہ مر گیا۔ میرزا ناصر الدین باپ کی طرف سے پیر زادہ نانا اودھانی کی طرف
 سے امیر زادہ مظلوم مارا گیا۔ آتا سلطان بخشی محمد علی خاں کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے بیار پڑا
 نہ دوا نہ غذا، انجام کار مر گیا۔ تمھارے چچا کی سرکار سے تجھیز و تکفین ہوئی۔ اسیا کو پوچھو تو ناظر حسین
 جسکا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا اس کے پاس ایک پیسا نہیں، اس کے کی آمدنیس، مکان اگرچہ رہنے کو
 مل گیا ہے مگر دیکھئے چھپتا رہے یا ضبط ہو جائے۔ پڑھے صاحب ساری املاک بیچ کر اور خوش حال کر کے

بیکت مینی درد گوش بھرت پور تلے گئے۔ ضیاء الدولہ کی پانچ سو روپیہ کرائے کی املاک و گزشتہ کچھ
 بچہ قرنہ لگنی، تباہ و خراب لاہور گیا۔ وہاں پڑا ہوا ہے؛ دیکھے کیا ہوتا ہے۔ قعدہ کو نامہ قلم اور
 معجزہ اور بہادر گزشتہ اور تیرہ گزشتہ اور قرنہ لکرم دیش تیس لاکھ کی ریاستیں سٹ گئیں۔ شہر کی انہیں
 خاک میں مل گئیں، ہنرمند آدمی یہاں کیوں پایا جاسے۔ جو علما کا حال کل لکھا ہے وہ بیان واقع
 ہے۔ صلحی اور زبانی کے باب میں جو حرف مختصر میں نے لکھا ہے اسکو بھی سچ جانو،

بعض خطوں میں یاس و حسرت و اندر لگی اور دنیا کی بے ثباتی دے اعتباری کا بیان نہایت
 متوتر طریقے میں کیا ہے جس سے انکے خیالات معلوم ہوتے ہیں مثلاً

ایک خط میں لکھتے ہیں "ذات الہی زور پر ہے۔ پڑھاپے نے نکما کر دیا ہے۔ ضعف، استی، اکاہلی، اگر انکا
 رکاب میں پاؤ ہے۔ باگ پر اتھ ہے۔ پڑا سفر دور دراز پیش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں۔ خالی
 ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر؛ اور اگر باز پرس ہوئی تو سفر مقرر ہے اور ہادیہ زادہ ہے۔
 دوزخ جاوید ہے اور جہنم میں۔ ہاں کسی کا کیا اچھا شعر ہے

اب تو گھبرا کے بکتے ہیں کہ مر جائیگے مر کے بھی چین نہ پایا تو کہہ جائیگے

ایک دفعہ میں منشی ہر گوبال کو لکھتے ہیں "متم مشق سخن کرنے ہو ادبیل مشق تنایں متوق
 ہوں۔ برعلی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بیہ فائدہ اور مبہوم جانتا ہوں زلیست کہہ کر
 کو کچھ تھوڑی سی راحت دے گا رہے اور باقی ملکیت اور شاعری اور ساجی سب ترافات
 ہندوؤں میں اگر کوئی ادا ہو تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دنیا میں نام اور ہوئے تو کیا اور
 نام نہ تو کیا۔ کچھ معاش ہو اور کچھ محبت جسمانی؛ باقی سب وہم ہے۔ اسے یا ربانی۔ ہر چند وہم

وہم ہے مگر میں ابھی اسی پائے پر ہوں۔ شاید اُسے بڑھکر یہ پردہ بھی اُٹھ جائے! اور وہ ہشت اور محنت و راحت سے بھی گزر جاؤں۔ عالم پیرنگی میں گزریاؤں۔ جس نائے میں میں ہوں وہ تمام عالم بلکہ دو عالم کا پتہ نہیں۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دئے جاتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراسر ہے۔ جستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تو دو آیتھے غاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور ہوئے انکو شہرت سے کیا حاصل ہو کہ ہلکے ہو گا،

مرزا نے بعض اردو خطوں میں اور خاص کر اردو فقرہوں میں سجع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں ایسا التزام تعلقات بارود میں شمار کیا جاتا ہے خصوصاً اردو جو مقابلہ عربی یا سنسکرت وغیرہ کے ایک نہایت محدود زبان ہے وہ اس قسم کے نقش اور ساختگی کی تحمل نہیں سلیم ہوتی مگر مرزا نے جس قسم کی سجع عبارت اردو خطوں یا فقرہوں وغیرہ میں لکھی ہے اُس پر گرفتِ شکل سے ہو سکتی ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اردو زبانوں کی سجع نثر میں عموماً عیب ہوتا ہے کہ دوسرے فقرے میں جڑیلے فقرے کی رعایت سے خواہ مخواہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو یہی نقش اور اردو کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس لئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرا فقرہ سببِ لزوم بالایزم کے کم وزن ہو جاتا ہے مگر مرزا کی سجع نثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے دوسرا فقرے میں تقریباً ویسی ہی جے کٹنی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں اور یہ بات اسی شخص سے بن جاتی ہے جو باوجود خوش سلیقی اور لطیف طبیعت کے شاعری میں غایتِ درجہ کا کمال رکھتا ہو اور زبانِ تانیہ کی حاجت اور قول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ یہاں اسکی مثالیں لکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ مرزا کے اردو رقعات میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں مگر یہ معلوم ہے کہ کتنی عبارت مرزا نے

اُن غلوں میں لکھتے تھے۔ جن سے ہنسی باخراشت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا ورنہ
 واقعات کا بیان یا مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی شریعاری میں
 کرتے تھے مثلاً سید یوسف مرزا کو اُن کے باپ کی تعزیت میں لکھتے ہیں
 ”یوسف مرزا کو نہ تھک لو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا اور اگر لکھوں تو اُسے کیا لکھوں کہ اب کیا کر دو مہربان
 یہ ایک شیوہ فرسودہ اپنا سے روزگار ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں صبر
 کرو۔ اے! ایک کا کلیجہ کاٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکہ تڑپنے کا صلاح
 اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیامرا۔ پھر باپ مرا۔
 تجھے اگر کوئی پوچھے کہ بے سرو پا کس کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو۔ تمھاری وادی کی کھیتی
 ہیں کہ رانی کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو جو امزد ایک بار دو نو قیدوں سے چھوٹ گیا؛
 نہ قید حیات رہی، نہ قید فرنگ۔“

”انھیں کو بیٹے کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں ”اے میری جان! اے میری آنکھو!
 زہرا الیٰ طفلے کہ در خاک رخت چہ نالی کہ پاک آمد و پاک رخت
 وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ ابھی روح اور ابھی شمت لیکر آیا تھا۔ یہاں رہ کر گیا کرنا؟ ہرگز غم
 نہ کرو۔ اور اگر ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو خدا تم کو جیتا رکھے؛ اولاد بہت
 نانا، نانی کے مرنے کا ذکر کریں کرتے ہو وہ اپنی اہل سے مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بنی آدم کی
 میراث ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی اُرد بکھرتے۔ ہاں مظلّم اللہ کا
 غم منجّر واقعات کو بلا سے مٹا ہے۔ یہ داغ جیتے جی نہ مٹے گا۔“

مرزائے چند تقریظیں اور دیباچے بھی اردو زبان میں لکھے ہیں اور ان سب میں مستحج و مستحق عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے اردو خطوں میں پائی جاتی ہے وہ ان تقریظوں اور دیباچوں میں نہیں ہے؛ خصوصاً سچ کی رعایت نے ان میں اردو اور تصنیف کا رنگ زیادہ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن مرزا کو ان میں معذور سمجھنا چاہئے؛ جو لوگ تقریظوں اور دیباچوں کی ضمانت کرتے تھے وہ بغیر ان تحفاتی بارود کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے۔ جو طریقہ اس زمانے میں اردو لکھنے کا نکلا ہے اس کو اب بھی بہت کم لوگ پسند کرتے ہیں اور مرزا کے وقت میں تو اس کا کہیں نام و نشان بھی تھا۔ یا ایمنہ انیس سے بعض شریں مرزا کی روش خاص میں نہایت ممتاز ہیں خصوصاً وہ دیباچہ جو انھوں نے مفتی میر لال صاحب کی کتاب سراج المعرفۃ پر لکھا ہے اس میں جس خوبی اور متانت سے تصنیف کے اعلیٰ خیالات ظاہر کئے ہیں اس کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں تصنیف کے اعلیٰ خیالات نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد ایسی عمدہ شریں کسی نے نہیں لکھے۔

کتاب سراج المعرفۃ جس پر مرزائے دیباچہ لکھا ہے۔ انیس مفتی میر لال نے مرحوم بہادر شاہ کے ایام سے تمام اشغال وادکار جو انحضرت کے زمانے سے اس وقت تک سینہ بسینہ یا سفینہ بسفینہ چلا آئے تھے۔ ایک جگہ جمع کئے تھے۔ مرزائے اپنے دیباچے میں دکھایا ہے کہ ان اشغال وادکار کو معرفت الہی میں کیا دخل ہے؛ اور کیونکر ان کے ذریعے سے توحید و جدوتی تک سالک کی رسائی ہو سکتی ہے۔ دیباچہ مذکور کا اول و آخر کا حصہ چھوڑ کر صرف وہ مقام جس میں مرزائے مذکور بالا مقصد کو بیان کیا ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مرزا لکھتے ہیں کہ وہ حق یوں ہے کہ حقیقت اندر سے مثال ایک نامور ہم عجیب یہ سرسبز ہے کہ جس کے

عنوان پر لکھا ہے ”لا توترقی الوجود الا اللہ“ اور خط میں مندرج ہے ”لا موجود الا اللہ“ اور اس خط کا لائے والا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ آور نام اور ہے کہ حیرت رسالت ختم ہوئی، ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہیں؛ اناری، افعالی، صفاتی، ذاتی۔ انبیائے شہیں صلوات اللہ علیہ نبینا وعلیہم اعلانِ راجح سہکانہ پر مامور تھے۔ خاتم الانبیا کو حکم ہوا کہ حجابِ تعینات اعتباری اٹھا دیں؛ اور حقیقتِ نیرنگی ذات کو صورتِ الان کماکان میں لکھا دیں اب گنجینہ سرفراز امت محمدی کا سینہ ہے؛ اور کلمہ لا اکرالا اللہ مفتاح بابِ گنجینہ ہے۔ نہ کہ عامہ یونین کہ وہ اس کلام سے صرف نفیِ شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں اور نفیِ شرک فی الوجود جو اصل مقصود ہے انکی نظر میں نہیں۔ مگر جب لا اکرالا اللہ محمد رسول اللہ کہیں گے اسی توحید ذاتی کے عقائد کی تہ نگاہ پر آئیں گے یعنی ہماری اس کلمے سے وہ مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت ہے شفاعتِ محمدی کی، اور یہی معنی ہیں رتہ للعالمین ہونے کے، اور یہی مقام سے ناشی ہے یہ ہے ریح افزائے ”من قال لا اکرالا اللہ دخل الجنة“

تفہم اگرچہ دیکھنے میں دوزبان ہے لیکن وحدتِ حقیقی کا راز داں ہے، گشتگوی توحید میں وہ لذت ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی تڑپا دے اور تڑپا دے۔ نبی کی حقیقت خود جہتیں ہے۔ ایک جہت خالق کہ جس سے اخذ فیض کرتا ہے اور ایک جہت خلق کہ جس سے فیض پہنچاتا ہے۔

نبی را دو وجہ است دلجو سے خلق : یکے سوی خالق یکے سوی خلق

بدان وجہ از حق بود مستفیض : بدیں وجہ بر خلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے کہ ”الولاية افضل من النبوة“، معنی اسکے صافات اور ازادوں کے انصاف ہیں

کہ ولایت بنی کی وہ وجہ الی الحق ہے افضل ہے نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے۔ نہ یہ کہ ولایت علم
 افضل ہے نبوت خاص سے۔ جس طرح بنی مستفیض ہے حضرت الوہیت سے اسی طرح ولی
 مستفیر ہے انوار نبوت سے۔ مستفیر کی تفصیل منیر پر اور مستفیض کو ترجیح معفیض پر ہرگز معقول اور
 عقل اسکے نزدیک مقبول نہیں۔ اب وہ ولایت کہ خاصہ بنی تھا نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی مگر وہ
 فرغ کہ افادہ کیا گیا ہے مشکوٰۃ نبوت سے ہنوز باقی ہے نقل و تحویل ہوئی چلی آتی ہے اور چراغ کے
 چراغ جلتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ سراج ایزدی تاصح طور قیامت روشن رہیگا۔ اور اب اسی کا نام
 ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو ارشاد
 اکبر لا الہ الا اللہ مشہور و عیون ایمان اُمت اور منظور نظر اکابر ملت ہوئی ہے۔ مگر وہ بات اب
 کہاں کہ ایک بار لا الہ الا اللہ کے اور دل نور معرفت سے منور ہو جاوے۔ اور وہ ضامن ہر دست
 کہاں کہ قائل لا الہ الا اللہ کو اگر چہ اسکے معنی اچھی طرح نہ سمجھا ہو قد مگاہ توحید پر قائم کر دے بنی
 رسول مقبول واجب التظیم قائل انا احمد بلا یم علیہ النجۃ والتسلیم۔ اب سعادت بقدر ارادت ہے
 اور راحت بعد جرات۔ سچ بھی تو ہے؛ آدمی کیونکر سمجھ سکے اور بطلان بدہیات کے جوڑ پر
 اسکا کیونکر تسلی ہو؛ یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و جوار و جبال اسی میں ہیں نہایت بڑا
 محض جان سے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔

اے کردہ بہ آرائش گفتار بیچ در زلف سخن کشودہ راغوم و ترجیح

عالم کہ توجیز دیگرش سے دانی ذاقیت بسط تنبسط دیگر بیچ

جب اولیاء مانند منے۔ کہ وہ اعیانہ روحانی ہیں۔ دیکھا کہ نفوس بشری پر وہم غالب ہے اور سبب

استیلا و دہم کے مشاہدہ و وحدت ذات سے محروم رہے جاتے ہیں؛ ہر خبیث انکو سمجھائیں گے،
 راہِ برہنہ آئینگے۔ ناچار اشتغال و ادکار وضع کئے تا قوت تحصیل آہیں اٹھی رہے اور رفتہ رفتہ بخیر و
 طاری پہنچا دے۔ وحدت وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ نہ اور ہم اسکو بخیر یا تب تکلف ثابت
 کیا چاہتے ہوں۔ دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست ۛ

دہم صورت گری اور پیکر تراشی کر رہا ہے اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے پس جب وہ دہم مشغول ذکر
 کی طرف مشغول ہو گیا بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری اور پیکر تراشی سے منہ زول ہو گیا۔
 بخیری اور بخودی چھا گئی اور وہ کیفیت جو توحیدین کو بحیرہ غم حاصل ہوتی ہے اس شغل کے
 نفس کو بخودی میں آگئی۔ ایک دریا میں جان کر کودا؛ ایک کو کسی نے غافل کر کے ڈھکیں مارا۔
 انہماک دونوں کا ایک ہے وہ لوگ جو وحدت وجود کو سمجھ لیں یہ میں نہیں کتا کر نہیں ہیں؛ مگر اس
 کم ہیں، اور مخفی ہیں، اور کہیں کہیں ہیں۔ اور ایسے نفوس کہ جو کب حالت بخودی کے وسط
 محتاج اشتغال و ادکار ہیں؛ بہت میں بلکہ بے شمار ہیں۔

نظم و شرفارسی

فارسی لٹریچر میں ایشیائی مذاق کے موافق جو دستگاہ مرزا نے ہم پہنچائی تھی اور فارسی نظم اور فارسی شہر و دیو میں جو بلند پایہ انھوں نے حاصل کیا تھا۔ اسکو اس زمانے میں کما حقہ لوگوں کے ذہن نشین کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ جبکہ اس زمانے میں جب بہت سے سخن سنج اور نکتہ پرور موجود تھے۔ مرزا ہمیشہ زمانے کی ناقدر دانی کی شکایت کرتے تھے؛ تو اب کیا امید رکھتے ہیں کہ لوگوں کو انکی قدر بتائی جاسکے۔ جسے اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ انکے ہمت کے کلام میں سے کچھ کچھ بطور نمونے کے پبلک کے سامنے پیش کر دیں؛ اور چونکہ فارسی زبان سے ملک میں عموماً اجنبیت ہو گئی ہے اسلئے جہاں جہاں ضرورت دیکھیں مرزا کے کلام کی شرح بھی کرتے جائیں۔ اس سے شاید یہ فائدہ ہو کہ مرزا کی قوت تخیل میں جو غیر معمولی اُچکھ اور پرواز قدرت کے ودیعت کی تھی۔ سمجھ و ادراک اسکا کسی قدر اندازہ کر سکیں؛ لیکن زبان اور بیان کی خوبی جو اب وجدانی چیز ہے اور جسکے نقاد اور جوہری ملک میں کم یا ب بلکہ نایاب ہیں۔ اسکی نسبت صرف مرزا کا فصیح و بلیغ شعر لکھنا کافی معلوم ہوتا ہے۔

بیاد و یاد گرایں جا بود زباندے
غریب شہر سخن ہا سے گفتنی دارد

ابستہ ایک مختصر مرزا کے متعلق یہاں بتا دینا ضرور ہے جو انکا کلام دیکھتے وقت یاد رکھنا چاہئے۔ اگرچہ مرزا کو فارسی زبان میں (خواہ نظم ہو خواہ نثر) ہر قسم کے مضامین بیان کرنے پر ایسی ہی قدرت حاصل تھی جیسی کہ ایران کے ایک بڑے سے بڑے شاعر و ماہر و مسلم الثبوت استاد کو ہونی چاہئے۔

لیکن جس طرح تمام ممتاز اور نامور شعرا میں خاص خاص مضامین کے ساتھ زیادہ مناسبت
 دیکھی گئی ہے۔ اسی طرح مرزا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ تصوف و حب اہل بیت، فخر، شہرہ،
 طرافت و رزمی و بیباکی، بیان بیخ و مضیبت و نکایت و زارنالی، اظہار محبت و مہر و دی،
 حسن طلب، یہ چند نئیہ ان ایسے تھے جنکا بیان مرزا کے تمام اصناف سخن میں اکثر نہایت
 لطیف و راجح و مرقس واقع ہوا ہے۔ بیشک یہ بات انکے عشقیہ مضامین اور اخلاق و موعظت کے
 بیان میں عام طور پر نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ عشق و محبت اور تمام تعلقات و معاملات عاشق و معشوق
 کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ محض نچرل سادگی اور بے تکلفی چاہتا ہے اور شاعرانہ محنت سے۔
 جبکہ مرزا نے جا بجا شاعری کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ادا کرتا ہے۔ برحقان اس کے مرزا اصناف
 کلام میں اپنی مصطلح شاعری کا سرشتہ ماتر سے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے (الامامہ اندام) اسی لئے
 انکے عاشقانہ اشعار میں باوجود کمال جزالت اور سادگی کے وہ گرمی اور تاثیر جو شعر کی جان
 اور غزل کا ایمان ہے عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ اخلاق و موعظت کا بیان بھی اسی لئے
 موثر اور دل دلاؤ پر نہیں ہے کہ وہ جب تک نہایت سادہ اور صاف اور شاعرانہ تکلفات سے پاک نمود کو
 میں گھرنیں کر سکتا۔ مگر اس سے مرزا کی استاد میں کچھ فرق نہیں تھا جب سعدی کی رزم کی نسبت
 کہا جاتا تھا "کریں شیوہ ختم ست بردگراں" اور اس کا قصیدہ بھی بہت پست سمجھا جاتا تھا۔ اور
 بایں سعدی کی استاد کو سب نے تسلیم کیا۔ تو مرزا کے خاص قسم کے بیانات کی نسبت ایسا کہنے
 سے مرزا کی استاد میں کیونکر فرق آسکتا ہے۔ یہ مبزل جو ہم نے مرزا کے کلام کی نسبت بتائی ہے
 اسکو انکے کلیات نظم و نثر میں جانچنا چاہئے؛ نہ انتہائی اشعار میں جو اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔

مرزا کی فارسی شاعری اور فارسی انشا پر دہری کے متعلق یہ بات قابل غور ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جنہوں نے پچاس برس تک مرزا کو ایک ایسے فن کی تکمیل اور انہیں ترقی کرنے پر مستعد و سرگرم رکھا جبکہ زمانے میں کوئی قدر دان نہ تھا۔ انکے مدوح زیادہ تر مجلس گورنمنٹ کے ارکان و اعیان تھے۔ جو فارسی زبان اور خاص کر فارسی شاعری سے محض اجنبی تھے، یا بادشاہ اور سلاطین و امرا و رؤسا تھے۔ جبکہ مرزا کے فارسی قصیدے پڑھنے اور سمجھنے کی نہ فرصت تھی نہ منزلت۔ وہ محض۔ جبکہ قصیدہ انوری و خاقانی کے قصیدوں سے نگر کھائے، جبکہ غزل علی و طالب کی غزل سے سبقت لے جاتے، جو رباعی میں عمر خیام کی آواز میں آواز ملائے اور جس کی نثر کے آگے ابو الفضل اور ظہوری کی نثریں پھسکی اور بے مزہ معلوم ہوں۔ اسکو بہادر شاہ کی سرکار سے صرف پچاس روپیہ ماہوار ملتا تھا؛ اور وہ بھی چھ سات برس سے زیادہ نہیں ملا۔ گورنمنٹ کے ارکان و اعیان کی مح کے جلد دیں مرزا کو اس عظمت کے سوا کبھی کچھ نہیں مرحمت ہوا جو نور افروز تھ ہو کر سرکاری چیپرسوں کے انعام میں صرف ہو جاتا تھا۔

مرزا کے ماننے والے اور انکے فارسی کلام پر ایمان بالغیب کھنے والے بلاشبہ ملک میں ممتاز تھے؛ مگر ایسے خوش اعتقادوں کی کثرت اور انکی تحسین و آفرین سے شاعر کا دل ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ پس جبکہ مدوحوں کی قدر دانی کا وہ حال ہو؛ اور ماحسین کی مح سرائی کا یہ رنگ؛ تو پھر کیا چیز تھی جبکہ مرزا کی اصلی اور حقیقی ترقی کا باعث قرار دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ شاعر کے دل میں اصلی ترقی کا دلولہ نہ سلاطین و امرا کی داد و دہش سے پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خوش اعتقاد شاگردوں یا ہندوؤں کی کثرت سے؛ بلکہ اس کا دل بڑھانے والی صرف دو چیزیں ہیں۔ جو خواہی خواہی اسکو ترقی کرنے

بمبیر کرتی ہیں: اولاً سبق، استعداد اور فطری قابلیت جبکا اقتضایہ ہے کہ اگر تمام عالم میں ایک
 فرد دان یا مخاطب صحیح نہ تو بھی وہ اپنے جوہر ظاہر کئے بغیر نہیں رہتی، جس طرح مورخا ویرانے
 میں ہوا درخواہ آبادی میں اسکو مستی اور نشاط کے عالم میں ناپنے سے گزیر نہیں اسی طرح وہ شاعر جو
 اس کے ہیٹ سے شاعری پیدا ہوا ہے بغیر اس کے کہ ملک میں کوئی اسکی قدر کرے یا اس کے کمال کی
 داد دے اپنے ہنر کی تکمیل میں ماتہ پاؤں مارے بغیر نہیں رہ سکتا، دوسرے اس فطری ملک کا ترکیب
 دینے والا اور اس آگ کا پتھر سے نکالنے والا اس بات کا یقین ہے کہ سوسائٹی میں کچھ لوگ فی الحقیقہ
 سخن فہم و سخن سنجہ وجود ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں فارسی زبان کا چراغ مدت سے ٹھہرا تھا اور فارسی شاعری کی عمر طبعی
 زقن نام کے قریب پہنچ چکی تھی، مگر سخن اتفاق سے اس اخیر دور میں چند صاحبان فضل و کمال
 خاص دار الخلافہ دہلی میں ایسے پیدا ہوئے تھے جو علم و فضل کے علاوہ شعر و سخن کا مذاق بھی اعلیٰ
 درجے کا رکھتے تھے۔ ان چند صاحبوں سے میری مراد مولانا فضل حق خیر آبادی ثم الدہلوی، مولانا
 مفتی محمد صدر الدین خاں مخلص بہادر، مولوی عبداللہ خاں علوی، مولوی امام بخش مہتابی،
 حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفیٰ خاں حسرتی، نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر، سید غلام علی
 دشت وغیرہ ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کا مزرا کے عصر میں موجود ہونا انکی شاعری کے حق میں
 جینا یا تھا جیسا عرفی و نظیری کے حق میں خاناناں، ابوالفتح، فیضی، اور ابوالفضل کا ان کے
 زمانے میں ہونا۔

اگرچہ ان بزرگواروں میں بعض اصحاب ایسے بھی تھے جو ظاہر مزرا کی شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے،

لیکن چونکہ یہ سب لوگ سخن فہم اور سخن سنج تھے اس لئے جس طرح قدر دانوں کی تحسین، افزون سے
مرزا کا دل بڑھتا تھا اسی طرح نکتہ چینیوں کے خیال سے انکو چونک بچونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا!
اور انکے دل پر اپنا نقش بٹانے کے لئے انہار کمال میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی۔ اور سچ
قدر دان اور نکتہ میں دونوں کی ترقی کے باعث تھے۔

مولانا فضل حق با اینہم علم و فضل مرزا کو جس رتبے کا شاعرانہ تھے اسکا اندازہ حکایت خیال
سے ہو سکتا ہے۔ مولانا کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ناصر علی مرہندی کے کسی شعر کے
معنی مرزا صاحب سے جا کر پوچھے۔ انھوں نے کچھ معنی بیان کئے۔ اُسے وہاں سے آکر مولانا سے
کہا: ”آپ مرزا صاحب کی سخن فہمی اور سخن سنجی کی اس قدر تعریف کیا کرتے ہیں، آج انھوں نے
ایک شعر کے معنی بالکل غلط بیان کئے، اور پھر وہ شعر چڑھا، اور کچھ مرزا نے اُسکے معنی کہے تھے
کئے۔ مولانا نے فرمایا پھر ان معنوں میں کیا برائی ہے؟ اُسے کہا برائی تو کچھ ہو یا نہ ہو مگر ناصر علی کا یہ تصور
نہیں ہے۔ مولانا نے کہا اگر ناصر علی نے وہ معنی مراد نہیں لئے جو مرزا نے سمجھے تھے اُسے سنت غلطی کی۔
مرزا نے ایک غزل کے مقطع میں اپنے تئیں کم از کم شیخ علی خرب کا مثل قرار دیا ہے اور وہ
مقطع یہ ہے۔

تو میں شیوہ گفتار کردار غائب گزرتی گسٹم شیخ علی رامانی
مومن خاں مرحوم نے جس وقت یہ قطع سنا اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ ہمیں بالکل مبالغہ نہیں
ہے۔ مرزا کو ہم کسی طرح علی خرب سے کم نہیں سمجھتے۔
ایک صاحب نے جو مومن خاں مرحوم کی تعلیموں سے خوب واقف تھے یہ حکایت سن کر کہ انہوں نے

یہ اسلئے کہا کہ وہ اپنا رتبہ یقیناً شیخ علی خیریں سے برتر و بلند تر سمجھتے تھے ورنہ وہ ہرگز مرزا کو شیخ کے برابر تسلیم نہ کرتے۔

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم ہمیشہ مرزا کو ظہوری و عرفی کا ہمسایہ کہا کرتے تھے اور مصائبِ کلیم وغیرہ سے اُن کو بڑا تائب برتر اور بالاتر سمجھتے تھے۔ نواب فیض الدین خاں کا مرزا کی نسبت یہ قول تھا کہ ہندوستان میں فارسی شعر کی ابتدا ایک ترک لاجپن (یعنی امیر خسرو) سے ہوئی اور ایک ترک ایک (یعنی مرزا غالب) پر اسکا خاتمہ ہو گیا۔ سید غلام علی خاں وحشت مرزا کی نسبت کہتے تھے کہ اگر شخص عربیہ کی طرف متوجہ ہو جاتا تو عربی شعریں دوسرا متبلیغی یا ابوتامام ہوتا، اور اگر انگریزی زبان کی کسبیل کرتا تو انگلستان کے مشہور شاعروں کا مقابلہ کرتا۔

مولانا آزاد بڑے بیشک مرزا کی طرزِ خاص کو جو انھوں نے ابتدا میں اختیار کی تھی ناپسند کرتے تھے؛ اور جو خیال کہ ابتدا میں مرزا کی نسبت مولانا کے خاطر نشین ہو گیا تھا وہ اخیر تک اُسکے دل میں کسی نہ کسی قدر باقی رہا۔ چنانچہ مرزا نے جو ایک فارسی قصیدہ مولانا مدوح کی شان میں لکھا ہے اُس میں اس مضمون کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے کہ مولانا انکی شاعری کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ قصیدے کی تمہید میں اپنے مصائبِ الّام و شکایتِ روزگار و یرغور کا بیان ہے؛ اُسکے بعد صبح کی طرف اس طرح گزیر کرتے ہیں۔

خواجه گرانہ گسارِ من بندہ۔ واسے سن	باچنیں اندہ کہ پُر غنیمت و دل خالی نشد
متفق گردیدہ راسے بو علی باراسے سن	انکہ در کیا بُی دے در غنِ مسر زانگی
بزرگارد عقلِ فحاش "دکرم فرماے سن"	انکہ چوں خواہد بنامش نامہ نامی ساقی

دل میں مصغم نیا سا یہ سخن کوہ کینہ۔
 آنکہ ننگِ ادست بودن سخن بہتا ہے سن
 یعنی برو علی سینا کا ممدوح کی یمتائی پر میرے ساتھ اتفاق رہے کرنا اور عقلِ فعال کا اسکوہ اور سوا
 سن، لکھنا یہ سب باتیں اسکی مع کے لئے کافی نہیں ہیں؛ مقرر یہ کہ وہ ایسا شخص ہے کہ شعر میں
 بے تحاشہ جیسے شخص کا ہر سہر و جہتا ہونا بھی اسکے واسطے موجبِ ننگ و عار ہے، ہمیں قطع نظر اسکے کہ
 ممدوح کی اور اس سے بھی زیادہ اپنی قرین ایک نہایت لطیف پیرائے میں بیان کی ہے یہاں
 بات کا بھی اشارہ ہے کہ ممدوح میری شاعری کو پسند نہیں کرتا۔

مرزا کی وفات سے چھ سات برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک روز نواب حسرتی کے مکان پر
 جبکہ راقم بھی وہاں موجود تھا۔ آزر وہ اور غالب اور بعض اور مہمان جمع تھے؛ کھانے میں پرخلیا
 فارسی دیوانِ غالب کے کچھ اوراق پڑے ہوئے مرزا کی نظر پڑ گئے۔ ان میں ایک غزل تھی جس کے
 مقطع میں اپنے منکروں کی طرف خطاب کیا تھا۔ اور جسکا مطلع یہ ہے۔

نشاہ سوزیاں از شرابِ جاہر تست فسونِ بابلیاں فصلے از فادہ تست

مرزا نے وہ اوراق اٹھائے اور مولانا آزر وہ سے مزاج کے طور پر کہا ”دیکھئے کسی ایرانی شاعر نے کیا
 زبردست غزل لکھی ہے“ یہ لکھر غزل پڑھنی شروع کی۔ اول کے دو تین شعروں کی مولانا نے
 تشریح کی؛ مگر پھر بعض قرائن سے سمجھ گئے کہ مرزا ہی کا کلام ہے۔ مسکرا کر جیسی کر آؤکی عادت تھی کہ
 لگے ”کلام مربوط ہے گو تو آؤ تو ز کلام معلوم ہوتا ہے“ سب حاضرین ہنس پڑے۔ جب مقطع کی زبرد
 آئی۔ مرزا نے مولانا کی طرف خطاب کر کے در ذاک آواز سے یہ مقطع پڑھا۔

تو ایک موم سخن گسترانِ پیشینی مباحثِ منکر غالب کہ در زبانت

اسوقت سب لوگ بہت متاثر ہوئے اور مولانا زندہ و شراب کا خوش ہو رہے۔

دہستانی اور علوی بھی چونکہ مرزا بیدل کا متبع کرتے تھے اور مرزا قاتل نے اُس طریقے کو بالکل چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ مرزا کو اور مرزا انگو کو مانتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ تمام گردہ خن فہموں اور خن خجوں کا تھا اور شاعر دل میں اکثر اکیلے دوسرے سے منٹ بھیر ہوتی۔ یہی تھی۔ مرزا کو اپنے خیالات کی اصلاح اور اپنے اشعار کی تہذیب و تنقیح میں زیادہ کوشش کرنی پڑتی تھی اور یہی اُن کی اصلی ترقی کی بنیاد تھی۔

غزل معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے فارسی غزل بھی قول مرزا بیدل وغیرہ کی طرز میں کشیدگی کی تھی چنانچہ قسم کی بہت سی غزلیں انکے دیوان میں اب تک موجود ہیں مگر نہ رستہ یہ طرز بیتی گئی اور آخر کار عرفی، ظہوری، نظیری، اور طالب آملی وغیرہ کی غزل کا رنگ مرزا کی غزل میں پیدا ہو گیا۔ وہ اپنے فارسی دیوان کے غاتو میں لکھتے ہیں جبکہ ترجمہ یہ ہے در اگر طبع طبیعت ابتدا سے نادر اور برگزیدہ خیالات کی جویا تھی لیکن آزادہ روی کے سبب زیادہ تر اُن لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو اب سے نابالہ تھے۔ آخر جب اُن لوگوں نے جو اس راہ میں پیشہ دتھے۔ دیکھا کہ میں باوجود کیا انکے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور پھر بے راہ بہکتا پھرتا ہوں؛ انگو میر سے حال پر رحم آیا اور آنتوں نے مجھے مزینانہ نگاہ ڈالی۔ شیخ علی خرمی نے مسکرا کر میری بے راہ روی مجھ کو بتائی۔ طالب آملی اور عرفی شیرازی کی غضبناک و نگاہ نے آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا مادہ جو مجھ میں تھا اسکو قہا کر دیا۔ ظہوری نے اپنے کلام کی گیرائی میر سے بازو پر تو بیاد میری کر پڑا وہاں بانہا اور نظیری نے اپنی خاص روش پر چلنا مجھ کو سکھایا۔ اب اس گردہ والا شکوہ کے فیض تربیت سے میرا کلک رقص چال میں لکے ہے تو راگ برستیاں

بلوے میں ملاوس ہے تو پرواز میں عثقا

مرزا کے اس بیان سے پایا جاتا ہے کہ وہ غزل میں خاص نظیری کی روش پر چلتے تھے، مگر انکی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکی غزل میں نہ صرف نظیری بلکہ عرفی، ظہوری، طالسابل، اہلال اسیر اور انکے دیگر متبعین کی غزل کا رنگ علیٰ اعموم پایا جاتا ہے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ تصنیف کا عصر مرزا کے کلام میں نظیری سے کچھ کم نہیں ہے۔ انکی غزل بلاشبہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسب کہتی ہے لیکن طرز بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت نہیں معلوم ہوتی۔

ناظم ہروی کی چند بیئیں مشہور ہیں جن میں عنقریب سے لیکر جامی تک ہر زمانے میں جو شاعر سربراہ ہوا ہو اس کا نام لیا ہے۔ انکے آخر میں مرزا نے ایک بیت اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ چونکہ اصل نظیری اور آسپر مرزا کا اضافہ فائدہ سے اولیٰ طے سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم اسکو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب ہے۔

شہد عنقریب شاہ صاحب سخن	نشدیم کو در دور گاؤں کسن
بہ فرودوسی آمد کلاہمی	چو اورنگ از عنقریب شد متی
بہ حنا قانی آمد بایں سخن	چو فرودوسی اور دسر در کفن
نظامی بہ ملک سخن شاہ گشت	چو قاتانی از در قاتی گذشت
سہ چتر دانش سعدی رسید	نظامی چو جام اہل در کشید
سخن گشت برفرق خسرو تار	چو اورنگ سعدی فرود شد زکار
ز جامی سخن را تمامی رسید	ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید

اسکے بعد جو کئی ناظم کے بیان میں مدہ گئی تھی اُسکو مرزا نے یوں پورا کیا ہے

”زجاجی بہ عرفی و مطالب رسید ز عرفی و طالب بہ غالب رسید“

اگرچہ مرزا نے بیدل اور اُنکے متبعین کی زبان اور اُنکے انداز بیان میں شعر کنا بالکل ترک نہ کیا تھا اور اس خصوص میں وہ اہل زبان کے طریقے سے سربموجا و نہ نہیں کرتے تھے مگر خیالات میں بیدیت مدت تک باقی رہی۔ لیکن آخر کار تغزل میں بے استحالہ لٹاؤ اور صفائی پیدا ہو گئی تھی، ہم اس مقام پر اپنی غزلیات میں سے زیادہ ترمان صاف اور کسی قدر وہ اشعار بھی نقل کرینگے جنکے بغیر مرزا کی طرزِ تخیل اور اُنکے شعر کی خصوصیت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

انتخاب غزلیات فارسی

شاہد حسن ترا در روش دلبری طرہ پُر خم صفات موی میاں ماسوا

یعنی اگر تیرے حسن کو مثل شاہد ان مجازی کے ایک شاہد قرار دیا جائے تو اُسکا طرہ پُر خم کیا ہوگا؟ صفات اُنسی۔ اور اُسکا موی میاں کیا قرار پائیگا؟ ماسوی اللہ شعراے متفوقین صفت اُنسی کو اکثر زلف دگسیو اور طرہ و کاکل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ ماسو سے اللہ کو موقوفہ معدوم محض جانتے ہیں اور مشوق کی فکر کو عشاق معدوم قرار دیتے ہیں۔ اس لئے شاہد حسن حقیقی کی فکر ماسو کے کو قرار دیا ہے۔

آب نہ بخشی بزر خون سکندر ہزار جاں نہ پذیری بیچ نقد خضر ازار

ہزار بینی حلال۔ مشور ہے کہ سکندر آبِ حیاں کی تلاش میں گیا تھا مگر نام نہاں کہتا ہے کہ تو زخم

سے کسی کو پانی نہیں دیتا؛ پس اگر سکندر آبِ حیات کے ترلنے کے سبب ہلاک ہو جائے تو ہو۔
دوسرے مصرع میں خدا کی بے نیازی کا بیان ہے؛ یعنی حضرت جان جیسی عزیز چیز مفت نہ کر رہا ہے
مگر تو اسکو قبول نہیں کرتا؛ اور اس لئے اسکو کسی طرح موت نہیں آتی۔

بزمِ تراشع و گلِ خشکِ بو تراب سازِ ترا زیرِ دیمِ واقفِ کربلا
یعنی تیرے ہاں وہی سب سے زیادہ مقرب اور برگزیدہ ہیں جو سب سے زیادہ مشاعرِ حواش
مصائب و آلام ہیں۔

سادہ ز علم و عمل مہرِ تو در زیدہ ام سستی ما پائدار بادۂ مانا نشستا
مانشا نہ از تھر رہنا اور کچھ نہ کھانا نہ پینا۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ گویں نے شراب کا ایک قلو
نہیں پیا گونٹے میں ہر وقت چور رہتا ہوں؛ یعنی گو علم و عمل کچھ نہیں دکتا مگر تیری محبت میں شاپہ
قطعہ

۱۔ اسے خاکِ درت قبلہ جانِ دلِ غالب کز فیضِ تو پیرایہ ہستی ست جہاں
۲۔ تا نام تو شیرینی جانِ ادہ گفتن در خویش فرو بردہ دل از مہرِ زباں
یعنی آنحضرت کا نام بہارک لینے سے زبان میں ایسی شیرینی اور حلاوت پیدا ہوئی کہ دل نے پیارے
اسکو اپنے اندر اتار لیا۔

ماہِ ماہِ گرم پروازِ فغن از ما جوے سایہ بچوں دود و بالاسے رود از بال
یعنی ہماری پرواز میں اس قدر گرمی ہے کہ جس طرح دھواں آگ کے اوپر ہی اوپر جاتا ہے اسی طرح ہمارے
پروں کا سایہ بچے نہیں پڑتا بلکہ دھوئیں کی طرح پروں کے اوپر اوپر جاتا ہے۔

نہیں

حال ما از غیری پرستی می یریم آگئی بارے کہ آگہ نیستی از حال ما
یعنی توجہ ہمارا حالِ نیر سے پوچھتا ہے ہم اسی بات کے شکر گزار ہیں بنیت ہے کہ تو اس بات سے
تو نگاہ ہے کہ تجھ کو ہمارے حال کی خبر نہیں۔

رہے

قصہ

چھوٹا

چھوٹا

چھوٹا

چھوٹا

چھوٹا

دل یوں تسکینِ دن میتواں دن چہ امیدست آخر خضر وادرسین سیمارا
خطے برہستی عالم کشیدیم از مژدہ بستن ز خود رقیتم و مسم بانوشتن بن چہ بنبارا
وقف تاریخ غم تست چہ پیدا چہ نہاں ہجو رنگ از رخ مارفت دل از سینہ ما
جوئے از بادہ و جوئے ز غسل دار غلبد لب لعل قوم اس است ہم آفت مرا
خار ہا از اثر گرے ز قارم سوخت بنتے بر قدم راہ رواں ست مرا

یعنی ماہ کے تمام خار و خش میری گرمی ز قار سے جل گئے ہیں؛ پس لگیروں کے قدم پر میرا احسان ہے
کرائے لئے میں نے۔ ستہ باطل صاف کر دیا ہے۔ یہ تمام مشنوں استعارے میں بیان ہوا ہے مطلب ہے
کہ نازک خیالی کے طریقے میں جو اُلجھاؤ تھے وہ سب میں نے اس طریقے پر چل کر دور کر دئے ہیں اور
آئندہ آنے والوں کے لئے راہ صاف کر دی ہے۔

شعب

شعب

شعب

شعب

شعب

شعب

شعب

یہ ہر وقتہ در وقتہ بر اکم غالب قوشہ برب جو ماندہ نشانت مرا
یعنی میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو گرمی اور رُس سے جلا بھٹتا۔ پانی کو دیکھ کر بے اختیار اُمید کو چڑے اور
دوب جاتے؛ اور ندی کے کنارے پر اسکا زور اور پڑا رہ جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی مسافر دوبا ہے۔
شعر میں مرزا نے اپنی خاص حالت کو تشبیل کے پیرے میں بیان کیا ہے۔ گویا یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں لوگوں نے تجھ کو
مصلِ نکل اور ترانے سے پہچانا ہے؛ اور نہیں۔ جیسا کہ میں ہوں۔ سب کی نظروں سے مخفی رہا ہوں۔

دن

سایہ و چشمہ بصر آدم تیشے دارد اگر اندیشہ منزل نبود در ہزن ما
یہ دنیا کی مثال ہے، یعنی اگر آخرت کا کھٹکا نہ لگا ہوا ہو تو دنیا قاصی آرام کی جگہ ہے، مگر چونکہ یہ کھٹکا
لگا ہوا ہے اس لئے یہاں آرام کے ساتھ دم نہیں لیا جاسکتا۔

زبان

سے پڑو مور گر جاں بے لاسست میرد تاچہ برق ست کہ شد تا فرد خرم ما
یعنی معلوم نہیں کہ ہماری خرم کن سنی کالی گزنیوالی ہے کہ چوٹے جان پانچکے لئے پہلے ہی سے اڑے جاتے
ہیں، تیش کے پیرائے میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوست اور رفیق کوئی ہمارے بیچ میں شریک نہیں ہوتا۔
سخن از لطافت نہ پذیرد خستہ یہ نشود گردنایاں زرم تو سسین ما

خون

یعنی ہمارے خیالات اس قدر لطیف ہیں کہ خیر میں نہیں آسکتے، گویا ہمارے گھوڑے کی دوڑ میں گزنیوالی
بالکل نہیں اٹھتا۔

خون

ما بزدیم ہیں مرتبہ دامن قلاب شعر خود خواہش آں کرد کہ گردن ما
یہ لکھ نظری کی طرف اشارہ ہے یعنی ہنر شاعری خود نہیں اختیار کی بلکہ ملکہ شاعری نے خود کو
مجبور کیا کہ ہم اسکو اپنا فن قرار دیں۔

شکایت

ما بندہ خود ایں ہمہ سختی مئی گسند خود را بزور بر تو گر بستہ ایم ما
یہ خطاب خداوند حق تعالیٰ کی طرف ہے، یعنی کیا ہم زبردستی سے تیرے سر ہو گئے ہیں کہ ہم پر ایسی
سختی کی جاتی ہے؟

خون

بر دوسے حاسداں درد و زنج کشور شک از بہر خویش جنت در بستہ ایم ما
یعنی ہم اپنا کمال دیکھ کر آپ ہی خوش ہوتے ہیں گویا ہم اپنے لئے جنت در بستہ ہیں پس چونکہ ہماری

جنت کی کیفیت سے اور جو اسی لذت و راحت ہے اُس سے جاسد لوگ یہ خبریں اسلئے
رشتک سے اُنکی یہ حالت ہے کہ گویا آنپرو دوزخ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سوز تزارواں ہمہ در خوشی تن گرفت از داغ تھمتے بہ جبگر بستہ ایم

یعنی تیرے سوز اور تیری آگ کو جان نے بالکل اپنے اندر لے لیا ہے؛ اور ذرہ برابر کسی کو لئے
اُمیں سے جعتہ نہیں پھوڑا۔ پس ہم جو اپنے جگر کو داغ وار قرار دیتے ہیں در حقیقت اُسپر تھمت
رکتے ہیں۔

باچہ تیرے معاملہ بر خوشی مت است از شکوہ تو شکر گزارِ خودیم

روئے سیاہ خوشی نہ خود ہم منفعت ایم شمع خموشش کا بہ تارِ خودیم

کہ روئے چوں زہی یا ہم خیال خوشی تن بالم کہ پندارم سر آمد روزگار بے نواہیا

یعنی ایک شراب کا بھرا ہوا گونجا بجھکوتا ہے تو میں پھولا نہیں سمانا اور یہ سمجھتا ہوں کہ بس اب
بے سرو سامانی کا زمانہ ختم ہوا۔

سخن کوثر مرا ہم دل تبتوئے نائل است آنا . دنگ ز اہافت ادم بکا فرما جرایہا
یعنی زاہد کے ساتھ ہم پیشہ ہونے سے عار آتا ہے جیسے میری گفتار کی سی حالت ہے در ز تقویٰ
کی طرف مجھے بالطبع میلان تھا۔

در شربِ حریفان سغت خود نمائی بنگر کہ چوں سکندر آئینہ نیست ہم را

حریفان کا لفظ فارسی میں ایسا ہے جیسا اردو میں لڑ لوگوں کا لفظ۔ اور لفظی معنی ایکے ہم پیشہ ہیں
جب شربِ بخوار کسی کو حریف یا حریفان کہتا ہے تو اُس سے مراد شرابِ بخوار ہوتی ہے۔ کہتا ہے کہ ہم

شراب خواروں کے مشرب میں خود نمائی منح ہے۔ دیکھو مجھ سید جو بادہ نوشی میں مغرب اشل ہے اگلے اس
آلہ خود نمائی۔ مینی آئینہ جیسا کہ سکندر کے ہاں تھا۔ نہ تھا۔

منہ

زمانہ گستی و بادگیراں گر و بستی بیا کہ عہد وفا نیست استوار بیا
یعنی اگر کرنے جسے توڑ کر غیروں کے ساتھ بیان باندھا ہے تو اسکا خیال نہ کر اور بے تکلف ہمارے پاس
چلا آ، کیونکہ عہد وفا توڑتے ہی کے لئے باندھا جاتا ہے، وہ کبھی استوار نہیں ہوتا، جیسا کہ ہمارے
ساتھ بند حکمران کیا گیا۔

عاشقانہ

دواع و وصل جدا گاتہ لڑتے وارد ہزار بار ہر دھند ہزار بار بیا
یعنی دواع میں اور لطف ہے اور وصل میں اور لذت ہے۔ پس ہزار بار جدا اور لاکھ بار آم۔ صند ہزار
لفظ نے شعر کو زیادہ دلچسپ کر دیا ہے، کیونکہ شاعر جو دیکھ لڑتے میں دواع اور وصل دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے،
مگر بھیر بھی اپنے مطلب کی بات کو نہیں بھولتا، اور جانے کے لئے ہزار بار اور آنے کے لئے صند ہزار بار
کا لفظ استعمال کیا ہے۔

لہذا

دواع صومہ ہستی ست زینہار مرو متاع سیکرہ مستی ست ہوشیار بیا
یعنی صومہ میں ہستی و چندار و غرور کا دواع ہے وہاں ہرگز نہ جا، اور میکہ کے کی جو کچھ پوچھی ہے
وہ مستی ہے، یہاں ذرا ہوشیار ہو کر۔ یعنی غریب عالی لیکر۔ آنا چاہئے۔ مستی حاصل کرنے کے لئے
ہوشیار ہو کر آنا۔ ایسے جو لطف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

دشک

نارنگی

چوں بقا صدمہ بچم پیغام را رشک گذارو کہ گریم نام را
گشتہ در تاریکی روزم نماں کو چرخے تا بھویم شام را

یعنی میرا دل اس قدر تاریک تھا کہ شام کی تاریکی اور اس کی تاریکی دونوں گئیں، اور یہ معلوم
ہوا کہ شام کب ہوئی اور دن کب چھپا۔

نایفک ہر کرتن پرور بود خوش بود گردانہ نبود دام
یہ وہی معنوں ہے جو زمانے اردو میں اس طرح باز رہا ہے۔

طاعت میں تاہر نہ تھی نگہیں میں لاگ دوزخ میں ڈال ہو کوئی لیکر بشت کو

دلناں در شرم و غائب سہ شوق نشاں سہمے ہنگام را

در جوہر پیش کند تاب و ہم را مہتاب کف مار سیاہست شہم را

یعنی جدائی کے زمانے میں جو سامان پیش و طب بیتا ہوتا ہے اُس سے میری بقداری اور تپش
زیادہ ہوتی ہے۔ پس چاندنی جو کہ ہمیشہ و طب کی محرک ہے وہ میری رات کے حق میں سیاہ
کے عین کا حکم کرتی ہے۔

تشنہ لب ساحل در بازغیرت ماں دام گریہ افندگمان چین پشانی مرا
کتنا ہے کہ میں کیسا ہی پیاسا ہوں لیکن اگر دریا کی موج پر چھکویہ شبہ بھی گزرے کہ دریا نے مجھے
دیکھ کر پشانی پر ہل ڈالا ہے تو میں غیرت کے مارے ساحل دریا پر جان دیر و گنگا کو ملن کر ڈکھا
ہو یا ان محبت یا دمی آدم زمانے را کہ دل عہد وفا نہایت دام دلناں را

اس شعر میں اپنی نادانی اور حماقت ظاہر کرتا ہے، کہ اب اتنا سہ محبت میں جبکہ معشوق کی
طرف سے ظلم و ستم و بیوفائی کی کچھ حد نہیں رہی تھی یہ خیال آتا ہے کہ افسوس ہے جب میں نے
دل اُسکو دیا تھا اُس وقت وفاداری کا عہد نہ لے لیا۔ حالانکہ دل کا دنیا کوئی اختیار ہی بات

نہیں ہے بلکہ جس طرح صبح و شہر اور لین دین کے وقت شہر میں کر لیتے ہیں اسی میں دل
دیتے وقت بھی کوئی غم نہ کرے جاتی۔

آواز و شمع از سرِ منصور بلند است از شبِ دی است تکرارِ حسنِ ما
شبِ دی چوری کے لئے راتوں کو پھرنا کہتا ہے کہ اگر مجھوں کو تو فریاد دیا ہے تو شہریت کی
شان و شوکت اور حکومت کی شکوہ ظاہر نہیں ہوتی۔ پس ہم جو مرکب جرائم ہونے ہیں گویا شہریت
اور حکومت کی شان بڑھاتے ہیں۔

دقتِ کُخونِ جگر از دردِ مجروح شد چنڈا کو چپکے از فرودِ اس
کہتا ہے کہ میری مظلومی اب اس درجے کو پہنچ گئی ہے کہ وہ وقت اُن پہنچا ہے کہ خونِ جگر درجے
پر سترِ رُائے کا حاکم دادوس کی پلاؤں سے جانچکے۔

در دہرِ فردِ زنتِ لذتِ نتراں بود بر قند - نہ بر شہدِ نشیندِ گس
یعنی ہم دنیا کی لذتوں سے متنع ہونے ہیں مگر اُن میں بھنپتے نہیں جیسے وہ کھسی جو قند پر چبھتی ہے
کہ جب پا پا اُڑ گئی نہ وہ کھسی جو شہد پر چبھتی ہے کہ پھر بھرنیس سکتی۔

بادِ شکیبوی - بید و کنارِ کشتِ ما کوثر و سبیل - حویلی - بایبشتِ ما
حسرتِ وصلِ از چہ رو - چونِ خیالِ سوختم ابرا اگر بایتد - برب جو ست کشتِ ما
یعنی جبکہ ہم خیالِ دوست ہی میں ست و سرشار ہیں تو وصل کی حسرت کیوں کریں۔ اگر ابرا نہیں
برستا تو نہ برسے ہماری کھیتی خود تہی کے کنارے پر ہے۔

بڑہ - اب میں میرے سرِ صدرِ خرم گرہنی در آفتابِ بادِ چکد ز شبتِ ما

بادہ اگر ہو حرام۔ بذلہ خلافتِ شریعت دل نہ منی بہ خوب باطلہ مزاجِ برشتیا

زاد کی طرف خطاب ہے جو شرابِ بخورای اور ترانہِ بزدلہ منی دو تو کو برا سمجھتے ہیں۔ کتاب ہے کہ اگر شراب حرام ہے تو بزدلہ منی تو خلافتِ شرع نہیں ہے؛ اگر تو شراب کو جو ہماری نفیس چیز ہے پسند نہیں کرتا تو بزدلہ منی جو ہماری ادنیٰ درجے کی چیز ہے اُس پر تو طعن مت کر۔

گفت بجا حسرتی غالبہ اس غزل شاد بیچ می شود طبع و فاسر شبت ما
یہ غزل غالباً اس زمانے کی لکھی ہوئی ہے جبکہ نواب مصطفیٰ خاں مرحوم تخلص بہ حسرتی کے مکانِ مشاعرہ ہوتا تھا اور ملوی، و صہبائی، و آذرودہ، اور مومن اور تیر و غیر م سب اُسیں شریک ہوتے تھے اس قطع میں مرزا نے مصرعِ طرح کو تفہیم کیا ہے اب اس کے معنی یہ ہو گئے کہ جسے جو اسطرح پر غزل لکھنے کی فرمائش کی گئی ہماری طبع و فاسر شبت دوست کے اتنے ہی القاسم کے شاد شاد ہو جاتی ہے۔

مردم ز فرط ذوق و تسلی نے شوم یارب کجا بوم لب خنجر ستارے را
کتاب ہے کہ دست کے خنجر نے وہ مرزا دیا ہے کہ اسکی تعریف کرنا کرنا مر گیا؛ اور پھر بھی تسلی نہ ہوئی اسی میں لبِ خنجر سا کہ کہاں لہجہ اؤں کہ جہاں جا کر تسلی ہو۔

شہم تاریک منزل دور نقشِ جاوید پیا ہلاکم جلولہ برق شراب گاہ گاہ ہے را
پہلے مصرع میں اپنی مشکلات کو شبِ تاریک وغیرہ کی تشبیہ میں بیان کیا ہے دوسرے مصرع میں کتاب ہے کہ میں ہلاک مینی قربان ہوں برق شراب کی چمک پر جو کبھی کبھی چمک جاتی ہے اور اُس اندھیرے میں کچھ روشنی نظر آ جاتی ہے مطلب یہ کہ شراب جو کبھی کبھی مل جاتی ہے صرف اسکی بدولت میرا غم غلط ہوتا ہے۔

سے باز آؤ حرام آمد۔ ساتی تہینر شیشہ خود شکن بر سر پیاڑا

برفلات مقل و شرع کے کتاب ہے کہ اسے ساتی شراب اعتدال کے ساتھ پینی حرام ہے تو اٹھ اور اپنا شیشہ یعنی بوتل یا مراحی ہمارے گلاس پر دے مار اس شعریں افراط شوق کی تصویر کھینچی ہے خواہ کسی چیز کا شوق ہو جب کسی چیز کی طلب اور خواہش مد سے گزر جاتی ہے تو اس بات کی جس سے نہیں ہتی کہ اپنے غزن کے موافق اسکی خواہش کیجاسے جب پانی کی پیاس نہایت تہمت ہوتی ہے تو پیا سا دریا کو دیکھ کر یہ چاہتا ہے کہ سارے دریا کو پی جاؤں پس گو کہ مضمون شراب کی تشیل میں بیان کیا گیا ہے لیکن اسکا مصداق ہر چیز کا اشتاق قرار پا سکتا ہے۔

زارشالی

مور آید ز کف دست اگر دہقان را نیست ممکن کہ کشد ریشہ سر از داغہ ما

ظاہر ہے کہ انسان کی ہتیلی میں بال پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھی گئی۔ کتا ہے کہ اگر کاشک کا ہتیلی میں بال بھی نکل آئیں تو بھی یہ ممکن نہیں کہ ہمارا داغہ پھوٹ کر انہیں سے ریشہ نکل آئے یا انہی ہاری کوششوں کا شکور ہونا محال ہے۔

نصرت

خوابیم و رضائش در غریبای ما باشد چشم بزم گمدار و خدا ما دوست گماں را

خواب۔ مست، ویران، اور تباہ، تینوں معنوں میں آتا ہے دوست کام وہ شخص جسکی حالت دوستوں کی خواہش کے موافق ہو، یعنی عمدہ حالت ہو۔ کتا ہے کہ ہم خود بھی خواب ہیں اور دوست کی خوشی بھی یہی ہے کہ خواب حال میں پس ہم دوست کاموں کو خلی حالت و بہت کی مرضی کے موافق ہے خدا تعالیٰ نظر پر سے محفوظ رکھے۔

نباہان

تو دانی تا بہ طلع از خاک برداری کرداں را

بسا آقاوہ۔ سرست و بیا آقاوہ و برستا

عالم آئینہ رازست چه پیدا چہ نساں تاب اندیشہ نداری به نگاہی دریا
یعنی اگر توضیح نہیں سکتا تو نگاہ ہی سے عالم کو دیکھ کہ آسکا ظاہر و باطن سب نظر برابر آگئی ہے۔
فرست از کف مدہ وقت غنیمت نیندا نیست گریص بہاری شباب ہے دریا
گرس از جربہ انصاف گراید چہ عجب از حیار وے با اگر نمایاں چہ عجب
کتاب ہے کلام دہم کے بعد اگر وہ انصاف کی طرف مائل ہو جائے تو کچھ عجیب نہیں یعنی اپنے پہلے ظلم یاد
کر کے جیسا سے ہکو منہ زد کھلائے تو کچھ تعجب نہیں مطلب یہ کہ انصاف بھی کر گیا تو اس طرح کر گیا کہ ہم
اسکے رکھنے سے محروم ہیں۔

بودش از شکوہ خور نہ سریشت بہن بزم از اگر از مویا یہ چہ عجب
خیالی پلاؤ پکا تا ہے تاکہ اسی طرح اپنے دل کو تسکین دے۔
باچنیش شرم کا ذاتی خویش باشد غالب از رخ برہ دوست نہایت عجب
یعنی اس شرم سے کہ اپنے تئیں غلطی سے موجود سمجھ رہا ہے اگر غالب خدا کے آنکھ سے نہ کرے
تو کچھ تعجب نہیں۔

حق علوہ گز نظر نہ بیان محمد است ارے کلام حق زبان محمد است
آئینہ دار پر تو مہرست باہتاب شان حق آشکارا ز شان محمد است
تیر نضا ہر آئینہ در کش حق است آنا کشا دال ز کمان محمد است
دانی اگر بمعنی لولاک و رسی خود ہر چہ از حق ستا زان محمد است
ہر کس تم ہوا چہ عزیز است می خود سو گند کہ دگار بجان محمد است

واعظ اہل حدیث مایہ طوبیٰ افزودگار
کایہ نجا سخن ز سرور دان محمد است
بنگردد نیمہ گشتن ماہ و تمام را
کاں نیمہ جنبشی ز زبان محمد است
در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
اں نیز تا مور ز نشان محمد است
غائب تباہی خواجہ بیزداں گداشتیم
کاں ذوات پاک مرتبہ دان محمد است

یہ غزل مرزا نے اپنی عام طرز کے خلاف نہایت صاف اور بیخ لکھی ہے۔ مرزا قلم نے مرزا کی ہنر کی
میں اس غزل کی تائید کی تھی اور مرزا صاحب کو بھی دکھائی تھی۔ چونکہ وہ تائید نہیں کرتے۔ شائع
نہیں ہوئی۔ اس لئے مقتضای مقام یہ ہے کہ اسکو بھی اس غزل کے ساتھ نقل کر دیا جائے۔

اعجاز از خواص لسان محمد است
عین الہیۃ کلمہ بہ دان محمد است
گر نور و گر ہرے کہ اداں محمد است
حق جلوہ گر زطرز بیان محمد است

اے کلام حق زبان محمد است

دانی ز پیش چشم تو بر خیزد از حجاب
کز نور شمع پردہ فانوس است تاب
باشد غلور بر روشنی عارض از نقاب
آئینہ دار بر تو جہرست ماہ تاب

شان حق آشکار ز شان محمد است

لطیف خداست گرد کبریا دست
قبر خداست چوں زمر کبریا خشت
داند کسیکہ شد زبے ماریت دست
تیر قصا ہر آئندہ در ترکش دست

آناکشاواں ز کمان محمد است

گونی اگر بمالہم اور اک داری
یعنی اگر یہ دیدہ وراک داری

سجی اگر مر تبہ خاک واری دانی اگر یعنی لولاک واری
خود ہر چہ از حق است از آن محمد است

شاید قبیل عاشق و عاشق بجاں رسد بمنوں پیاسے لیلی و لیلی بفرق خود
مومن بہ آل احمد و اشرف روح جہد ہر کس قسم بد آنچہ عزیر است می جزد
سو گندہ کردگار بجاں محمد است

اسے خامہ وصف قاصد مشوق کم گاہ اسے دل سخن در دست قدس میان سار
قمری! از ذکر سر و نقش را نگاہ دار داغنا! حدیث سایہ طوبیٰ زدگذار
کایجا سخن ز سرور دہان محمد است

ملکش بہر دہادہ رفتہ چوں قضا دیدی کہ باز گشتن خورشید بر قضا
بودہ است بر اشارہ ابروی مصطفیٰ بگرد و نیمہ گشتن ما و تمام را
کال نیمہ جنبشہ زبان محمد است

آنجا کہ از مناقبِ حضرت سخن رود ذرا آل و از صحابہ و است سخن رود
دہان کاینہ ز فہم رسالت سخن رود در خود ز نقشِ مہر نبوت سخن رود
اے نیز نامور ز نشان محمد است

ہمت بدیہ نہ من و حالی گشتیم گفتیم و از نکاستنی ہا نکاشتیم
چون کام و لب فراخ و روشن گشتیم غالب شناسے خواجہ بیزدان گشتیم
کال ذات پاک تہ دہان محمد است

بچو دہوتِ فوجِ پیدن گناہ من دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کست
یا دازد و نیارم و اینم زد و زنیست کاندرد و لم گذشتن بادوتِ منہنشیست

کتاب ہے میں جو قریب کا خیال دل میں نہیں لاتا یہ دودھنی کی بات ہے کیونکہ میرے دل میں قوت
و دست رہتا ہے اگر قریب کا خیال دل میں آئیگا تو گویا قریب دست کے ساتھ ہنیشیں ہو جائیگا۔

نن سوی او بہ نیم دانہ و جیالیست اوسوی من نہ بند دانم شیر گبیست
چہ گفتہ با کرد اندازہ گمان تو نیست قیامت! دل دیر مہربان تو نیست
رواں فدای تو بانام کہ بردہ ناصح زبے لطافت ذوقیکہ در بیان تو نیست

چونکہ ناصح ترکِ عشق کی نصیحت کرتا ہے اس لئے مشوق کا نام عاشق کے سامنے اچھی طرح نہیں
لیتا۔ شاعر ناصح کی طرف خطاب کر کے کتاب ہے کہ میری جان تجھ پر قربان ہو تو نے کس کا نام لیا ہے
وہ کسی لطافت اور لذت ہوگی جو کہ تیرے بیان میں نہیں ہے؟ یعنی جس طرح اُس کا نام لیا جا رہا
تھا اگر اُس طرح تو بھی وہ نام لیتا تو کسی لطافت اور لذت تیرے بیان میں ہوتی۔ مگر چونکہ ناصح
نے بری طرح سے اُس کا نام لیا تھا۔ اس لئے کتاب ہے کہ وہ کسی لطافت ہوگی جو تیرے بیان میں نہیں ہے۔

دل از غموشی لعلت امید و ارچہ است چہ گفتہ بزبانے کرد و بان تو نیست

مشوق نے غم سے کچھ نہیں کہا مگر اُس کی نگاہ یا تبسم یا کسی اور اداسے اُس کے التفات یا وصل کی اُمید
بندھی ہے پس کتاب ہے کہ تیرے لعل لب کی خاموشی سے میرا دل اس قدر کیوں امید و ارچہ ہے تو نے
اُس زبان سے جو تیرے منہ میں نہیں ہے کیا کہہ دیا ہے جس سے اُس کو امید بندھی ہے۔

گمانِ نیست بود و برنتِ دیردردی بدستِ مرگ و سہ بدر از گمان تو نیست

معارف

بے شک و بلا و دن برازیم باست
 قہر دریا سبیل و روی دریا آتش
 دوسرے مہر میں عرفی کے معنوں کو آتا ہے۔ اُنے اس لحاظ سے کہ دریا کے اوپر کی سطح سے
 راحت حاصل ہوتی ہے اور دریا کی تہ میں پہنچنے سے وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو آگ میں جل جانے سے
 ہوتا ہے۔ یوں کہا تھا "روی دریا سبیل و قہر دریا آتش است" مرزا کہتے ہیں کہ ہلاک خوف
 خود ہلا سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ چنانچہ دریا میں انسان جیسی ممکن سمجھتا ہے جب تک
 کہ ڈوب جانے کا اندیشہ ہوتا ہے جب ڈوب گیا پھر کچھ بھی بے مینی باقی نہیں رہتی۔ پس یوں کہنا
 چاہیے کہ "قہر دریا سبیل و روی دریا آتش است"

نہی

پاک خور امر وز دنیا را ز پے فرو است
 در شریعت بادہ امر و زانے فرو است
 جو لوگ شراب طور کی امید پر دنیا میں شراب نہیں پیتے وہ گویا جو شراب آج نہیں پیتے اسکو کل کیلئے
 رکھ چھوڑتے ہیں۔ پس اُن سے کہتا ہے کہ "پاک خور امر وز" یعنی سب آج ہی بیڑ دے اور کل کیلئے
 رکھ رکھ، کیونکہ شریعت میں شراب آج تو بانی ہے اور کل وہی آگ ہو جاوے گی۔

تصنیف

زودم نقش خیالی کشیدہ وز
 وجود خلق چو علقا بر ہر تاب است
 قوی قنادرہ جو نسبت۔ ادب جو غالب
 نذرہ کہ سوی قبلہ پشت محراب است
 یعنی جب تعلق اور نسبت قوی ہو جائے تو پھر ادب ظاہری کی توقع نہ کتنی چاہئے۔ دیکھو! قبلہ کی
 طرف پشت کرنا ہر ایک کے لئے غلاف ادب ہے؛ مگر عراب مسجد جبکو قبلہ سے نہایت مغیرہ تعلق
 ہے۔ اسکی پشت ہمیشہ قبلہ ہی کی طرف رہتی ہے۔

نہی

ہرچہ فلک خواستہ است ہیچکس از فلک خواست
 طرف فقیر نے نہ محبت بادہ اگر فلک خواست

فون

بخت و جدال کجای ہاں سیکرہ جو کجی گذرے
کس نفس از جمل نرود کس سخن از ذک نخواست

بجائے ہاں بہنی بجائے دارمینی بخت و جدال کو یونہیں رہنے دے اور سچائے میں جا کر وہاں نکل
کا جگر ہے زندک کا قعدہ ہے نکل سے مراد جنگ چل ہے جس میں حضرت عائشہ جمل یعنی اونٹ پر
سوار ہو کر حضرت امیر سے لڑنے گئی تھیں۔ زندک ایک کھجوروں کا باغ تھا جس پر حضرت سیدہ اہلسنا
فاطمہ زہراؓ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں درانت کا دعویٰ کیا تھا۔ دونو جگر کے نچلا ان
میشا زرا عوں کے ہیں جس پر سنی شیعوں میں ہمیشہ سر ٹھٹھول رہتی ہے۔

فون

دل جلوہ میدہم ہنر خود در انجمن
رسمے مگر بجان حسودش نمائندہ است

یعنی جب تک میں اپنے تئیں چھپاتا تھا حسدوں کو کچھ آزاد نہیں پہنچتا تھا اب علی الاعلان اپنے
ہنر ظاہر کرنے لگا ہوں گویا اب حسد کی جان پر رحم باقی نہیں رہا۔

غالبے ہاں بریرہ و آگندہ کو نیست
آدا داغ گفت و شنودش نمائندہ است

بیل دولت بنالہ خویش بہ نیست
آسودہ زنی کہ یاد تو شکل پسند نیست

دیوانی
عائشہ

یعنی اے بیل تو اپنے مالہ خویش کے سب ضیق میں نہیں ہے؛ جب چاہتی ہے نا کر کرتی ہے پس
آرام سے زندگی بسر کر کہ تیرا یہی نکل شکل پسند نہیں ہے۔ بخلاف ہمارے کہ ہم کو رونے اور لڑا کر
کی بندی ہے؛ حالانکہ مالہ خویش کے دل بھرا ہوا ہے۔

فون

بے خود بریرہ سایہ طوبے غنودہ اند
تنگیر رہ روان تننا بلند نیست

یعنی جو لوگ امانی و امال کے پھندے میں گرفتار ہیں انکا سفر کیم لیا چڑا نہیں ہے انکا منہا سے تھو
طوبے کے سایہ میں آرام کرنا ہے۔

اُستری خوشتر از نیم بجای می باشد
تا تنگ مایه بر یوزہ خود آرا نشود
گفتم بوزگہ رسوخور چون میست
مشکین غزالہا کہ نہ بینی پیچ وشت
در صغہ بنودم ہمہ آل چہ در دل است
و راز دوستی من چاکے ارفکنند چسب
و گفتم کہ بہ تلخی باز و پند پذیر
یہ خطاب نامح کی طرف ہے۔

خز و پیر مرا بخت جواں می باشد
نخ پیرایہ گفتار گراں می باشد
گفتہ اندریں کہ تو گفتی سخن ہیست
در مرغزار ہاے خدا وشتن ہیست
در بزم کسرت گل و در چین ہیست
زمیش دلق درع باہر پو بند است
برو کہ بادو ما تلخ تر ازین پند است

اگر نہ بہرین - از ہر خود عنبر یزہ دار
در گرم روی سایہ و سر چشمہ بخونیم
یعنی بکھو آگے جانے کی جلدی ہے ہم سایہ و سر چشمہ یعنی طوبی اور کوثر پر آرام نہیں لے سکتے
آں راز کہ در سینہ نہانت نہ دغا است
کاوے عجب افتاد بدیں شیفہ مارا
گفتم ز کہ پرسم اثر عمر گذشتہ
در قالبِ ملامتِ شش پردہ کشادہ

کہ بندہ - خوبی او خوبی خداوند است
با ما سخن از طوبی و کوثر نتوان گفت
بر دار تو ان گفت بمنبر نتوان گفت
موسن نہ بود غالب و کا فر نتوان گفت
ساقی بقیع بادوہ سالہ فرد بخیت
خانکے کہ قنناد تر گنج سالہ فرد بخیت

گرمناقی - و صل تا خوش در موافق سہج تلخ
یعنی دوستوں کا منہ دیکھنا اور ان سے تعارف پیدا کرنا جس چاہئے تھا؛ کیونکہ جو منافق ہیں انکا لہذا ناگوار آتا

خز و پیر مرا بخت جواں می باشد
نخ پیرایہ گفتار گراں می باشد
گفتہ اندریں کہ تو گفتی سخن ہیست
در مرغزار ہاے خدا وشتن ہیست
در بزم کسرت گل و در چین ہیست
زمیش دلق درع باہر پو بند است
برو کہ بادو ما تلخ تر ازین پند است
کہ بندہ - خوبی او خوبی خداوند است
با ما سخن از طوبی و کوثر نتوان گفت
بر دار تو ان گفت بمنبر نتوان گفت
موسن نہ بود غالب و کا فر نتوان گفت
ساقی بقیع بادوہ سالہ فرد بخیت
خانکے کہ قنناد تر گنج سالہ فرد بخیت
وید و داعم کرد رو سے دوستان دین شد آ

اور جو موافق ہیں ان کی جدائی تلخ ہے۔

الذکر برودوم امانت ہرچہ گردول بزناقت بخت سے بزناک چوں درجام گنجین شست

یعنی بار امانت میں سے جو کچھ آسمان سے نہ اٹھ سکا وہ انسان نے اٹھالیا گویا جب شراب جام پر

نہ ساسکی تو خاک پر گر پڑی۔ خاک کا لفظ انسان کے لئے اور جام آسمان کے لئے کس قدر مناسب

واقع ہوا ہے۔ اور بار امانت جو انسان پر ڈالا گیا اسکی تشبیہ اس شراب سے جو پیالہ چٹکنے سے بڑے

پر گر پڑے کیسی لطیف و پاکیزہ تشبیہ ہے!!

عاشق عیسوی عشق و شوق بے نیاز کہ باقت۔ ناز می سودم گدا ہمایہ دیوار بادشاخت است

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوقاں خیر گسستہ لنگر گشتی و نافذ خشت است

عنت پر شہر شیخوں زناں بی بگہ خلق عسّ نچاؤ و شہ در حرم ملخشت است

یعنی کوئوال اپنے گھر میں اور بادشاہ حرم سرا میں آرام کرتے ہیں۔ انہیں کیا خبر ہے کہ تیرا غم یعنی عشق

شہر میں خلقت کے گھروں پر شیخوں مار رہا ہے۔

دلیم یہ سچ و سچا دہ دردا لرزد کہ دزد مرعلہ بیدار و پار سا خشت است

کتاب ہے کہ پار سا یعنی زناہ تو اس گنہگار میں کہیں عبادت میں مصروف ہوں غافل ہے اور دزد مرعلہ

جو نسرنگاہ میں لگا ہوا ہے یعنی نفس تارہ جاگ رہا ہے، یعنی تاک میں بیٹھا ہے۔ پس مجھے سجدہ و کجاہ

وردا سے زناہ کی چیز نہیں معلوم ہوتی، اسلئے میرا دل کانپ رہا ہے۔

بیس زور و زور و مجو قرب شہ کہ منظر را در بچہ باز و بد روازہ از دہا خشت است

قرب در گاہ انہی میں جو مشکلات و خطرات ہیں انکو بیان کرتا ہے۔ کتاب ہے کہ دور ہی سے دیکھنے

اور قُرب کا طالب نہو۔ اگرچہ منظر کے پٹ لکھے ہوئے ہیں مگر دور واپس پرانڈ ہا سوتا ہے۔

براہِ نقشب ماحسہ کہ بنگرد واند کہ میر قافلہ در کارواں ہر محنت است

کتاہے کہیں منزل پہنچنے سے پہلے راہی میں ایسا قافلہ دے خبر سوتا ہوں جیسے کہ کارواں سالار
منزل پہنچا آرام سے پاؤں پھیلا کر سوتا رہا ہے۔

دگر زبانی راہ و قریب کیسہ چہ خط مرا کہ ناقہ ز زقار ماند و پاخت است

قفس و دام را گناہے نیست رنجیق در نادر بال و پر است

لغنا۔ جبلت کو کہتے ہیں۔ قفس اور دام دونوں جانور کے لئے تخلیق اور لذت کے مقام ہیں۔ جہاں
بکثرت جانور تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے اور اس کے بال و پر گر جاتے ہیں۔ یہاں قفس اور دام سے دنیا
اور اسکی تخلیقات مراد ہیں۔ کتاہے کہ قفس اور دام پر کچھ الزام نہیں ہے بل و پر گرنے ہی کے
لئے بنے ہیں اور جاندار مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے۔

دیزداں برگ وایں گل افشانہ ہم خزاں ہم بار دگر گذر است

یعنی خزاں اور بار دونوں رفتی ہیں! ایسے پتے جھڑتے ہیں تو ہمیں پھول جھڑتے ہیں
ہم تو گزرتے ام سختی میں درد بسج گنڈاز مرگ کہ وابستہ بنگامی است

یعنی موت کے لئے تو ایک وقت معین ہے اس سے قطع نظر کہ وہ یہ خیال مت کر کہ اب ہم
مرا کیوں نہیں! بلکہ یہ دیکھ کہ اب ہم کتنا کھیر نکرتے اور کیوں کعبہ الی کے بیچ اور تخلیق کو برہشت کیا۔

کیست در کعبہ کہ رطلے ز فہیم بخشد در گردگاں طلبہ جامہ احرامی است

طل پہانہ شراب۔ نبیر شراب۔ گردگاں وہ شے جسکو گرد کہیں۔ جامہ احرام وہ بن سلا کر

جو مناسک حج کے ختم ہونے تک حاجی پہنے رہتے ہیں۔

زبد جستہ شرار و زبجا ماند و راد سونخم - لیک نہ انم بچہ عنوانم سونخم
راد راکہ - پہلا سونخم لازمی - دوسرا سونخم متعدی - کتابت میں جل تو نذر در گیا مگر معلوم نہیں
اسنے کس طرح مجھے جلا دیا نہ کوئی پتہ لگا اڑا اور نہ راکھ باقی رہی۔

باد و ست ہر کردہ بخلوت خور و تمام دانہ کو حورو کو خرو دار السلام بیت

و دست کو حورے - باد و کو خورے - اور بخلوت کو دار السلام یعنی جنت سے تشبیہ دی ہے۔

دلخستہ رعیم و بودے دو اسے ما با خشکایاں حدیث حلال المخرام بیت

از کاسہ کرام نصیب است خاک را تا از فلک نصیبہ کاس کرام بیت

نیکی ز قست از تو خواہیم مزد کار و در خود دیدیم کار تو ایم انتقام بیت

یعنی اگر غنیمت نیکی کی ہے تو وہ تیری ہی طرف سے ہے اسکی اجرت ہم نہیں چاہتے اور اگر ہم بد ہیں تو

تیرا فضل یعنی تیرے بنائے ہوئے ہیں پھر سزا کس لئے ہے۔

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت پرسد چرا کہ رخ نئے لعل فام بیت

یعنی غالب کے گھر میں صرف ایک پرانا خرقہ اور ایک مصحف تھا اور کچھ نہ تھا پس آئے انکو اگر بچہ نیا

تو شراب کا بھاد کیوں پوچھتا پھر تاہے ہم فروخت کے لفظ میں یہ شوخی رکھی ہے کہ اگر وہ نو کا

ساتھ نہ فروخت کیا ہو گا تو شراب کی قیمت ناوا ہو سکیگی۔

لطف خدا سے - ذوق نشاطش نہید کا فرو لے کہ با ستم و دست خوگرفت

یعنی وہ کا فزول جو مشوق کے غلم سننے کا عادی ہوا سکو خدا کی مہربانی میں بھی مزا نہیں آتا۔ بنا

یہ ایک بیاناۃ شوخی معلوم ہوتی ہے؛ مگر درحقیقت یہ ایک فیکٹ ہے جو ہوا و ہوس کے کونچے
میں ہمیشہ گزرتا رہتا ہے۔ ہوا و ہوس لوگ سب وقتیں گوارا کرتے ہیں؛ بعدانی کے مدد سے، تنگ
کی عین، دولت و بے آبروی، معاشرت کی بے اتفاقی و بے اعتنائی وغیرہ سب کچھ سہتے ہیں
مگر ہوا و ہوس سے باز نہیں آتے؛ اور پارسائی و عفت کا طریقہ جو باعث خوشنودی خدا ہے
اسکو اختیار نہیں کر سکتے۔

رضاواں چہ شہد و شیر خالاج الکراد بے پارہ باز داد و نئے شکو گرفت
رموز دین نشا سم دیت۔ و معذورم سنا دین عجمی و طریق معنی بیست
یعنی میں پیدا تو عجم میں ہوا ہوں اور میرا مذہب عجمی ہے پس اگر اصول مذہب سے واقف
منوں تو مجھکو معذور سمجھنا چاہئے۔

نشا طریم طلب از آسان شوکت جم قدح سباش ز یاقوت بادہ گر غنی
دوسرا مصرع مثال ہے پہلے مصرع کے مضمون کی۔ یعنی انگوڑی شراب چاہئے جس سے جھشیدہ
عیش حاصل ہو یا قوت کا پالہ جس سے جھشیدہ کی سی شاہانہ شوکت ظاہر ہو اگر نہ میسر ہو
تو دہسی۔

ہر آنچہ در زگری جز جنس مائل نیست عیا یکسی من شرافت نسبست
یعنی جسکو دیکھئے اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔ چونکہ شرافت نسب میں کوئی میری مثل نہیں ہے
اسکے میری طرف کوئی مائل نہیں ہے؛ اور یہی میری یکسی کی وجہ ہے۔
نشا ط معنویاں از شرم نماز تست فنون با بیاں فصلے از نادر تست

اس تمام غزل میں مشوقِ حقیقی کی طرف خطاب ہے۔

بجامِ دانتہ حرفِ جم و سکندر چست کہ ہر چہ رفت بہر عہد و زمانہ تست

یعنی یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ جامِ جہاں نما جمشید کے عہد میں تھا اور آئینہ سکندر کے عہد میں کیونکہ جو کچھ جس زمانے میں گزرا وہ تیرے ہی زمانے میں تھا۔

ہم از احاطہ تست اینکہ در جہاں مارا قدم بہ تہکدہ و سر بہ آستانہ تست

یعنی توجہ تمام عالم پر محیط ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم نہیں تو تہکدہ میں مگر ہمارا سر تیرے آستانے پر سپہر اتو تہا راج ماگماشتہ نہ ہر چہ دزد زمانہ بدوز خراہ تست

یعنی کیا یہ بات نہیں کہ جو کچھ تیرا ہے ٹوٹ کر لے گیا ہے وہ تیرے خزانے میں موجود ہے؟
مرا چہ جرم گرانہ نشہ آسماں پست نہ تیز گامی تو سن زما زیادت تست

اس شعر میں غمنا اپنے خیال کی بلند پروازی کا اظہار ہے؛ اور اصل مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے۔ یعنی اگر میرا خیال اپنی حد سے تجاوز کر کے عالمِ بالا کے اسرار و غوامض میں دخل دیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے؟ تیرے مازیا نے نے گھوٹے کو تیز رفتار کر دیا

شبا بٹہ ہا! چہ ناقدِ روانی ہستی بلا بحبانِ جوانانِ پار سار یزد

آخر منزلِ نخست خوی تو راہ میزند اول منزلِ دگر بوی تو را دید

یعنی سالک جب تیری راہ میں قدم رکھتا ہے اور پہلی منزلِ قریبِ ختم ہونے کے ہوتی ہے تو سخت سخت مشکلات اور امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ جب یہ مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور دوسری منزل شروع ہوتی ہے تو لذتِ قرب حاصل ہونے لگتی ہے جو مثلِ زادِ راہ کے اگر تیرے

تھوٹن

تھوٹن

تھوٹن

تھوٹن

تھوٹن

تھوٹن

مست بندھوا تی ہے۔

مست
مست

اسے کہ بدیدہ تم دوست دیکھ مینہ غم زنت
ماز شش غم کہ ہم زنت خاطر شاد میدہ
ست عطای خود کند سانی ماز ست
دارہ ز یاد سے برو بسکہ زیاد میدہ
یعنی ہمارا ساقی شراب سے مست نہیں کرتا بلکہ اپنی عطا و بخشش سے مست کرتا ہے چونکہ وہ دفعہ
پلے سے زیادہ دیتا ہے اس لئے پہلا دیا ہوا بھول جاتے ہیں اُسکے احسان کے نشے
پر شراب کا نشہ غالب نہیں آئے پاتا۔

مست
مست

دل اسباب طرب گم کردہ دیند غم ناش
ذراع عکاوہ دہتاں مینو چوں باغ و ایش
یہ معنون مرزا کے حسب حال ہے اور عموماً مسلمانوں کی حالت پر صادق آتا ہے اول
میش و عشرت اور پھر نون تیل لکڑی کی فکر زراعت اور باغ کی مثال کس قدر مثل لے کے
مطابق واقع ہوئی ہے۔

زنا گرم است ایں ہنگامہ بنگر شور بہستی را
قیامت می دہد از پردہ خاکے کہ انسان شنہ
یعنی جو کچھ دنیا میں تھے اور مساد اور جنگ و جدال اور شرور و غوغا ہے وہ انسان ہی کے
دم سے ہے اگر حضرت انسان نہ تھے تو تمام عالم میں سناٹا ہوتا۔

تضا از ذوق مسنی شیرہ میخیت در جاننا
نئے از لاسے پالایش چکیدہ آب حیاں شنہ
لاسنے پالاصانی کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

جلوہ اسے داغ کردم ز نمک سے خیزد
خرودہ اسے درد کہ نمک نہ دواسے آید
یعنی اسے داغ اب تیرے ظاہر ہونے کا وقت آگیا کیونکہ نمک جو تیرے طول پکڑنے اور ترقی

پانے کا باعث ہے مجھے اُس میں مزا آنے لگا ہے اور اسے درد تیری بن آئی ہے کیونکہ مجھے
دوا سے ننگ آنے لگا ہے۔

بمحو راز سے کہ بستی نزدل آید بیروں در بہاراں ہمہ بویست ز صباے آید
اس شعر میں مشوق حقیقی کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ
ہے کہ ابان لبّی فی اکام ذہر کم نفحات الا فتقر صوا لہا۔

خوش است آنکہ باخویش جز غم نرزد و لے خوشترست آنکہ اس غم نرزد
سرابے کہ خشد بویرانہ خوشتر ز چشمیکہ پیرایہ غم دارد
یعنی وہ سراب جو محو میں چکے اُس آنکھ سے بہتر ہے جو تر نہیں ہے۔

سخن نیست در لطف این قطعہ غاب بہشتے بود ہنس کا دم ندارد
قطعہ سے مراد قطعہ زمین ہے۔

مردہ صبح دریں تیرہ شبانم داؤد شمع گشتند وز خورشید نشانم داؤد
سُخ کشودند و لب ہرزہ سرانم بستند دل ربودند و دو چشم نگرانم داؤد
سوخت آتشکدہ ز آتش نفسم تیشند ریخت تہخانہ ز ناقوس فغانم داؤد
گہ از رایت شامان عجم چسپند بعوض خامہ گنجیہ فغانم داؤد
افسرد مارک ترکان پیشانی برودند بہ سخن ناصیہ فسر کیا نم داؤد
گوہر از تاج گشتند و بدانتش بستند ہر چہ نرودند یہ پیدا بہ نہانم داؤد
ہر چہ در جزیرہ ز گہراں غمی آب آوردند بشبہ جموہ ماہ رمضانم داؤد

فہرست

آزاد علی

شوقی

تصویر

صوفی

خانیہ

خانیہ

خانیہ

خانیہ

پیش

ہرچہ از دستگیر پارسن نیابزد
تا بنالم ہم انان جملہ زبانم دادند
غیر کے چھ شروں میں اس بات کا بیان ہے کہ تقضا و قدر نے جو کچھ عرب کی فتوحات کے
وقت عجم سے چھینا اسکے عوض میں مجکو کہ میں بھی عجمی الاصل ہوں۔ کچھ نہ کچھ دیا۔ جب آنکدہ
بل کر اکر ہو گیا تو مجھے آتش کی جگہ نفس معنی زبان دی۔ اور جب بتخانہ گر گیا تو مجھے نفوس کی جگہ
وہ و قناں دی۔ شاہان عجم کے جندوں کے موتی اتار لئے اور اسکے عوض میں مجھے حنا
بغینہ نشان عنایت کیا۔ اسی طرح ترکوں کے سر سے تلج روٹ لیا اور مجکو شاعری میں اقبال
یعنی مرمت فرمایا۔ پھر کتاب کے موتی تلج میں سے توڑ لئے اور علم و دانش میں بڑے یعنی
کچھ علی الاعلان لوٹا تھا وہ مجھے چپکے سے دیدیا۔ اور آتش پرستوں سے جو شراب جزیے میں ل
وہ ماہ رمضان کی شب جمعہ کو مجھے پلائی۔ خلاصہ یہ کہ پارس کی جو کچھ پوچھی لوٹی تھی انہیں سے
ذہان مجکو فرمایا کرنے کے لئے دیدی۔

پیش
رستہ

خواب نہ آن کند کہ کس ازیاں رسد
دل برد تا در گروہ ازاں رستاں رسد
یعنی دل لیا ہے تو ضرور اسکے عوض میں کچھ اس سے وصول ہو گا، کیونکہ اچھے لوگ ایسا کام نہیں
رتے کہ کسی کو نقصان پہنچے۔

تصویر
نصرت

مقصود از دیر درم بزم صیبت
کم شد نشان من چو رسیدم بکنج دیر
ہر جا کنیم سجدہ۔ ہاں آستان رسد
ماند آں صدا کہ گوش گراں رسد
شعراے تصوفیں دیر و خرابات و میکہ سے اکثر فاقہ یا وہ مقام جہاں فقر و فاقہ کی تعلیم ہوتی ہے
مرا دلینے ہیں۔ اپنا نشان دیر میں پہنچ کر گم ہونے سے مراد تھا ہے۔ اسکی تشبیہ اس صدا سے جو

ہرے آدمی کے کان تک پہنچ کر گم ہو جاتی ہے کس قدر بلخ تشبیہ ہے۔

غزل

دوام بہر دانہ نیست مگر نفس چن داں کنی بلند کتا آشاں رسد
اپنے اعزازِ نفس کا اظہار ہے۔ یعنی اگر عزت کے ساتھ قید کر دو تو مجھے قید ہونے سے کچھ انگڑائیں
ہے۔ پس یہ امید نہ رکھو کہ میں دانے کے لالچ سے جال میں آجھو نہ لگاؤں۔ بلکہ نفس کو اتنا اونچا
کر دو کہ میرے گھونسلے تک پہنچ جائے؛ میں نفس میں فوراً چلا آؤں گا۔

عاشقانہ

تیر غمت را غلط انداز گفتہ ام اسے واسے گرد نہ تیر درگ پر شاں رسد
غلط انداز اس تیر کو کہتے ہیں جو خطا کر کے غیر مقصود جگہ جا لگے چونکہ عشاق معشوق کے تیر کے شائق
ہوتے ہیں اس لئے کہتا ہے کہ ایک تیر تو اسکا آکر لگا ہے گونیں اسکو اپنی خوش طالع کے خیال سے
غلط انداز سمجھتا ہوں۔ اب اگر دوسرا تیر بھی اسی جگہ آکر لگا تو میں سمجھوں گا کہ پہلا بھی ارادے سے لگا یا
تھا ورنہ تیرا خیال جو پہلے تیر کی نسبت صحیح ہو جائیگا اور امید بالکل باقی رہے گی۔

لہذا

امید غلبہ نیست بکیشِ مغال در کسے سے گر ہر جزیرہ دست خدا و انشاں رسد
یعنی اگر بارہیوں پر غلبہ اور حکومت حاصل ہونے کی امید نہیں ہے تو انکا نہ سہا اختیار کر لے؛ کیونکہ اس
صورت میں اگر شراب جزیرہ میں نہ آویگی تو ہر یہ اور سوغات میں ضرور آویگی۔ اس شعور کو یا یہ
ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آتش پرستوں پر غلبہ و امتیاز حاصل کرنے کی علت غائی یہی ہے کہ جزیرے
میں شراب آیا کرے۔ پس جب غلبہ کی امید نہ تو لاچار کیشِ مغال اختیار کرنا چاہئے؛ تاکہ اگر جزیرہ
میں نہیں تو ہر یہ دارمغاں ہی میں شراب وصول ہو کرے۔

عاشقانہ

جاں بر سرِ مکتوب تو از شوق نشانم از عمدہ تختہ بر جو اہم بدر آورد

درجہ

اں کشتی بشکستہ ز موجم کرتیا ہی افگندہ راقش گرازا بم برد آورد
جب کشتی موج کے نصیروں سے ٹوٹ جاتی ہے تو اسکے تختوں کو پانی سے کھال کراگ میں
بند من کی جگہ جلاتے ہیں۔ اپنے تئیں کہتا ہے کہ میری مثال بھی اسی کشتی کی سی ہے کہ دوپے
سے بچا تو اگ میں جھونکا گیا۔

قصہ

درجہ

درجہ

گر جلاؤ نہ نغ تو بہ ساعنہ ندیدہ ایم چندیں بندوق بارہ دل از جا چہ میزد
ہنت آسپاگردش مادر میاں او غالب دگر سپر س کہ برا چہ میرود
مجزا سودگی گمراہی کا ندیں اوی چو خارا ز پرا برآمد۔ پارہ داماں کہنی آید
یعنی کسی حالت میں آدمی دنیا کے غصوں سے نجات نہیں پاسکتا اگر کاٹا پاؤں سے کھل گیا تو
پاؤں داس میں اچھے گا۔

درجہ

درجہ

درجہ

برآز بزم بحث و مذہب تو فریق غالب را کہ ترک سادہ ما با فقیہاں برنے آید
ترک سادہ مابینی غالب جو کہ ایک بھولا بھالا ترک ہے۔ یہ ایسی ترکیب ہے جیسے مرسائے من اور
فرزاد من یعنی خود میں۔ با فقیہاں برنی آید یعنی مولویوں کی دلیلوں اور محبتوں سے عمدہ برائیاں
دروکستا۔ با کسے بریادمن کے معنی ہیں اس سے نمریز اور عمدہ برائیاں ہوتا۔

قصہ

چشم دل با ختمہ ام داد ہنر خاہد داد آنکہ چوں من ہمہ دان ہمہ بین تو شود
یعنی چونکہ میرے دل نے جھک جانا ہے جیسا کہ تو ہے اور میری آنکھ نے جھک دیکھا ہے جیسا کہ تو
ہے اس لئے دل اور آنکھ دونوں کو کھٹو بیٹھا ہوں۔ پس میرے اس کام کی داد وہی دیگا جو میری
طرح تیرا ہمہ دان اور ہمہ بین ہوگا۔

مفرد میں مہیت جزا لائشیں پندار خود پاک شو پاک کہ حسم کفر تیرین تو شود

رفتہ بودی دگر از جابہ سخن سازی غیر مشت از بخت کہ خاموشی مایا داد

یعنی تو نے رقیب کی سخن سازی سے بچر و حوکا کھایا تھا؛ مگر شکر ہے کہ اُسکی سخن سازی دیکھ کر ہماری خاموشی جمع ہو یاد آگئی۔ جس سے تجھ کو یہ خیال ہوا ہو گا کہ تجھے عاشقِ منہ سے کچھ نہیں کہا کرتے۔

دوش کز گردشِ نجمِ گلبر روی تو بود چشم سوئے فلک دی سخن ہی تو بود

یعنی نصیب کی گردش کا شکوہ کرتے وقت آنکھ آسمان کی طرف تھی اور باتیں تجھ سے کر رہا تھا ایک خاص حالت کی تصویر بہت عمدہ لفظوں میں کھینچی ہے۔

دوست دارم گر ہے راکبِ کارم زوہ اند کایں ہما نست کہ پیوستہ را بروی تو بود

گر چنین ناز تو آدہ یعنی نہ مانا نہ بہ سکندر ز رسد ہر چیز زوارا مانا

مستحقِ حقیقی کی طرف خطاب ہے۔ سکندر سے مراد پادشاہِ فاتح؛ اور دارا سے پادشاہِ مغرب۔ ہم بمسود اسے تو خورشید پرستم آ رہے دل ز مجنوں بزد آہو کہ ہم لیسلا مانا

یعنی اگر میں آفتاب کی پرستش کروں تو وہ بھی درحقیقت تیری ہی پرستش ہے؛ جیسے مجنوں پرستش پر اس لئے فرشتہ تھا کہ انکی آنکھیں لیلے سے مشابہ تھیں۔

شکوہ دوست ز دشمن تو انم پوشید گر عنیم ہجر چنین حوصلہ فرسا مانا

یعنی اگر جدائی کا غم ایسی طرح بے صبر کرنے والا رہا تو دوست کا شکوہ ضبط نہ کیا جا سکیگا یا نہ کیا کہ اسکو دشمنوں سے بھی نہ چھپا سکو تھا۔

دربیل دشنہ نہاں ساخته غالب امروز گلزارید کہ ماتم زوہ تنہا مانا

تغیث
عاشق

عاشق

عاشق
تغیث

تغیث

عاشق

عاشق

صفت

بستند و جرئت آبی بسکندر در یوزہ گر سیکدہ صہبا یکدہ برد
یعنی سکندر کو ایک بے حقیقت پانی کے گھونٹ سے محروم رکھا اور سیکدہ کا فقیر شراب
بسیسی نایاب چیز کا تو نبا بھر کر لے گیا مطلب یہ کہ بادشاہوں کو وہ دولت نصیب نہیں جو سیکدہ
یعنی خاتواہ کے ادنیٰ لگاؤں کو نصیب ہے۔

صفت

یک گریہ پس از ضبط دود صد گریہ ضاؤہ تا نغمی آں زہر تو انم بہ گلو برد
یعنی جب دوشہ دغہ رونے کو ضبط کروں تو ایک دغہ تو رونے کی اجازت دے تاکہ اس
ضبط کے زہر کی کڑواہٹ ایک دغہ رو کر خلق سے دور کروں۔

خاستانہ

رجوش شکوہ بیدار دوست می ترسم مباد نہر سکوت از دہن فرویزد
ایں مقول بات کو محسوسات کے لباس میں ظاہر کرتا ہے مطلب تو یہ ہے کہ اُسکے شکوے سے
اس قدر بھرا ہوا ہوں کہ شاید اُسکو ضبط نہ کر سکوں مگر اُسکو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اُسکی بیدار کا
شکوہ دل سے اس جوش کے ساتھ آتا ہے کہ منہ پر جو نہر سکوت لگی ہوئی ہے کہیں اُسکے
ریلے میں بہ نہ جائے۔

نچا

بریدہ ام روہ دورے کہ گرفتارم بجائے گردواں از بدن فرویزد
یعنی میں نے ایسی راہ دراز طے کی ہے کہ اگر بدن کو جھاڑوں تو گرد کی جگہ جان بدن سے
بہر جائے۔ یہ تشبیہ اس محنت و مشقت کی جو فکرِ شعر اور تکمیلِ فنِ سخن میں قائل نے کی ہے۔
مکن بہر شرم از شکوہ صغ کایں نوحیت کہ خود ز زخم دم دوختن فرویزد
عجیب و غریب تشبیہ اور نہایت عمدہ خیال ہے اور نا خیال ہی نہیں بلکہ فیکٹ ہے۔ قادر ہے

خاستانہ

کہ جب مشوق مہربان ہو کہ عاشق کی پریش حال کرتا ہے تو اسوقت عاشق مجبور کا دل
بھرتا ہے؛ اور وہ شکایت کرنی شروع کرتا ہے۔ پس کتاب ہے کہ تو میری پریش حال کے وقت
شکایت سے مجھ کو منع نہ کر؛ کیونکہ توجو پریش حال کرتا ہے تو گویا میرے زخم میں نمک لگاتا ہے؛
اور نمک لگاتے وقت کسی قدر خون کا ٹپکنا ضروری ہے۔ پس یہ شکایت وہ خون ہے جو زخم کے
سے وقت ٹپکا کرتا ہے۔

اگر بیل نہ غلہ ہرچہ از نظر گذرد زہے روانی عسکر کہ در سفر گذرد
یعنی عمر کا سفر میں گذرنا نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ سفر میں جو کچھ نظر سے گذرے اس پر انسان
فریفتہ نہ ہو جابا کرے۔

بوسل لطف باندا زہ تحمل کن کہ مرگ تشنہ بود آب چوں زہر گذرد
کتاب ہے کہ وصل کی حالت میں مہربانی اس قدر زیادہ نہ کر کہ میں اسکی خوشی کا تحمل نہ کر سکوں
اور خوشی کے مارے مر جاؤں؛ کیونکہ پیاسے کے لئے وہ پانی موت ہے جو سر سے گذر جائے۔
ہر کجا بد تشنہ مشوق تو جراحات بارد جز خراشے بہ جگر گوشت ادم نرسد
طوبی فیض تو ہر جا گل دیار افتاد جز نیسے بہ پرستش گہریم نرسد

جگر گوشت ادم یعنی ایراہیم بن ادم کو ان زخموں میں سے جو تیرے شوق کی چھری پر ساقی
ہے ایک خراش سے زیادہ نہیں پہنچی۔ اور جو پھول اور پھل تیرے فیض کے طوبی سے پھرتے
ہیں انہیں سے صرف ایک ہوا کا پتھر کا محراب مریم تک پہنچا ہے۔

مے بڑا دکن عرض کر این جہز باب پیش ایس قوم بشورایہ زخم نرسد

نہیں

خواجہ فردوس یہ میراث تمنا دارد
واسے گرد و روش نسل بہ آدم تہ
خوابہ کا لفظ فارسی میں اکثر ایسے مقام پر ہوتے ہیں جیسے طتر کے موقع پر اردو میں تیسرے شخص
کے لئے آپ یا حضرت ہوتے ہیں۔ کتا ہے کہ آپ آدم کی میراث میں فردوس کے حلیگار ہیں۔
بہر مزاج اگر آپ کا سلسلہ نسب آدم تک نہ پہنچے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ مرزا کو یہ احتمال ڈال دین
کی تفسیری کے موافق سوچا ہوگا؛ شاید انکا یہ مطلب ہے کہ آپکے اخلاق و عادات انسانی
سے اس قدر بعید ہیں کہ ممکن ہے آدم کی نسل سے نہوں۔

مستوف

مستوف

مستوف

مستوف

مستوف

مستوف

ہاں درخت نشان من مرگ از قضا دارد
قن در بلا گفت دن بسیم بلا ندارد
چوں بل تست غنچہ آما سخن نداند
چوں ختم تست زرگس آما حیا ندارد
خانغ کسیکہ دل را بار دو اگر دارد
کشت جہاں سر اسرار و گنا ندارد
باد ز سے ہر آئینہ پر ہیز گفتہ اند
آرے دروغ مصلحت آئینہ گفتہ اند
کو فتا تا ہمہ آلایش چنار برد
از تصور جلوتہ و از آئینہ زنگار برد
عشوہ مرست چنچ مخرک اس عیار
یوسف از چاہ برآرد کہ بازار برد

عشوہ خرمین دھوکا کھانا اور فریب میں آجانا یعنی آسمان کی مہربانی کے دھوکے میں دانا
کہ یہ چنار یوسف کو چاہ سے اس لئے نکالتا ہے کہ بازاریں بیجا کر بکوائے۔

مستوف

مستوف

مستوف

ہر شیشے راشامے در خور است
یوسف پیراہن بہ کنایں می رود
جو طبع سم درختانست لیک
روزم اندر ایر بہناں می رود
نوسیدہی ما گردشش آیام ندارد
روز سے کہ سہ شہر و شام ندارد

نہانی
شوق

گن
ہ ادو

نور

قوت

نور
شوق

عاشق

بلبل مجن بنگر و پروانہ محفل شوق ست کہ در وصل ہم آرام ندارد
یعنی شوق کو وصل میں بھی آرام نصیب نہیں؛ اسی لئے بلبل کو مجن میں آرام ہے۔ اور پروانہ
کو شمع کی موجودگی میں قرار ہے۔

چہ خیز و از سخی کز درون جاں نبود بریدہ باد ز بانے کہ خوشچکاں نبود
کتاب ہے کہ جربات دل سے نہیں نکلتی وہ کچھ انہیں کرتی۔ پس کشیدہ زبان جو خوشچکاں یعنی در
دل سے بھری ہوئی نہو۔

حکیم ساقی دے تند۔ دمن ز بد خوئی ز رطل بادہ بختسم آیم ار گراں نبود
حکیم کے مراد خدا ہے کتاب ہے کہ ساقی تو اندازے سے زیادہ نہیں دیتا اور شراب یعنی دولت دنیا
نہایت تند ہے مگر میں اپنی بد خوئی اور زیادہ طلبی سے اگر شراب کا پیالہ ہلکا پاتا ہوں تو نقص تو پہنچا
ز خویش رفتہ ام و ز مستی طمع دارم کہ باز گردم و جز دوست ارغماں نبود
قاعدہ ہے کہ جب آدمی کیس سفر کو جاتا ہے تو وہاں سے کچھ سوغات و ہدیہ وارمغاں لیکر وطن میں
واپس آتا ہے کتاب ہے کہ میں اپنے آپ سے تو جا چکا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ واپس پھر کر کے
آپے میں آؤں تو دوست یعنی حق کے سوا کوئی سوغات لیکر نہ آؤں۔

ز نام ناقہ بدست تفرق شوق است بسوے قیس گرایش ز ساربان نبود
یعنی ساقی کا ناقہ جو قیس کی طرف چلا ہے یہ ساربان کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بہت اُسکی
باگ تفرق شوق قیس کے ہاتھ میں ہے وہ جدھر جا رہا ہے یہاں ہے۔

بتاب شہرستم پیشہ شہر را راند کہ درستم روش آموز روزگار اند

برند دل باد اسے کہ کس گمان نہ بد
قہاں ز پرودہ نشیناں کہ پرودہ دار تہ
ز زرع و کشت شناسد بعد تو بیغ
ز بہر یادہ ہوا خواہ باد و بار تہ

یعنی ہوا اور مینہ کچھ اس لئے نہیں جانتے کہ اس سے کھیتیاں اور باغ سرسبز و شاداب ہونگے بلکہ
موت اس لئے کہ شراب پینے کا لطف بغیر باد و باراں کے نہیں آسکا۔

پھنوں مرزا کو کہیں سے تلاش کرنا نہیں پڑا، بلکہ یہ خاص انکی طبیعت کا اقتضا تھا جس مکان
میں مرزا رہتے تھے اسکے دروازے پر ایک کمرہ تھا، اور کمرے کے آگے ایک برآمدہ تھا جسکے نیچے
رستہ چلتا تھا۔ یہ برآمدہ گزرگاہ سے تقریباً چار گز اونچا ہوگا۔ ایک روز مینہ برس رہا تھا اور مرزا اضافی
برآمدے میں بیٹھے ہوئے ابرو باراں کی مدارات میں مصروف تھے، اس وقت عالم سرخوشی میں
فرمانے لگے کہ جی چاہتا ہے ایسا برسے لگلی کی رو کا پانی برآمدے تک آجائے اور میں بہین بیٹھا بیٹھا
گلاس بھر بھر کر پانی پیوں۔ کسی نے کہا حضرت! برآمدے تک پانی آگیا تو شہر پہلے ڈوب جائیگا۔
مرزا ہنس کر چپکے ہو رہے۔

چو لطف رہم دی آزا کہ فارغ نمیشد
مرد کعبہ اگر راہ ایمنی دارد
فارغ از خطابان۔ کتاب ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہ ہو سفر میں کچھ لطف نہیں۔ پس اگر کعبہ کی راہ پر
ہے تو کعبہ جانا نہیں چاہئے۔ فی الحقیقہ جو لوگ نہایت کٹھن متزلزل ہیں ان کے مقام مقصود تک
پہنچتے تھے۔ جو خوشی انکو منزل پر پہنچنے سے ہوتی ہوگی اسکا سواں حصہ بھی ان لوگوں کو حاصل نہیں
ہوتا جو ریل اور اسٹیمز آج کل سفر کرتے ہیں:

بیاد رہد گر ایں جا بود زباندانے
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

مد سے زیادہ بلین شعر ہے۔ اگرچہ مضمون عام ہے مگر خود شاعر کے حال پر خوب چسپاں ہوتا ہے اور اس نے یقیناً اپنی ہی نسبت کہا ہے۔ جب کوئی غیر ملک کا مسافر شہر میں وارد ہوتا ہے اور اس کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تو ترہاں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعر کچھ تو اس لئے کہ کسی کو اپنا قدر و ثناء اور پایہ شناس نہیں پاتا، اور کچھ اس لئے کہ اپنے نازک اور باریک خیالات کا سمجھنے والا کسی کو نہیں دیکھتا۔ اپنے تئیں غریب شہر یعنی شہر میں بالکل اجنبی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی ترہاں کو بلاؤ کہ اجنبی مسافر کچھ باتیں جو کہنے ہی کے لائق ہیں کہنی چاہتا ہے۔

چشمِ نازاں پیریں کہ پرسی واپل کوے
 گویند خستہ ز مست خودزیں دیار بُرد
 نازم فریبِ صلح کو غالب ز کوے تو
 ناکام رفت و خاطر امیدوار بُرد
 ہرگز ارخت نمازے بنود از نیمے
 جاے در حلقہ زندانِ قحّہ نوش مبار
 جامہ یا رخت کا تازی ہونا اُسکے آلودہ ہونے کو کہتے ہیں۔ باقی شعر کے معنی صاف ہیں۔
 منتیاں! بادہ غررت۔ مرزبہنجاک
 جوشد از پردہ و گرغون سیاوش مبار

دوسرے مصرع کی تقدیر عبارت یوں ہے وہ مباد اخون سیاوش - دیگر از پردہ بجوشد - سیاوش کا تقدیر مشہور ہے کہ وہ بگیناہ اپنے سرے افزایاب کے ہاتھ سے مارا گیا تھا؛ اور اسکے خون کے بال میں تمام ملک کشت و خون میں مبتلا رہا۔ کہتا ہے کہ اسے مفتیو! شراب بھی بڑی عزیز چیز ہے؛ لیکن زمین پرست گراؤ؛ ایسا تو کہ خون سیاوش بہر حشر مارے۔

از رشک کرد آنچه بین دوزگار کرد در خشکی نشاء بر او دید - خوار کرد

یہ نازل غالباً اُس زمانے میں لکھی گئی ہے جب قواعد الت کے مواخذے میں پھنس گئے تھے۔ یعنی

برائے نے جب مجھ کو دیکھا کہ سنگی آدمیت میں بھی غش ہے تو مجھے ذلیل و خوار دیا کہ تیرے خوش رہ گیا۔
 درد دل ہی زینتِ سنِ بدستِ چرخ چوں دید کاں نمازِ نماں - آشکار کرد
 یعنی میری دانش و بینش کے سبب مجھے آسمان پوشیدہ کینہ تو رکھا ہی تھا؛ اب جو دیکھا کہ وہ کینہ
 لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہے تو آسمان کھل کیلا اور علانیہ دشمنی کرنے لگا۔

لڑ گشتِ مر مر و کشتی شکستِ موج دانا خورد و دریغ کہ ناداں چہ کار کرد
 یعنی جو کچھ ہوا وہ میری نادانی سے نہیں بلکہ فضا و قدر کے حکم سے ہوا۔
 نو سیدی از تو کفر و تورانی نہ بکفر نو سیدیم و گریہ تو امیدوار کرد
 حاصل شعرا یہ ہے کہ حقیقت میں ہوں تو نا امید گر چہ کہتے نا امید ہونا کفر ہے اور تو کفر سے
 رہتی نہیں اس لئے مجبور اپنے تئیں امیدوار بنایا ہے۔

بشرع آید حق سچو - و مجنوں کم نہ بارے دانش با عمل است - آنا زبان با ساراں
 یعنی شرع سے یہی تعلق رکھ اور خدا کو یہی ڈھونڈو؛ آخر تو مجنوں سے تو کم نہیں ہے کہ اسکا دل تو عمل
 میں اٹکا ہوا ہے؛ مگر زبان کو ساراں سے سروکار ہے۔ یعنی ساراں سے باتیں کر رہا ہے اور
 بول بلی سے لگا ہوا ہے۔ شرع کو ساراں سے اور حق کو عمل سے متبیل ہی ہے اور یہ نہایت
 عجیب تشبیل ہے اور شعر نوادرا نکھار سے ہے۔

نذر اوقت پرش نیت - گنہم - گنہم را بختا کہم جان بربہم دستاں از زبان ارد
 گنہم یعنی میں نے کہہ دیا ہے، یا میں کہے دیتا ہوں۔ کہ یہ پرستش کا وقت نہیں ہے؛ تو غالب کے
 حال سے درگزر اور پرستش کا خیال چھوڑ دے۔ کیونکہ اسکی جان لبوں پر ہے اور دستاں زبان پر

مبادا وہ اپنی دروازہ گنبدستان میان کرے اور داستان کے ساتھ ہی اسکی جان بھی نکل جائے۔
گویند مسلمان تم یہ کرد از کفر تا دامنند کہ خود فروشیہای بخشش بزرگوار نہ

مسلمان کا قتلہ مشہور ہے جو پہلے عابد تھا پھر فریق و فجور میں مبتلا ہو گیا یہاں تک کہ کفر تک نوبت
پہنچ گئی پھر متنبہ ہوا اور کفر سے توبہ کی۔ کہتا ہے کہ مسلمان کا کفر سے توبہ کرنا مشہور ہے۔ وہ عجیب
نادان بندہ ہے جسے دین کی خود فروشی کے سبب خدا کی بخشش کو پسند نہ کیا یعنی خدا کی خالص
بخشش تو وہ تھی کہ وہ توبہ نہ کرتا، اور کفر ہی پر مڑتا، اور پھر خدا اسکو بخش دیتا، اور اب جو وہ بتا چکا
تو بخشش دین کی قیمت ہوگی پس گویا اسنے دین کی خود فروشی کے بھروسے پر خدا کی خالص بخشش
کو پسند نہ کیا۔ خوش کردن کے معنی میں پسند کرنا۔

آں خود یہ بازی سے برزد وین دو خوبی نشمرد
بنو دیش میں خندہ زدہ اور دیش میں خوش کرد
باسن میا ویزا سے پدر فرزند آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگان خوش کرد
میا ویزا یعنی مجھے جھگڑا است کہ فرزند آذر را برابر اہم علیہ السلام۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔
بڑا منعموں ہی نہیں ہے بلکہ مرزا کے حسب حال بھی ہے؛ کیونکہ جہاں تک ہلکو معلوم ہے۔ مرزا
کے والد سنی المذہب اور خود مرزا اثنا عشری تھے۔

درستم حق ناشناس گفتن از انصاف است
آں کہ چندین تکیہ بر علم خداوند شن نمود
کہتا ہے کہ اُس ظالم کو حق ناشناس کہنا انصاف نہیں ہے جبکہ خدا کے علم پر استغناء بجز اسے
کہ اس کے بھروسے پر ظلم کئے چلا جاتا ہے؛ اور اس کے مواخذے سے نہیں ڈرتا۔

با خود گفتم نشان اہل معنی باز گوے
گفت گفتارے کہ با کردار پوزیش نمود

عالمی
نہانی

کونی

اخلاق

دور باش

بہر خواری بسکہ سرگرم تلاشم کردہ اند
 پارہ تزدیک در ہر دور باشم کردہ اند
 دور باش - ہر بخوبی کی آواز کو کہتے ہیں - جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے نقیب پکارتے پلتے ہیں
 کہتا ہے کہ مجھ کو جوتضاوت کرنے سے سرگرم تلاش کیا ہے اُس سے مقصود میرا خواہد ذلیل کرنا ہے۔ پس
 راہ تلاش میں جو دستکار مجھ پر پڑتی ہے اُس سے ظاہر ہے کہ میری ذلت و خواری زیادہ ہوتی ہے ؛
 اور اُس طرح جو امر میرے سرگرم تلاش کرنے سے مقصود ہے وہ حاصل ہوتا ہے۔ پس گو بہر دور باش
 میں کسی قدر مقصود کے نزدیک ہوتا جاتا ہوں ۔

دور باش

نقیب

شاہ خانہ

چرخ ہر روزم غم فردا بخور دن میدہ
 تاقیامت فارغ از فکر معاشم کردہ اند
 از چہ غالب خواجگہا ہی جہاں ننگ بست
 گزہ با سلمان و تو در خواجہ باشم کردہ اند
 بخشم نامر میگوید از لطف گفتارش
 گماں دادم کہ حرف و نشینی بعد ازیں گوید
 لطف گفتار کی تعریف اس سے بہتر کسی پیرائے میں نہیں ہو سکتی۔ کہتا ہے کہ مشوق غمتے میں برابر
 مجھ کو برا بھلا کہتا ہے مگر اُس کے لطف کلام سے میں ہمیشہ اسی امید میں رہتا ہوں کہ اب کوئی اتنی بات
 کہتا ہے، اب کوئی مہربانی کا کلام اسکی زبان سے نکلتا ہے۔

دور باش

شاہ خانہ

دل از پیلو بردن آرم جہش عالم خود انگار
 و گنختے برافشام سلیمانیش نگین گوید
 اپنے دل پر فخر کرتا ہے کہ اگر اُسکو پیلو سے نکال کر دکھاؤں تو جہش اُسکو اپنا جام جہاں میں سمجھے ؛ اور اگر
 اُسکا ایک لختہ نکال کر ڈال دوں تو سلیمان اُسکو قائم سلیمانی کا نگین بتائے۔
 من بہ دفا مردم و رقیب بدرزو
 نیمہ لبش انگین و نیمہ تبرزد
 ہرزد یعنی نخل بھاگا۔ تبرزد - معری - کہتا ہے کہ میں تو نباہ کر اکر تار گیا اور رقیب نخل بھاگا۔ گویا

عاشقانہ

شکوہ

بی بی

امتحان

تصوف

عاشقانہ

تصوف

مشتوق کا اوجھالب شہد تھا کہ میں ایسے بچنس کر رہ گیا، اور آدھا مصری تھا کہ قریب سے آگیا۔
دعویٰ اور ابودلیل بدیہی خندہ دندان منا بجن گہرزد

کتے بڑے خیال کو کہن مختصر لفظوں میں اور بچکر کس صفائی اور خوبی سے ادا کیا ہے۔ کتاب ہے کہ
مشتوق موتی پر اس طرح ہنسا کہ اسکے دانت نکل آئے۔ پس اسکا خندہ گویا اس بات کا دعویٰ
ہے کہ موتی کی کچھ حقیقت میرے دانتوں کے سامنے نہیں، اور اس دعویٰ کی دلیل اسکا خندہ
دندان نہا ہے، کیونکہ اسکے دانتوں کا سب پر ظاہر ہو جانا یہی اس بات کی دلیل ہے کہ موتی آپکے
دانتوں کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ پس اسکے دعویٰ کی دلیل نہایت بدیہی اور ظاہر ہے۔

نہم جہیں بدرشق ستاں گردانہ نشنیمش ہر سیرہ عنان گردانہ
آساں گردانہ یعنی چو کھٹ کے پتھر کو الٹ کر اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا رخ اوپر کر دیتا ہے۔

تو نالی از خلیہ خار و سنگری کہ سپہر سہر حسین علی برسناں گردانہ
برو بشاردی و اندوہ دل منہ کہ قضا چہ تر عہد بر لب امتحاں گردانہ
یزید را بہ بابا غلیفہ نشاند کلیم را بہ لباس شباں گردانہ
تینت ز فرق تابہ گلویم رسیدہ باد شوخی ز حد گذشت ز بانم بریدہ باد

اول یہ آرزو کرتا ہے کہ تیری تلوار میرے سر پر چڑھے اور طوق تک اتر جائے۔ پھر یہ سمجھ کر کہ برتہ ہر شخص کو
نصیب نہیں ہو سکتا۔ کتاب ہے کہ گستاخی حد سے گزر گئی میری زبان قلم ہو جیو۔

گرفتہ ام ز کوئے تو آساں ز رفتہ ام ایں تھنہ از زبان غریزاں شنیدہ باد
ذوقیت ہمدی بقباں۔ بگزم ز شکر خاور بہت پیاسے غریزاں خلیدہ باد

یعنی اگر چہ پیرے عشق میں دوسرے کی شرکت گوارا نہیں مگر چونکہ کئی آدمیوں کے ملکر نالہ و فریاد کرنا
میں عجب لطف ہے اس لئے میں رشک سے قطع نظر کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ مدح و خیر بہت
پاسے عزیزاں خلیدہ باد۔

دستِ زدن منت بسیار نہادند بر دند سراز دوش و سبکدوش نکر دند
یعنی تمہارے سزاوارک بھی معشوق نے سبکدوش نہ کیا پہلے سر کا بوجھ تھا اب اس احسان کا بوجھ
ہے کہ اپنی تمہارے یہ بے قدر سزاوارک ہے۔

روز یکہ بے زور و بے شور رفتند اندیشہ بکارِ خرد و ہوش نکر دند
یعنی شراب کا نشہ اور نے کی آواز کا درد۔ دونو عقل و ہوش کے دشمن ہیں۔ پس حبیب کا کہنا
تقصا و قدر نے شراب میں زور اور نے میں شور و دلیت کیا تھا اس وقت عقل و ہوش کے
انجام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

تاجر شوق ہاں رہ تجارت زود کردہ انجام و سرمایہ بغارت زود
یعنی شوقِ الہی کا تاجر اس دے نہیں چلتا کہ جو رسد چلتے چلتے ختم ہو جائے اور اس رستے
میں سرمایہ کو ٹانہ جائے۔

رمزِ بناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد محرمِ آنست کردہ جز باشارت زود
کتاب ہے کہ ہر نکتہ یعنی کائنات کی اونٹوں سے اونٹ چہیز ہیں ایک ادا یعنی ایک معنی یا ارچھا ہوا
ہے۔ پس ہر چیز کی رمز کو سمجھنا چاہئے؛ کیونکہ محرمِ راز وہی شخص ہے جو بغیر اُدھر کے اشارے کے
ایک قدم نہیں اٹھاتا۔ یعنی جو کچھ نیچر کھاتی ہے اس کے موافق عمل کرتا ہے۔ کھانے میں پانی نہیں

تجربہ

وصف
نہ

تجربہ

تجربہ

سونے میں، جاگنے میں؛ غرض کہ ہر کام اور ہر چیز میں تجرپ کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔

زاہد از جو بہشتی بجز اس نشاند

دست زد شوق ہر نامیتی شوق کے زیر مشق ہوتا۔ غلامی طلب یہ کہ زاہد شریعت کے تمام احکام

انکے حقیقی معنی مراد لیتا ہے اور کسی بات کو تمثیل و استعارہ و کنایہ پر محمول نہیں کرتا۔

بیاؤ جوشِ تنائے دیدم بنگر

چو آتشکِ سرِ مژگاں چکید نم بنگر

کتاب ہے کہ آ۔ اور دیدار کی تمنا جو میرے دل میں جوش مار رہی ہے اُسکو دکھ۔ اور پلوں کے رتے

سے آنسو کی طرح میرا ٹپکنا ملاحظہ کر۔ جوشِ تنائے دیدار کی تصویر اس سے بہتر غالباً کسی نے

نہ کیچھی ہوگی کہ دینِ آنسو کی طرح پلوں کے رتے سے پکاجاتا ہوں۔

زمن بچیم طپیدن کنارہ سے کردی

بیا بنجاک من و آرمید غم بنگر

دوسیدانہ و بالید و آشاں گہ شد

در انتظار ہما دام چید نم بنگر

کتاب ہے کہ ہمارے انتظار میں میرا جاں بچانا تو دکھید۔ جو دانہ جال کے نیچے ہمارے پھنسائے

ڈالا تھا دو آگ اور بڑھا، اور یہاں تک بڑھا کہ آہیں گھونٹے بگٹے، مگر ہمارے دام میں نہ آیا۔

اسے ذوقِ نوابخی بازمِ بخروش اور

خون غامے شیم خونے بر بنگر ہوش اور

گر خود بخت از سر از دیدہ فرد بارم

دل خوں کن و آن خوں از سر بخوش اور

ہاں مہم فرزانہ دانی رور ویرانہ

شمع کہ نخواہد شد از باد خاموش اور۔

دیرانہ یعنی غریب خانہ۔ جو شمع کہ ہوا سے نہ بجھے گی یعنی شراب۔

شراب تہا اس وادی تلخست اگر راوی

از شہر بسوے من سرخندہ نوش اور

کتاب ہے کہیں جس راہی میں ہوں یہاں کا پانی تو تلخ ہے اسے ہم فرزند اگر تو دنیا میں ہے تو شہر سے
میرے لئے سرخینے نوش یعنی شراب لا۔

دائم کوڑے داری۔ ہر جا کوڑے دیا ۔ مے گر نہ ہر سلطان از بادہ فروش آور
گرنغ بہ کہ ویر نہ برکت نہ ورا ہی شو ورشہ بسیدو بخشد برادر و بدوش آور
کتاب کہ تیرے پاس دام بھی ہیں، اور تو سب جگہ آتا جانا بھی ہے؛ اگر بادشاہ عطا کرے تو فہما۔
درد بادہ فروش سے لا۔ اگر نغ (آتش پرست) یعنی بادہ فروش تو نبے میں ڈال دے تو تو نیا باتو
رکھ اور چلے۔ اور جو بادشاہ گھڑا بھر کز غنایت کرے تو کندھے پر اٹھا اور لے آ۔

ریحاں درد از مینار آش چکد از غلغلہ آں در رجیم انگن این پے گوش آور
رامش۔ ماگ۔ آں سے مراد ریحاں اور ایں سے مراد غلغلہ۔

گاہے بسکدستی از بادہ ز غلشیم بر گاہے بسیستی از نمہ ہوش آور
گاہے بسکدستی یعنی کبھی جلدی سے ٹھکاو شراب پلا کر مدہوش کر دے اور پھر حب میں بہست
ہو جاؤں تو ٹھک کر گانا سنا کر مہوش کر دے

غالب کہ بقایش بادہ ہمایے تو گر ناید بارے خولے، فردے ازان مہوش آور
ہمایے تو یعنی ہمراہ تو۔ مہوش پرش ادنیٰ کپڑے پہنے والا۔ فرما جاڑے میں روئی دار کپڑا پہننے
تھے؛ اکثر ادنی یا پیشینے کا چھڑ کوٹ اور ٹوپی وغیرہ پہنتے تھے۔

یقین عشق کن واز سر گمان بر خیز بآشتی بنشیں یا بہ امتحال بر خیز
چرا بہ سنگ و گیاہ عجیبی اسے نہایت طور زرا و دیر و بدل در موزن جاں بر خیز

زبانہ شعلہ و جلی جو سنگ و گیاہ یعنی کوہ مارا و نخل امین پر ظاہر مونی تھی اسکی طرف خطاب کرتا ہے کہ اسے شعلہ بطور پتھر اور درخت سے جو کہ تیرے قابل نہیں ہیں کیوں لپٹتا ہے؟ ہمارے کلمہ کی راہ سے دل میں اترا اور جان سے بچ کر اُٹھ۔

عیادت است نہ پر خاش تند خوئی صیت! بیاؤ، غمزہ نشین، لب گزاں بر خیز۔
معشوق عیادت کو آیا ہے اور عاشق کا حال نہایت یتیم و کھیکرے لطف ہوا ہے اُس سے کہتا ہے کہ تو عیادت کے لئے آیا ہے، رطائی کے لئے نہیں آیا، پھر یہ تند خوئی اور مزاجی کیسی ہے؟ یہاں اگر بے لطفی کے سوا اور کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ پس آ۔ اور غموم بیٹھے۔ اور ہونٹ کاٹتا ہوا اُٹھ۔

نفس چون بول گرد و دیوراں بغیراں گیر۔ محرم سلیمانم نقش خاتم از من پر
کہتا ہے کہ جب نفس مغلوب ہو گیا پھر جن کو محکوم کر لیا آسان ہے۔ میں سلیمان کا محرم راز ہوں، کیا آگوشی پر پی نہیں گذر تھا جس سے تمام جن اس کے محکوم تھے۔

بوسہ از بانم دہ، عمر خضر از من خواہ جام نئے بریشتم نہ، عشرت جم از من پس
ور دین بود غالب، یا علی بو طالب نیست بخل با طالب، اہم عظم از من پس
کہتا ہے کہ میرا وظیفہ یا علی ابن ابی طالب ہے، مجھ کو طالب صادق سے کچھ بخل نہیں ہے، اہم عظم مجھے پوچھو کہ کسی ”یا علی“ اہم اعظم ہے۔

لطفہ تجت ہر نگہ خشمگین شناس آرایش جبین شگفاں ز چین شناس
بے غم نہاد مرد گرامی نئے شود ز نہار قدر خاطر اندوگہیں شناس
ز نہار کے معنی یہاں ضرور بالضرور کے ہیں یہ لفظ جب منی پڑتا ہے تو ہرگز کے معنی ہوتے ہیں

عاشقانہ

اخلاق

مردانہ

عاشقانہ

اور جب امر پڑتا ہے تو ضرور کئے معنی دیتا ہے۔

دور ہوائے متن بہت، آسائیاں میدش
ویدہ بر خواب پریشان و جہانِ میدش

دنیا وافیہا کا بیج ہونا بیان کرتا ہے؛ اور کہتا ہے کہ ایک خیالی دھواں اٹھ کر شاید سا بگیا
ہے اسکا نام آسمان رکھ لیا، اور تاکہ کو ایک پریشان خواب نظر آیا اسکو جہاں سمجھ گئے، اسی طرح
ایکے بعد کے کئی شعروں میں اسی معنیوں کی تفصیل ہے۔ مثلاً

دہم خاکے نیت در چشم بیابانِ میدش
قطرہ بگداخت۔ بجز بیکرانِ میدش
باد داس نہ در آتش نہ ہزارانِ میدش
داع گشت آل شعلہ درستی خزانِ میدش

جو کہ زہار میں تمام جذباتِ فحشانی جوش میں آتے ہیں، اور عشق و ہوس کی تحریک ہوتی ہے؛
اس لئے ہمارے کو آگ سے تشبیہ دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ ہوائے آگ کو داس سے سلگایا میں نے اسکو
ہمارے قرار دیا، اور جب وہ شعلہ جل نہجائے تو میں نے اسکا خزان نام رکھ دیا۔

غریب نامساؤں کا راند۔ وطنِ نصیبِ میدش
کردنگیِ حلقہ دوام۔ آشیانِ میدش

کہتا ہے کہ جب پردیس میں مجھے تکلیفیں پہنچنے لگیں تو میں اسکو وطن سمجھا، گویا جب دام کے حلقہ نے
انگلی کی تو میں اسکو اپنا آشیانہ سمجھ گیا۔ مطلب یہ کہ وطن میں اس قدر بے مہری اور مغالطہ کوکول
سے دلچسپی تھی کہ جب پردیس میں مجھ کو اس نہ آیا تو میں نے اسکو بھی وطن ہی تصور کر لیا۔

بردور پہلو پہنکے کہ دل سے گفتیش
رفت از شوخی بایئے کہ جانِ میدش

میاں ہر کی ضمیر مشرق کی طرف راجع ہے، کہتا ہے کہ وہ میرے پہلو میں ایسی تکیں کے ساتھ
بیٹھا تھا جس طرح پہلو میں دل بہتا ہے۔ اور وہ شوخی سے اٹھ کر اس طرح چلا گیا کہ میں اسکو

دور ہوا

نصیب
نصیب

نصیب

نصیب

نصیب

عشق

زبان کہ اٹھا۔ یعنی جو جان کے جانے سے کیفیت ہوتی ہے وہی اُسکے جانے سے ہوئی
 حل زباں دراز دان آستائے نہایت گاہ بہاں گفتش گاہے فلان نامیدش
 در سلوک از ہر چیز پیش آمد گذشتن ششم کعبہ دیدم نقش پائے رہروان نامیدش
 دل در غمش بسوزا کہ جاں میدہد عرض در جاں دی تھے بہ ازاں میدہد عرض
 بنو سخن سرائی مارا گاہ کہ دوست دل می برد زنا و زباں میدہد عرض

کتاب ہے کہ یہ سخن سرائی ہکو مفت نہیں ملی ہے؛ بلکہ دوست جب دل لے لیتا ہے تو اُسکے عرض زبان
 عنایت کرتا ہے۔ زبان کو دل کا عوض قرار دینے میں شاعر نے طاقت یہ رکھی ہے کہ کئی الحقیقت
 جب تک انسان کہیں دل نہیں دیتا اور عاشق نہیں ہوتا تب تک زبان میں گرمی اور شعلہ بانی
 پیدا نہیں ہو سکتی؛ خواہ عشق مجازی ہو اور خواہ عشق حقیقی۔

 زندان
 زندان
 نصرت

مرا کہ بادہ ندامت ز روزگار چہ خطا ترا کہ بہت دنیا شامی از بہار چہ خطا
 خوش است کوثر و پاکست بادہ کہ دوست از ازل رحمت مقدس دریں غار چہ خطا
 چمن پر از گل و نسرن و دلرانی بہشت فتنہ ازیں گرد بے سوار چہ خطا

چمن پر از گل و نسرن سے مراد دنیا ہے؛ اور دلرانی سے مراد وہ فتنے بے نشان ہے جو دیر اور فتنے
 سے باہر ہے۔ کتاب ہے کہ اس فتنہ خیز و شست یعنی دنیا میں۔ جہاں قدم قدم پر رانہ زن اور فراق
 گعات میں لگے ہوئے ہیں۔ اس گرد بے سوار سے کیا مدد پہنچ سکتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب راہ میں سازگار

۱۴ جہاں اور تلاش دو نومردت یکدیگر پس۔ جب کسی کا نام مرفوع نہیں لیتا تو وہاں یہ الفاظ نو لے جاتے ہیں۔ اور اس سے
 مستحق پر تو یہ شخص یا امکا و تمکا بولتے ہیں ۱۴

خطرہ ہوتا ہے اور اس کی لگت کے لئے کوئی سوار آتا ہے تو اول گرد نظر آتی ہے! پھر سوار نمودار
ہوتا ہے مگر اس دشت میں گرد مٹی اٹا رہا ہے تو سب موجود ہیں مگر سوار کا کہیں پہنچ نہیں
پہنچیں کہ نخل بلند سے سنگ پڑا زریہ تارہ فتنہ خود ز شاخار چہ خط
یعنی جیکہ نخل اس قدر بلند ہے اور پھل جھانسنے کے لئے پتھر پائید ہیں تو جب تک یہ وہ خود
دشت سے نہ گرے۔ یعنی جب تک جاؤ بہ عنایت ہکو خود اپنی طرف نہ گھنچے اور شاہ جنتی
خود اپنی بھلکی نہ دکھائے۔ ہکو کیا فائدہ؟

نہ مراد دولت دنیا۔ نہ مرا اجر جہیل نہ چو عز و توانا۔ نہ تکیا با جو خیل
بہ نہ دبار پر شبگیر در افگندہ براہ انکہ دشت سر سبکی صبح خیل
بہ نہ دبار۔ ساز و سامان شبگیر بھیل رات۔ یعنی جو شخص جانتا ہے کہ کوچ کی صبح کو کیسی گھبرا
اور کھل ملی پڑتی ہے وہ رات ہی سے تمام ساز و سامان باندھ جوڑ کر رستے کے سرے پر
ڈال دیتا ہے۔

نہ کنی چارہ لب خشک سلمانے را اسے بہ تر سا بچکاں کو دے نہ آبیلی
یہ خطاب ہے خدا کی طرف۔ معنی ظاہر ہیں۔
غالب خستہ جاں را چہ گشتار آری بدیارے کہ نہ اند نظیری قاتل
نہ اند نظیری قاتل یعنی نظیری اور قاتل میں فرق نہیں کرتے۔

ہکے بچید بہ خویش جادہ ز گزائیم رہ بدرازی دہر عشوہ کوتاہیم
ایک منقول بات کو محسوسات کی تمثیل میں ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ طریق سرفروشی

تصوف

تصوف

نہ اند

ماہر دانی

تصوف

تا بلکہ میں؛ یا یوں کہو کہ اس رستے میں گمراہ ہیں؛ وہ معرفتِ الہی کو اس قدر دشوار نہیں سمجھتے جس قدر عرفا اور گنجل ادیا سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کو یوں بیاں کرتا ہے کہ میری گمراہی کی شامت سے راہ اپنے اوپر اس طرح بل کھاتی ہے جس طرح رستی یا ڈھور زیادہ بل کھائے سے چھوڑا ہو جاتا ہے پس وہ یعنی راہِ معرفت باوجودیکہ بہت دور و دراز ہے مجھ کو کوتاہی کا شوق یعنی فریب دیتی ہے۔

شعلہ چلے عزم کراگل تنگدزد کو شمع شبستانیم۔ بادِ سحر گاہیم
اپنی مصیبت اور اپنی فیض رسانی اور اسپر لوگوں کی بیدردی اور ناقہ قدرانی ظاہر کرتا ہے کہتا ہے کہ میں گو یا شمعِ شبستانی ہوں کہ ایں سے شعلہ جھڑتے ہیں مگر کسی کو اسکے ساتھ ہرگز نہیں۔ اور گو یا میں بادِ سحر گاہی ہوں جو بھول کھلاتی ہے مگر اسکی اجرت کوئی نہیں ادا کرتا۔
اوصافِ طفلان و تنگہ شوقِ بزرگ زود ز کو نگدزد کو کبشتا ایم
یعنی میری شانہ سواری کو بچے سے جلد نہیں گذرتی کیونکہ لوگوں کے ہجوم اور تھروں کے ستر او سے راہ تنگ ہو جاتی ہے۔

جذبہ تو باید قوی کاں برد بال نیست گرتواند رسید بخت بہر ایم
کہتا ہے کہ تیرا جذبہ قوی چاہئے جو مجھ کو منزل تک لیجائے۔ پس نصیب اگر میرے ساتھ نہ چل سکے تو کچھ حرج نہیں۔

غالب نام اہم نام و شام میر ہم اسد اللہ ہم
بر لبِ باغ علی سرے۔ بادِ رواں کردیم مشربِ حق گزیدہ ایم عیشِ منان کردیم
ہم اسد اللہ ہم ہم اسد اللہ ہم

روانہ کردہ ایم یعنی جاری کردہ ایم سکتا ہے کہ چونکہ لب پر یا علی جاری ہے اس لحاظ سے
تو ہم نے مذہب حق اختیار کیا ہے ؛ اور چونکہ اسپر شراب جاری ہے اس لحاظ سے منوں یعنی
آتش پرستوں کا ساعیش کرتے ہیں یعنی دنیا اور دین دونوں کو حاصل میں۔

بادہ بوم خوردہ وزیر بقمار باختہ وہ کہ زہر چہ نامرست ہم منبر کو دیکھ
یعنی شراب پینا اور روپیہ ضائع کرنا تو بڑا تھا ہی ؛ ہنسنا بڑائیوں کو بھی خوبی کے ساتھ دیکھا
شراب پی تو قرض کی ، اور روپیہ کھنڈیا تو جوئے میں۔

نادر بگستہ ایم - دلغ بدل ہفتہ ایم دولتان تمسکیم زربختہ زانہ کردہ ایم
اور طبیب فکستہ ایم یعنی اسکو متحد سے نہیں ٹکھنے دیتے ، اور ضیاء کرتے ہیں ، اور دلغ کو دل میں
چھپائے رکھتے ہیں ؛ ہم دو قلمند تو ہیں مگر غسیس ہیں اپنی دولت کو خزانے میں رکھتے ہیں۔

گرفرا موشی بفریادم سہر وقت قوت رفتہ ام از خوشنشین چند انکہ دریا چو دم
کتاب ہے کہ میں اپنے آپ سے تو گنہ گر گیا ہوں مگر ابھی آپسے کو بھولا نہیں ہوں اگر فراموشی
ابوقت میری فریاد کو پہنچے اور آپسے کو بھلا بھی دے تو بہت مناسب ہے۔

ہر قدم گئے ز خود رفتن بود دریا بن ہرچو شمع بزم در راہ قنار او خرم
کتاب ہے کہ راہ قناریں جو کچھ کہ میرے بار یعنی غور جی یا زنبیل میں ہے وہ صرف یہی ہے
کہ ہر قدم پر تھوڑا تھوڑا اپنے آپ سے دور ہوتا جاتا ہوں ۔ گویا جس طرح کہ شمع راہ قنار
میں آپ ہی اپنا راہ راہ ہے کہ برابر بگھلتی جاتی ہے اور راہ راہ کی طرح بیڑتی جاتی ہے ۔
طرح میں بھی آپ اپنا راہ راہ ہوں ۔

عاشقانہ

یاد باداں روزگار کا اعتباری شتم آہ آتش ناک و خیم شکبارے دشم
 جوانی کے زمانے کو یاد کرتا ہے۔ جبکہ بواہوسی یا عشق و محبت زور و شور پر تھا، آہ آتش ناک
 تھی اور آنکھ اٹکبار۔

یہودی
عاشقانہ
تقوٰت

دیگر از خویشم خبر نمود تحلف بر طوت
 ایں قدر داتم کہ غالب نام بارے دشم
 ایں چہ شورست کہ از شوق تو در سرام
 دل پروا نہ تو کمین سندر دام
 اں چرا در طرب ایں چہ بود مست
 خندہ پر غفلت درویش تو نگر دام
 کتا ہے کہیں درویش اور تو اگر دونوں کی غفلت پر ہنستا ہوں جبکہ دنیا کا طریقے نصیب
 دونوں ہی ہیں تو ایک خوش کیوں ہے؟ اور دوسرا ریخیدہ کس لئے ہے؟

نباہ

راز دار تو وہ بد نام کن گردش چرخ
 ہم پاس از تو وہ ہم شکوہ را خبر دام
 خدا سے کتا ہے کہ جو تجھے تکلیف پہنچتی ہے اسکی مصلحت کو خوب سمجھتا ہوں؛ مگر آسمان کی ہدایت
 کرتا ہوں۔ پس در حقیقت تیرا احسان مند ہوں مگر بیظاہر تارے کا شکوہ گزار۔
 خوشنودم از تو روز بے دور باش خلق
 آوازہ جفا سے تو در عالم فگنم
 کتا ہے کہ میں نے تجھ کو جفا کا راس لئے مشہور کر رکھا ہے کہ اور کوئی تیری طرف رغبت نہ کرے
 ورنہ میں در حقیقت تجھے ہر طرح راضی اور خوشنود ہوں۔

عاشقانہ

ظرفیت
انسانی
عاشقانہ

دوزخ و گہر فیض زمیں اب آسماں
 حاشا کہیں فشار درابر و خم انگنم
 ہم بیالم زابل عالم پر کساد افتادہ ام
 بیخوں امام سجد بیروں از سماں افتادہ ام
 ز من خذر کنی گر لباس دین دارم
 نفقہ کا فرم و بت در پستل دارم

اس شعر کے مصداق وہ مکار اور ریاکار لوگ ہیں جنکو مشرعی اور مقدس سمجھ کر ان کے آگے کوئی بات نہیں یا یہی تہذیبی یا رزمشرابی کی کتے ہونے شرم آتی ہے؛ مگر انکو ذرا منہل کر دیکھئے تو وہ تنہی کی اوجھل ٹیکار کھیلنے والے نکلتے ہیں۔ اس میں خطاب معشوق کی طرف ہے جو زعفران ہونے کے سبب مقدس آدمیوں کی صحبت سے بھاتا ہے۔

سچ

نشد ام گہراتی چاہراہ و بنوز ہزار دزد بہر گوشہ و کیں دام
ہمنوز کہ فطایاں ایسا ہے جیسا اردو میں دہام، یا دہا وجود دیکھے، ہوتے ہیں بکٹا
کریں امیروں کی طرح سرائی کے لحاف سے تو ایسا ہوں جیسے شاہراہ میں ایک گدا بیٹھا ہو
مگر اس لحاف سے کوئی میرے معنوں چراتے ہیں۔ میرا مال ہے کہ ہزاروں چوٹے پیری
گمات میں لگے ہوئے ہیں۔

نشد

زود عدد و درخیاں را خروں نیاز اند تو فے محب ادا آہ آتشیں دام
گمنا ہے کہ اہل دوزخ کو ظاہر ہے کہ عیاد معین سے زیادہ دوزخ میں نہ کھینکے؛ پس اس خیال سے
میں اپنی آہ آتشیں سے ایک عجیب توقع رکھتا ہوں؛ یعنی یہ کہ آہ آتشیں بھی ہمیشہ نہ ہے گی
پس توقع کو عجیب بس لئے کہا ہے کہ اسکو بھی دوزخ پر قیاس کر کے اس سے آخر کار نجات
کا امیدوار ہے۔

جواب خواجہ نقیری نوشتہ ام غالب
خطا نودہ ام چشم آفریں دام
دوسرا شعر نقیری کا ہے جس کا پہلا اہل مصرع یہ ہے "ملا بہ سادہ دلہا سے من تو ان بخشید"
نقیری کا یہ شعر ہے رتبہ کا ہے؛ مگر حق یہ ہے کہ مرزا نے یہ مصرع قنین کیا کیا ہے گویا اسکو

تیسین لیا ہے۔ مرزا کے قطع کا مطلب اب یہ ہو گیا کہ نفیس رہی کی غزل پر غزل کہنی تھی تو
خطا۔ مگر میں نے اسپر ایسی غزل لکھی ہے کہ اپنی اس خطا پر آفریں کا اسید دابھوں۔

بیا کہ قاعدہ آسمان بگردانم قضا بگردش رطل گراں بگردانم

مستوق سے کتا ہے کہ تو آتا تاکہ آسمان کا یہ قاعدہ کہ وہ دوست کو دوست سے نہیں ملنے دیتا
ہم ہم دونوں ملکر لٹ دیں؛ اور حکم قضا کو رطل گراں یعنی جام شراب کی گردش سے پھیر دیں

بگوشہ بنشینیم و در منہ راز کنیم بکوچہ بر سریرہ پاسباں بگردانم

دور فرار کنیم یعنی دروازہ بند کر دیں اور چوکیدار کو حکم دیں کہ کوچے میں پھرتا رہے اور کھینچ کر آئے
اگر زخمنہ بود گیر و دار زندیشیم

اگر کلیم شود ہجر باں سخن نہ کنیم

گل افکنیم و گلابے بر بندہ ریشیم

نیم و مطرب ساقی ز انجمن ریشیم

گئے بلا بجن با ادا بیامینم

لا بہ تعلق و خوشامد سخن کو ادا کے ساتھ ملانا راؤ چاؤ اور راز و دنیا زکی باتیں کرنا۔

نیم شرم بیک سوڈ با ہم آویزم

ز جوش سینہ سحر انفس فرو بندیم

یعنی احتلاط کے موقع پر ہم دونوں ایسے زور زور سے سانس لیں کہ صبح کا دم بند کر دیں، آواز نکالنا
طلوع ہونے دیں، اور دن کی گرمی کی بلا جہاں سے ٹال دیں۔

ہو ہم شب ہمدرد غلط سمجھا دیم زخمی رہ زخم را باتشیاں بگردیم
یعنی سب کورات کے دھوکے میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ چرواہے کو ریڑھ پر سے اڑھتے
سے شہر کی طرف اٹا پھیر دیں۔

بجنگ باجستانان شاخاری را تھی سب زور و طاقتاں بگردیم
یعنی جو لوگ درختوں سے سیوہ اور فواہر کی ڈال لینے کو آئیں انکو ڈکرائی کے باہر سے خالی حال
کے ساتھ پھیر دیں۔

پہلے ہال نشانان صبحگاہی را دشاخار سوے آتیاں بگردیم
یعنی جو پرندے صبح کو گھونسلوں سے درختوں پر آکر لگیل کرتے ہیں ان کو زخمی اور بچا کر کے
ساتھ گھونسلوں کی طرف لوٹا دیں۔

وحیدریم من و تو۔ و اعجب نبود گز آفتاب سوے خادواں بگردیم
کتاب ہے کہ ہم تم حیدری ہیں! ہم سے تعجب نہیں کہ جس طرح بقول بعض حیدر کرار سے معجزہ
رود آتش ظاہر ہوا تھا۔ ہم بھی آفتاب کو مشرق کی طرف واپس پھیر دیں۔

رفت برانچہ خود ما خداستیم وایہ از سلطان بغوغت اسخویم
فائدہ ہے کہ جب فقیر بادشاہ سے بھیک مانگتے وقت شور و غل کرتا ہے تو اسکو مار کر مٹا دیتے
ہیں اور کچھ نہیں دیتے۔ کتاب ہے کہ ہمیر جوختی گزنی وہ خود ہمنے ہی چاہی تھی! کیونکہ بادشاہ سے
بھیک مانگتے وقت غل شور بہت کیا! اس لئے وہاں سے دھمکارے گئے اور کچھ نہ ملا۔ سلطان
مراؤ خدا قاتل ہے۔

دانش و گنجینہ پنداری کیست حق نماں داواں چہ پیا خیر استیم

پنداری اور گوئی اور گویا کے ایک معنی ہیں۔ کتاب ہے کہ علم اور تجرا نہ گویا ایک ہی چیز ہیں؛ کیونکہ جو چیز جتنے علانیہ مانگی۔ یعنی دولت۔ وہ خدا نے حکم پوشیدہ طور پر دی۔ یعنی علم و ہنر۔

رفت و باز آمد ہما در دایم ما باز سر دادیم و عفت اخراستیم

کتاب ہے کہ ہمارے دایم میں بچس کر لیا گیا تھا پھر آن بچسا؛ اب چاہئے تھا کہ اسکی زیادہ گراں کرتے اور اسکو بچلنے دیتے؛ مگر ہم نے اسکو خود چھڑ دیا اور عفا کی خواہش کی۔ ہمارے مراد دولت و مال اور عفا سے مراد احدیت ذات۔

وختے در سفر از برگ سفداشت ایم توشہ نداد۔ دے بود کہ برداشتیم

دایع احسان قبولی لیا نشست نماز بر خرمی بخت ہنداشت ایم

قبولی اور قبول ایک معنی میں آتا ہے۔ خرمی بخت ہنرمینی ہنر سبزی بخت ہنر۔ کتاب ہے کہ مگر اپنے ہنر کی خوش نصیبی پر ناز ہے کیونکہ اسپر کیبزیں کی قبولیت کے احسان کا دایع نہیں یہاں خرمی بخت کا لفظ استہزا و ناسازی بخت پر بولا گیا ہے۔

زخم جگر بخیم و مرہم نہ پسندم موج گرم جنش و ز قمار ندانم

یعنی جس طرح زخم جگر بخیم و مرہم کی رسائی نہیں ہے اور آب گوہر کی موج میں جنش و ز قمار نہیں ہے؛ ایسا ہی میرا حال ہے۔ یعنی نہ کسی کو میرے درد کی خبر ہے؛ نہ میرے کمال کی اطلاع۔

نقد خروم۔ سکہ سلطان پذیریم جنس ہنرم گرمی بازار ندانم

غالب نبود کو حق از دوست۔ ہمانا زان ساں فدیم کلام کہ بسیار ندانم

یہی وہ اس طرح حاجت روائی کرتا ہے کہ اکثر مجھ کو شہوتیں ہوتا کہ کیونکر یہ کام بنگیا۔
 ذیل کی غزل نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے مکاں پر جو مشاعرہ ہوتا تھا اسیں پڑھی گئی
 متی۔ چونکہ دلی کے تمام نامور شعرا کا۔ جو وہاں فارسی غزلیں لکھ کر لجاتے تھے۔ مرزا نے
 اس غزل میں ذکر کیا ہے اور غزل بھی نہایت فصیح ہے اس لئے بطور یادگار کے ساری
 غزل یہاں نقل کی جاتی ہے۔

با پری چہرہ غزلان مردم ریم شاں	دل مردم بچم طرہ خم و رخ شاں
کا فراتند جہاں جوے کہ ہرگز نہ	طرہ حور و لاد و تراز پرچم شاں
اشکار کش، و دب نام، و کونامی جو	آہ ازیں طائفہ۔ و انکس کو جو مردم شاں
رشتک بر شہ تنہا ر و دودی و دم	نہ بر آسودہ دلاں حرم و دزیم شاں
بگذا راختہ دانے کہ غزالی ہش د	خشتکا مذک دانی و داری غم شاں

یہی اُن مصیبت زدوں کو جانے دے چکے تو نہیں جانتا، مگر خبردار رہ کہبت سے ایسے
 رفت زدہ ہیں چکے تو جانتا ہے مگر اُن کا کچھ غم تبھکو نہیں۔

فاغ غوں گرمی ایں چارہ گرا غم گوئی	آتش است آتش اگر نپہ و گرم شاں
ایکے راندی سخن از کلمتہ سحران جسم	چہ بامنت بسیار نہی از کلم شاں
ہند را خورش نفاستند سخور کہ بود	باد و خلوت شاں خشک شاں دم شاں
مومن و تیر و صہبائی و علوی۔ و آنگا	حسرتی اشرف و آزرده و عظم شاں
قالب سوختہ جاں گرچہ نیز و شہار	ہست و دزیم سخن مجھش ہند شاں

شاہد شاہ
 شاہد شاہ
 شاہد شاہ
 شاہد شاہ
 شاہد شاہ

بیدری
 و کرب
 و کرب
 و کرب
 و کرب

مومن یعنی حکیم مومن خاں۔ جنکے دیوان اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں موجود ہیں
 مشہور مینی نواب ضیا المالدین احمد خاں رئیس لوہارو۔ جنکا کلام دونوں زبانوں میں بقدر
 معتبر موجود ہے مگر کوئی دیوان مرتب نہیں ہوا۔ چھپائی۔ یعنی مولانا امام بخش۔ جنکی نظم
 نثر فارسی اور دیگر رسائل اور شروح تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ علوی
 مولانا عید اللہ خاں علوی استاد مولانا صہبائی۔ جنکی نظم و نثر فارسی چھپ چکی ہے؛ اور عربی
 میں بھی انکے قصائد موجود ہیں۔ حسرتی۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں رئیس جالگیر آباد۔ جنکے دیوان
 اردو و فارسی دونوں زبانوں میں چھپ چکے ہیں؛ اور اسکے سوا سفر نامہ حج، تذکرہ گلشن بخارا
 اور رقصات فارسی بھی انکی تصانیف سے شائع ہو چکی ہیں۔ آزاد۔ مولانا مفتی محمد رضا
 جنکا کلام اردو و فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں موجود تھا مگر افسوس ہے کہ انہیں سے
 بہت کچھ ضائع ہو گیا ہے۔ لیکن بعض مذہبی رسالے جو ان سے یادگار رکھے ہیں شائع ہو چکے ہیں۔
 افسانے از تھیلہ خریداری کہن خواہ شدن
 شہرت شعرم بگیتی بعدین خواہ شدن
 چاک ما ایشا بر جیب پیرین خواہ شدن
 دستگا و نازیشخ و برہمن خواہ شدن
 سنازدیوانم کہ سرست سخن خواہ شدن
 کو کبسم را در عدم اوج قبوسے بودہ است
 مطرب از شعرم بہر بزمے کہ خواہد زد و زوا
 حرف حرفم در مذاق قتنہ جا خواہد گرفت
 کہتا ہے کہ میرا ایک ایک حرف مذاق قتنہ میں جگہ پائیگا۔ یعنی قتنہ کو پسند آئیگا۔ جسکا نتیجہ یہ
 ہوگا کہ برہمن اسکو اپنے موافق سمجھے گا اور شیخ اپنے موافق خیال کرے گا؛ اور دونوں اپنی اپنی جگہ
 اسپر فخر کریں گے، اور ایک دوسرے کو ٹھٹھلائیں گے؛ اور آپس میں گل خپ ہوں گے۔

یہ شعر
 خواہ شدن
 کو کبسم
 مطرب
 حرف حرفم

ہے چمی گویم؟ اگر اینست وضع روزگار
دستِ اشعار بابِ سوختنِ خجاندن
آس سے پہلے بطورِ فخر کے کہا تھا کیوں ہوگا اور وہوں ہوگا؛ پھر کہتا ہے کہ ہے نہیں
کیا کہتا ہوں؟ اگر زمانے کا حال ایسا ہی رہا تو دفترِ شعر بابِ سوختنِ مینی جلا دینے کے
لائق ہو جائیگا۔

چشم کو رائیۃ دعویٰ کف خواہ گرفت
دستِ شل شاطیۃ زلفِ سخنِ خجاندن
شاہِ مضمون کو ایک شہری جانِ دست
روستا آوارہ کام و دہنِ خجاندن
مینی آئندہ یہ حال ہوگا کہ شاہِ مضمون جو اب جان و دل کے شہر میں مقام رکھتا ہے وہ کام
و دہن کے دیہات میں آوارہ ہو جائیگا۔ مینی جن اشعار اور خیالات میں اب نہایت یقین
اور گہری نگاہ سے غور کیا جاتی ہے وہ صرف لوگوں کی زبانوں پر بھائیٹے اور انکی تہ کو کوئی نہ پہنچے گا۔
زراغِ راز اندر ہوائے نغمہ بالِ پرزناں
ہم فوائے پردہ سخنِ چین خواہ شدن
جنگلی کوٹے (یعنی ٹک بند کی کرنے والے شاعر) نغمہ سنجی کی ہوا میں نلکے پھرتے ہوئے چرن کے
نغمہ سنجوں (یعنی عالی درجہ شاعروں) کی برابری کرینگے۔

شاد باش ایل دیں مغل سکھر جانِ مست
شیونِ ریخِ ذاقِ جانِ تن خواہ شدن
اب کہتا ہے کہ دنیا میں ان باتوں کا فکر کرنا بے سود ہے؛ یہ سب نئے موزوں ہوں یا موزوں
ایک دن موت کے نوحے بجائیں گے۔

ہم فرغِ شمعِ ہستی تیرگی خواہ گزید
ہم باطلِ بزمِ مستی پر شکن خواہ شدن
گردِ پندارِ وجود از رہنِ خواہ شدن
بجز توحیدِ عیانی موزنِ خجاندن

کہتا ہے کہ ہستی کے دھوکے کا عیار جوارہ میں اٹھا ہوا نظر آتا ہے یہ سب میٹھے جائیگا یعنی سب
 فنا ہو جائیں گے اور توحید عیانی کا دریا سو خلیں ہو گا یعنی ذات واحد کے سوا کچھ باقی نہ رہیگا۔
 دولت بخل بنود از سعی پیشیاں شو . کافر توتوانی شدنا چار مسلمان شو
 کہتا ہے کہ دولت یعنی سعادۂ کعبی غلطی نہیں کرتی ؛ وہ اسی کے پاس جاتی ہے جو اسکے لائق
 ہوتا ہے۔ میں تو اسے مخاطب اپنی سعی سے پیشیاں ہوں اور وہ دولت کیا ہے ؟ کافر نہ کہتا ہے
 کہ تو کافر تو نہیں ہو سکتا لاچار مسلمان پر قناعت کو غالباً مرزا نے کفر سے وہ کفر مراد لیا ہے جو کفر
 کی اصطلاح کے موافق ایک بڑا مرتبہ مراتب فقر و درویشی میں سے شمار کیا جاتا ہے لیکن قطع نظر
 ان معنوں کے اس شعر کے ایک اور معنی نہایت لطیف و پاکیزہ زمانے کے حسب خیال بھی ہو سکتے
 ہیں۔ جو شاید شعر کہتے وقت مرزا کے خیال میں نگذرے ہوں ؛ مگر ضرور ہے کہ انھیں کسی نتائج کا
 میں شمار کئے جائیں کیونکہ بقا اکثر کلام کی بنیاد ایسے جامع اور حاوی الفاظ پر رکھتے ہیں کہ گونا گوں
 مقصود ایک خاص معنی سے زیادہ ہو مگر کلام اپنی عمومیت کے سبب بہت سے عمل رکھتا ہو۔
 مطلب یہ ہے کہ ایسا مسلمان ہونا جسکو سارا زمانہ مسلمان کہے اور مسلمان سمجھے۔ یہ تو بہت
 آسان ہے ؛ مگر قوم کی بھلائی کی وہ تدبیریں کرنی کہ اسکی بھلائی انکے بغیر دشوار معلوم ہو۔ اور ان
 تدبیروں کے اختیار کرنے میں لوگوں کے طعن و تشنیع سے نہ ڈرنا۔ یہاں تک کہ بد مذہب اور کافر
 دشور ہونا مگر قوم کی خیر اندیشی سے دست کش نہ ہونا نہایت دشوار بلکہ بعض حالتوں میں قریب
 ناممکن کے ہے ؛ کہ ہزاروں اور لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایسا ایک فرد دنیا کی عبادت
 میں سمجھا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایسا کافر دنیا تو بہت مشکل ہے ؛ ناچار مسلمان پر اکتفا کر دینی

کسی کے ذہن نشین کرنے نہایت مشکل تھے؛ مگر الحمد للہ کہ خود ہماری قوم میں حسن اتفاق سے اس وقت ایک شخص موجود ہے جسکی حالت پر نظر کرنے کے بعد اس شعر کے کوئی دوسرے معنی ان معنوں سے زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ یعنی ڈاکٹر سر سید احمد خاں جیسے کافر، لحد، نیچری، دجال، سب کچھ کھانا مشغور کیا مگر قوم کی خیر خواہی سے دست بردار نہ ہوا۔

ازہر زہ ردا گلشن قلم نتوان گشتن جوئی! یہ خیالیں ردِ سیلی بیاباں ش

ہر زہ یعنی برائے نام جاری ہو جائے سے قلم نہیں ہوا جاسکتا۔ اسے مخاطب تو ایک نالی ہے باغ کی کیا ریوں میں جاؤ اور ایک روئے جنگل کی راہ لے۔ یہ اُن ناقص اعتبار لوگوں کی طرف خطاب ہے جو کسی فن میں تھوڑی سی شد بد حاصل کر کے اپنے تئیں کاملین میں شمار کرنے لگتے ہیں۔

گر چرخ فلک گردی سر پر خط فرماں نہ در گوے زیں باغی مقب خیم چوگان شو

یعنی تو کیسا ہی عالی رتبہ اور گرانمایہ ہو جائے اطاعت و فرمانبرداری کرنی ضرور ہے چاہو طاعت کو عام لو اور چاہو خاص خدا کی فرمانبرداری مراد رکھو کیونکہ جس طرح دین میں بغیر خدا و رسول کی فرمانبرداری کے کام نہیں چلتا اسی طرح دنیا میں سلاطین و ملوک اور ماں اور باپ اور افسردہ آقا و غیرہ کی اطاعت کے بغیر کچھ بن نہیں آتی۔

در بند شکیبائی مردم ز جگر خالی اسے خوصلہ تنگی کن۔ اسے عتہ فراوان

مسا ہے کہ میر کے خنکجے میں نین کلیچہ سوتا سوتا مر گیا۔ یعنی تھک گیا۔ اب سوا اسکے اور کسی طرح اس بلا سے چھٹکارا نہیں کہ خوصلہ تنگی کرنے لگے اور غم حد سے بڑھ جائے۔ پس کہتا ہے کہ اسے خوصلہ دھبیا کہ اب تک فراخ اور وسیع رہا ہے اب برخلاف اُسکے تنگ ہو جاؤ اور اسے غم اتنا زیادہ ہو جاؤ

خجک

راحت

شکیبائی

انکہ مجھے ضبط نہ ہو سکے، اور کل کیلوں، اور اس جگر خواری کے عذاب سے نجات پاؤں۔

سرایہ کرامت کن و انجاء بغارت بہ
بر خرمن مابر تے بر مزرعہ بباں شو

اگرچہ ہوتا ہمیشہ یہی ہے کہ اول سراپہ دیتے ہیں پھر جب چاہتے ہیں اسکو تباہ کر دیتے ہیں مگر شاعر
بطور مبالغہ کے یہ جتاناہے کہ ہماری کھیتی پر میخ تو کبھی نہیں برساتا مگر خرمن بچکلی گزاتا رہتا ہے
انسان کی ایک قدرتی خاصیت ہے کہ مصیبتوں کے وقت نعمتوں کو بالکل فراموش کر دیتا ہے
اسی خاصیت پر شاعر نے شعر کی بنیاد رکھی ہے۔

ذیل کی غزل سلسل اور محض عاشقانہ ہے جس میں مشوق کی خصلتیں بیاں کی ہیں اور
اسکو بہادر شاہ کی تعریف اور شکایت طرفیانہ پر ختم کیا ہے۔ اس غزل میں مرث حسن بیان کا
لطف ہے، خیالات بلند نہیں ہیں۔

بتے دارم از اہل دل روم گرفتہ
بشوخنی دل از خوشیتن ہم گرفتہ

دل گرفتن اکتا جانا یعنی اس قدر شوخ اور نازک مزاج ہے کہ اپنے آپ سے بھی بگڑ جاتا ہے۔

دستاک گفتن چو گل ہر شگفتہ
دریں شیوہ خود را مسلم گرفتہ

یعنی اگر کوئی اسے سفاک کہتا ہے تو برا نہیں مانتا بلکہ خوش ہوتا ہے گویا اپنی سفاکی کو سزا کا
مانے ہوئے ہے۔

فسوں خواندہ و کار عیسے نمودہ
پری بودہ و خاتم از جسم گرفتہ

یعنی افسوں سے معجزے کا کام لیتا ہے اور پری ہو کر جمشید کی انگلی چھین لیتا ہے۔

دمش ز خستہ در زہر پیوستن نکلند
عشمش گندم از دست آدم گرفتہ

دم سے مراد بات ہے دوسرے مصرعے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے غم میں آدم کو گندم جیسی عزیز چیز
زاموش ہو جاتی ہے۔

گئے طعنہ برلین تطرب سرودہ گئے خسروہ بر فلق ہرم گرفتہ

بہ بیدار صد کشتہ بر ہم نہادہ پیاز پچہ مسد گو نہ ماتم گرفتہ

یہی آپ ہی مارتا ہے اور آپ ہی بطور کھیل کے ماتم کرتا ہے۔

بر ویش زرگرمی نگہ تاب خوردہ بکوش بر فتن صبادم گرفتہ

نیار دوزمن ہا سچ گریادہرگز مگر خوے خاقان اعظم گرفتہ

فقر کزدیم دوست در نکتہ سخی کہ غالب با دازہ عالم گرفتہ

یہاں دم کے معنی اشرف اور کرامت کے ہیں تقدیر عبارت میں ہے کہ غالب در نکتہ سخی

پر آوازہ عالم گرفتہ۔

چوں زبا نہا لال جاننا پزغوغا کردہ بامیت از خویش پرسید اپنے بابر کردہ

یہ تمام غزل تو حید میں ہے۔ کتا ہے جبکہ تو نے ہماری زبانیں گونگی کر دی ہیں اور باوجود اس کے

جانوں کے اندر شورش بھردی ہے۔ اب تو اپنے ہی سے پوچھ لے کہ تو نے ہمارے ساتھ کیا

سلوک کیا ہے۔

گردن شاق عرض دستگاہ حسن خویش (طاہر خدایت) دیدہ از ہر چہ بینا کردہ

ہفت دوزخ در مناظر ساری شہر است انتقام ست ایں کہ باجرم مارا کردہ

کتا ہے کہ شہر منگ وہ عذاب ہے جسکی نماد یعنی ذات میں ساتوں دوزخ چھپی ہوئی ہیں۔ پس اگر

بے
سے
نہایت

تو نے گنگا کے ساتھ مدار یعنی رعایت کی اور اسکو بخش دیا تو یہ عین اتمام ہے؛ وداشمن زندگی سے کہ باوجود اس قدر گناہوں کے ہلکو کچھ سزا نہیں دی۔ گویا سات دوزخوں میں جھونک بیل سے صد کشادہ آواز کہ ہم امر و نسیخ نمودہ مرقہ باداں را کہ محو ذوق فردا کردہ خستگان را دل بچہرہای پنهان بودہ یاد رستماں گرفتار شہما سے پیدا کردہ خستگان زخمی اور شکستہ دل لوگ یعنی جنگی حالت زار بظاہر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اپنے خدا کا نشانہ ہے۔ درست۔ صبح و سالم کہتے ہیں؛ در شاں اسکی جمع ہے یعنی وہ لوگ جنگی حالت درست اور ہر ایک جنگی اور شکستہ سے محفوظ ہے۔ گویا اپنے خدا کی عنایت و مہربانی سب سے زیادہ ہے۔ کہتا ہے کہ اگر تو نے درستوں پر ظاہری عنایتیں مبذول فرمائی ہیں تو زخمی دلوں کو پوشیدہ مہربانیوں سے منتول کیا ہے۔

چشمہ نوش است از ہر عتاب کام جاں تلخی مئے در مذاق ما گوارا کردہ خدا اقبال کے غصے اور عتاب کو چشمہ نوش قرار دیتا ہے؛ اور اسکو شراب سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح شراب کا ذائقہ شخص کو تلخ معلوم ہوتا ہے، مگر شرابیوں کے مذاق میں اس سے زیادہ کوئی شے خوشگوار نہیں۔ اسی طرح تیرا عتاب گویا ہر تلخ معلوم ہو مگر تیرے عشاق اسکو چشمہ نوش سمجھتے ہیں۔ جلوہ و نظارہ پنداری کہ از یک گوہر خوش را در پردہ خلقے تماشا کردہ کہتا ہے کہ تو نے مخلوقات کو پیدا کر کے آپس اپنے حسن کا آپ تماشا دکھا ہے؛ تو گویا جلوہ حسن اور نظارہ عشق و حقیقت ایک ہی جنس سے ہیں یعنی ناظر اور منظور ایک چیز ہیں۔ چارہ در سنگ دگیاہ در بچ با جانہ ز بود پیش ازاں کیں در رسد آفرینا کردہ

کتاب ہے کہ بیماری تو بازاری کے ساتھ مخصوص تھی، اور بیماری کا علاج سنگ و گیاہ یعنی معدنیات اور نباتات میں تھا؛ پس تو نے جانداروں کے پیدا کرنے سے پہلے سنگ و گیاہ کو مینا کر دیا۔ ہبیا کہ علم جیولوجی میں پہاڑوں اور درختوں کا حیوان اور انسان سے پہلے پیدا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

دیرہ می گرد، زباں می نالہ، وول می تپد عقدہ با ازکار غالب سر بہرہ واکردہ

مقطع میں پھر اپنی عادت کے موافق شوخی کی ہے۔ تمام نامعلوم حالتوں کو جو قائل پر گذر رہی ہیں ان کا زراہ شوخی اور طنز کے عہد پیرائے میں ڈھال ہے۔ کتاب ہے کہ آنکھ روٹی ہے، زباں فریاد کرتی ہے، اور دل ٹڑپتا ہے؛ گویا تمام عقدے تو نے حل کر دیے ہیں۔ چنگا نکمہ کار ونا، زبان کا فریاد کرنا، اور دل کا ٹڑپنا، ان تینوں حالتوں میں ایک کشمکش کی صورت محسوس ہوتی ہے اس لئے ان تمام حالتوں کو اپنے عقدوں کے حل کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اس مضمون کو شوخی پر معمول نہ کیا جائے تو یقینی بھی ہو سکتے ہیں کہ عشق کی سورج بھی ہے کہ آنکھ روئے، زبان فریاد کرے، اور دل ٹڑپے؛ پس غالب پر جو یہ حالتیں طاری ہیں گویا عشق کی راہ میں غصے عقدے نئے ہوئے سب حل کر دیے۔

تاہم زدل برد کا فسادائے	بالا بلندے کو تہ قبائے
چوں مرگ ناگہ بسیار تلخے	یچوں جان شیریں اندک فحائے
در کام بخشی مسک امیرے	در دستان مبرم گدائے
مکسازے پوزش پسندے	طاقت گدازے مبر آزماے
از خرے ناخوش و دوزخ سنبھے	وز روے دلکش میز قنائے

خبر
سک
خاستخانہ

زردشت کیسے آتش پرستے برسم گزارے زمرم سرائے

برسم - بجاؤ یا آمار و غیرہ کی بابت بابت بھری لکڑیاں کاٹ کر آتش پرست رکھ لیتے ہیں، عبادت، یا تہانے، یا کمانے کے وقت ان کو ہاتھ میں لے کر پڑھتے ہیں۔ برسم گزار اور زمرم سرائے آتش پرست کو کہتے ہیں۔ زمرم اور زمر مردہ دعا ہے جو آتش پرست برسم ہاتھ میں لیکر پڑھتے ہیں۔
دکینہ و رزی تفسیدہ دشتے در مسربانی بتاں سرائے

تفسیدہ دشت پتا ہوا صحرا - بانی شکر کے منی صاف ہیں۔

از زلف پرچشم مشکیں نقابے از تابش تن زریں ردائے

یعنی زلف پرچشم اسکے چہرے پر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے سیاہ نقاب منہ پر پڑی ہوئی ہو، اور جو کپڑا وہ بدن پر ڈالتا ہے وہ بدن کی چمک دکھ کے سنہری معلوم ہوتا ہے۔

در عرض دعویٰ لیے نکو ہے بر عینم غالب مجنوں شائے

یعنی جب دعویٰ حسن و جمال کرتا ہے تو ایلی کی ہجو کرتا ہے، اور غالب کے چڑانے کو مجنوں کی طرف سے کرتا ہے کہ وہ بڑا عاشق صادق تھا۔

تو کے درجہ پیشیاں شدی - چرمی گوئی دروغ راست نمائے کہ دشتی داری

یعنی تو جو یہ کہتا ہے کہ میں ظلم سے پیشیاں ہو گیا ہوں، تو کب پیشیاں ہوا ہے، کیونکہ وہ جو بڑا جرم ہے معلوم ہو۔ جیسا تو پہلے بولتا تھا اب بھی بولتا ہے۔ پس تیرا یہ کہنا کہ میں ظلم سے پیشیاں ہوں بھجی ہی ظلم میں داخل ہے۔

بیسہ چوں دل و دل چو باں خرمی و باز نگاہ مہر فزائے کہ دشتی داری

عاشق

عاشقانہ

ہوتا ہے کہ تیرے میں دل کی طرح اور دل میں جان کی طرح بیٹھ چکا ہے؛ پھر بھی تیری نگاہ و مہر فرما دے
حال ہے جو پہلے تھا؛ کہ محبت کی آگ بھڑکائے پللی جاتی ہے۔

غلاب و مہر تو از ہم شناختن نتوان
خرد و فرباد ادا کے کہ دشتی داری
جانیاں ز تو برگشتہ اند اگر غالب
ترا چاہا کہ خدا کے کہ دشتی داری
پیودہ نیست سعی صبا در دیارِ با
اسے بوسے گل پیام تنہا کے کیستی
یادش بخیر تا چہ قدر سبز بودہ
اسے طرف جو بار چمن جاے کیستی

جاے کے سبز بودوں۔ اُنکی جگہ کا خالی رہنا۔ اور سبز ہونے کے معنی سرسبز و شاداب ہونے کے
بھی ہیں۔ طرف جو بار کُنارہ جو بار چمن کی پٹری پر سبز و دیکھ کر کہتا ہے کہ اے کُنارہ جو بار چمن
تو جو اس قدر سرسبز و شاداب ہے تو کس کی جگہ ہے۔ چونکہ وہاں مشوق کو نہیں پایا اس لئے بغیر لڑکوں
نیک کے ادل یادش بخیر لکھ کر پھر سوال کرتا ہے۔

نشیدہ لعل تو فردوسِ دو بیل
اسے حرفِ محوِ دل شکرِ خاے کیستی
انہج نقشِ غیرِ نکوئیِ نمیدہ
اسے دیدہ محوِ حیرہِ زیبائے کیستی
بانہج کا سرِ ایں ہمہ سختیِ نمیزود
اسے شبِ بزرگِ من کہ تو فردا کے کیستی

بزرگِ من یعنی اے شب تجھ کو میری موت کی قسم۔ چونکہ اس وقت اپنی موت سے زیادہ کسی چیز کو نہ
نہیں سمجھتا اس لئے رات کو اپنی موت کی قسم دے کر پوچھتا ہے کہ تو کی فرمائے قیامت ہے؟ یعنی
جو سختی کہ تجھ میں میرے اوپر گزر رہی ہے کسی کافر کے ساتھ نہ گذرتی ہوگی۔ پھر تو کافر سے بھی بڑھ کر نہ
گنہگار کی قیامت کا دن ہے؛ بتا تو سہی؟

غلاب و مہر
شناختن نتوان
خرد و فرباد
دشتی داری

نشیدہ لعل
تو فردوسِ دو بیل
انہج نقشِ غیرِ
نکوئیِ نمیدہ

ایک گفتم نہی داد دل - آرسے نہی
تا چون دل ستاں شہوہ نگارے نہی

چشمہ فروش ہانا نہ ترا دو زوے
کش نگیری دور اندیشہ تبارے نہی

کتاب ہے کہ اس دل سے یقیناً چشمہ فروش نہیں ٹپک سکتا جبکہ تو بھینچ کر قصور میں فشار غریب ہے۔

یعنی جب تک کہ دل عشق مجازی کے بعدے میں جھیلنا اور طبع طبع کی گرفت میں نہیں آتا۔

حفاظی اور لطافت اور گلاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

ماہ و خورشید میں دائرہ بیکار نیند
تو کہ باشی کہ بخود ز حسرت کارے نہی

اور وہ کام ہی ہے کہ عشق کے شکنجے میں دل کو فشار دیا جاوے۔

سر براؤ دم شمشیر جوانی نہی
تن بہ بندے غم فترک سوارے نہی

خوں بدوق غم یزداں تناسے نخوری
دیں بھر حق الفت گدازے نہی

یزداں تناس اور حق الفت گداز دونوں مرکب صفتیں ہیں۔ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

آخر کار نہ پیدا ست کہ در تن ضرر
کف خونے کہ بدایا ز نیت داکر نہی

بشر و غیر شر کا امتزاج ہے۔ ضرر نہ ٹھہر جانا خشک ہو جانا۔ یعنی کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ اگر

خون جس سے تو کسی صلیب کو رنگین نہ کر گیا مرنے کے بعد بدن میں خشک ہو کر رہ جائیگا۔

حیف گرتن بے گان سر کوئے نرسد
واسے گرجاں بسیرا گدازے نہی

ہر زمان اجل از دست تو ناگاہ بزد
نقد ہوشے کہ بسو داسے بہارے نہی

بمخ طرہ خور ان بہشت آویزند
ناز پروردہ دے را کہ بیاہے نہی

گزشتہ نبرد - ابر پیاری غالب
کہ در افتانی و در افتازہ شمارے نہی

یعنی اگر اس کہنے میں تیری کشتان حقو قواسے غالب تیری مثال میری باری کی سی ہے کہ موتی بڑا ہے
اور ان کی گنتی نہیں بتا تا یعنی بے شمار موتی برساتا ہے۔

دیارِ جناب آبدار ہے طلبِ سبب نورِ نظر اسے گوہرِ نایاب کجائی

شورِ سببِ نازِ ریزی تارِ نفسم را پیداؤ اسے جنبشِ سحراب کجائی

یعنی میرے تارِ نفس سے جو فتنے نکل رہے ہیں انھوں نے ایک شورِ برپا کر رکھا ہے ؛ مگر اسے جنبشِ
مضطرب کو جس سے یہ تابِ رخِ را ہے تو کہاں ہے ؟ تیرا کیسے بتائیں۔

بنامِ ہر گوسالہ پرستِ یارِ دنیا غالبِ سخنِ صاحبِ تاب کجائی

ترا بابِ کرامت اور معجزے کو کہتے ہیں ، مگر سالہ پرتوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناقص الہیہ اشعاروں
کو مانتے ہیں۔

دیدہ در آئینہ نامند دلِ شہارِ دلیری در دلِ سنگِ بنگر در قفسِ تاجِ آنری

دیدہ در یعنی صاحبِ نظر و شہساز ہے کہ جب اسکو یہ خیال پیدا ہو کہ دنیا میں کون سی چیزیں دلکش و دلربا
ہیں تو وہ انکو مگر تیرے اندر تاجِ آنری کو قفس کرتے ہوئے دیکھ لے یعنی مادے میں جو قابلیت
اور تہاد خدا نے دہیت کی ہے وہ پہلے اس سے کہ قوت سے فعل میں آئے آپر ظاہر ہو جائے۔

لے تو کہ بیچِ خدہ راجزِ بد تو رومیست در طلبِ تو اں گرفتِ بادِ برابرِ میری

یہ خطاب ہے جنابِ حدیث کی طرف۔ کہتا ہے کہ جس در سے کو دیکھے اُسکا تختہ تیرے ہی رستے کی طرف
بہرہ روا ہے اور اس لئے تیری راہِ طلب میں خود بادِ میری محراب کو اپنا رہبر بنایا جا سکتا ہے کیونکہ
اُسکا ہر ذرہ تیری طرف رہنمائی کرتا ہے۔

فنون

ہر کوست در بخش - واقع تودہ پیش دل
 تاجو گریرے دہر - بازبری براوری
 کتا ہے کہ جسکے پہلوں دل ہے اُسکے دل سے تیرا داغ روئیدگی کی طرح اگتا ہے، اور یہاں سے
 کہ اگر وہ دل کسی اور سے لگائے تو تو اس محبت سے کہ تیری نشانی اس پر موجود ہے۔ وہاں سے اپنی
 چیز یعنی دل واپس لے۔ وادوری جھگڑا تھا۔ اور محبت۔

فنون

ریشک ملک چچا چوں بتورہ بنی برد
 بیہودہ دہر اے تومی پڑا از سبکسری
 یعنی اہم ٹانگر پر کیوں ریشک کریں جبکہ وہ بھی بے فائدہ تیری تلاش میں پروا د کرتے پھرتے ہیں اور
 تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔

تکلیف

حیف کہ من بنی تم - ورتو سخن بد کہ تو
 اشک بدیدہ بشمری، انا لہ سینہ بگری
 یعنی افسوس ہے کہ میں تو غن میں پڑا ہوا لوٹوں اور تیری نسبت یہ کہا جائے کہ تو اُنسو آنکھ کے اندر
 گن لیتا ہے اور فریاد کو سینے کے اندر دیکھ لیتا ہے۔

زار نامی

کوثر اگر بن رسد خاک خرم زبے ثنی
 طوبی اگر ز من شود ہمیشہ شرم زبے ہری
 یعنی میری شرمی محبت کا یہ حال ہے کہ اگر کوثر مجھ کو طبا سے تو آئیں مٹی باقی نہ ہے اور مجھے اس
 خاک کے سوا کچھ حاصل نہ ہو اور اگر طوبی میری ملک ہو جائے تو وہ ایسا بے برہو جائے کہ اُسکی
 لکڑی ایندھن کے کام آئے۔

حالت

بیتیم از گدا دل در جگر آتشی چیل
 غالب اگر دم سخن رہ بنمیر سن پری
 کتا ہے کہ اگر کوثر شرم کے وقت تو میری حالت دردنی کو ٹوٹے تو دل کو گدا سے ایک لگ کی رو بہتی ہوئی تھک رہا
 آئے۔ یہ اس جوش و اس آگ کا بیان ہے جو اہلی شاعروں کے دلیں شعلہ کی شکل میں رہتی ہیں۔

مرزا کی غزلیات - جو مقدمہ ایس چار ہزار بیت سے کچھ زیادہ ہیں، اور جن میں منتخب اور برگزیدہ شمار
 ایک چوتھائی سے کم نہو گئے۔ انہیں سے کسی قدر اشعار جو سرسری نظر میں صاف اور عمدہ معلوم ہوں
 جو زونہ کے یہاں نقل کر دئے گئے ہیں - تاکہ جو لوگ فارسی شعر کا صحیح مذاق رکھتے ہیں سگرتا دماغ
 انہیں رکھتے کہ مرزا کے کلام کو اول سے آخر تک بغیر غور و تعمیل - وہ مرزا کی غزل کا نمونہ دیکھ کر اس بات کا
 اندازہ کر سکیں کہ مرزا کی غزل شعرا سے ایران کے کون سے طبقے کی غزل سے مناسبت رکھتی ہے؟ اور
 انکی اور مرزا کی غزل میں کیا نسبت پائی جاتی ہے؟ اگرچہ مقتضائے مقام یہ تھا کہ اس موقع پر مرزا کی
 چند غزلوں کا موازنہ ان سب لوگوں کی غزل کے ساتھ کیا جاتا جنکی غزل پر مرزا نے اپنی غزل بلکہ اپنی
 تمام شاعری کی بنیاد رکھی ہے؛ یعنی فطری، عرفی، ظہوری، طالب، اسیر وغیرہ مگر چونکہ اس مختصر
 میں زیادہ گنجائش نہیں؛ اور تیر عام طبائع کو اس قسم کی ترقیقات سے کچھ دل بستگی بھی نہیں معلوم ہوتی
 اس لئے یہاں مرزا کی صرف دو غزلوں کا مقابلہ فطری اور ظہوری کی غزلوں سے - کہ اس وقت ان
 دونوں کے دیوان ہمارے پاس موجود ہیں - کیا جاتا ہے۔

فطری کی جو مشہور غزل پاختت اور بلاختت ہے مرزا صاحب نے بھی اس پر غزل
 لکھی ہے۔ فطری کی غزل نوبت کی ہے جس میں سے ایک شعر چھپا نہیں گیا اور مرزا کی غزل "نوبت
 کی ہے" اس لئے مرزا کی غزل میں سے بھی اول مرتبہ آٹھ بیتیں یہاں لجا بیٹگی تاکہ ٹھیک ٹھیک موازنہ
 ہر کے اور بد موازنے کے مرزا کے باقی اشعار بھی نقل کر دئے جائیگے۔

غالب

فطری

جو ادائے کو در راں خضر را عداختت

نظر بفاہر و میناد در خفاختت

اجل رسید و چو داند بلا کجا خفتست بیند می سپر راہ گر چہ پا خفتست

نظیری نے اس بات کو کہ عشق ایسے طور پر وقت بیدار ہو جاتا ہے جسکا سان گمان تک نہیں ہوتا۔ ایک معمولی حالت کے پیرائے میں جو ہمیشہ صید اور صیاد کے باہم گزرتی رہتی ہے۔ بیان کیا ہے۔ نظیری کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ بہت صاف اور نچرل ہے، اور گو یہ مطلع اسکے اعلیٰ درجے کے اشعار میں محسوب نہیں ہو سکتا لیکن مرزا کے مطلع سے بہر حال بہتر ہے۔

ہر زمانے کو یا اپنی ناگوار زندگی کا دشوار گزار مرحلہ خوشی خوشی طے کرنے کو اس تمثیل میں بیان کیا ہے کہ جس خطرناک دلدی میں حضرت خضر بھی ٹھنڈے پٹ جاتے ہیں میں وہاں بیٹھ کے بل چلتا ہوں۔ مرزا کے اس مطلع پر ان کی زندگی میں ”عصا خفتست“ کے لفظ پر اعتراض ہوا تھا؛ مرزا نے جواب دیا کہ سعدی نے بھی تو کہا ہے ”دے بجلہ اول عصا سے پیر خفتست“ مگر اس جواب کو لوگوں نے تسلیم نہیں کیا؛ کیونکہ شیخ کے ہاں اس فقرہ قرآن موجود ہیں کہ وہ عصا خفتن، اسے جو معنی اُس نے بطور استعارے کے مراد رکھے ہیں ان کے سوا دوسرے معنی کی طرف خیال ہی نہیں جاتا۔ بخلاف مرزا کے شعر کے کہ جب تک یہ نہ جہایا جاسے کہ سعدی نے عصا خفتن کے یہ معنی لئے ہیں۔ تب تک اُس سے یہ معنی منہوم نہیں ہو سکتے۔

غالب

نظیری

دگر ذایمینی راہ و قرب کعبہ چڑھا
مرا کہ ناقہ زر قمار ماند و پا خفتست

کجا ز عشوہ آں چشم نیم باز رہیم
کہ قندہ خاستہ از خواب پای پا خفتست

نظیری مشرق کی اس حالت کو جب کہ وہ سوتے سے اٹھا ہو، اور آنکھیں کچھ کھلی اور کچھ مندی ہوں اور اپنا جی اسکے سامنے سے پرے ہٹنے کو چاہتا ہو۔ اس طرح ادا کرتا ہے کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور ہمارا پاؤں سو گیا ہے؛ پس اسکی چشم نیم باز کے عشوے سے بھونک رہائی ہوگی۔

مرزا سا فوکی اس حسرت ناک حالت کو جب کہ راہ بے حقد اور منزل مقصود قریب ہو گویا قاف میں نہ اسکی سواری میں آکے قدم اٹھانے کی طاقت ہو اس طرح بیان کرتے ہیں دگر زبانی راہ الخ ان دونو شعروں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر مطلقاً ترجیح نہیں دی جاسکتی چوشتانہ مضامین کو پسند کرتے ہیں وہ خنور نظیری کے شعر کو پسند کریں گے مگر اس لحاظ سے کہ مرزا کا بیان عاشق اور غیر عاشق سب کے حالات پر مادی ہے اور ہر شخص جیسے ایسی حالت گزرے اسکا صدق ہو سکتا ہے یقیناً نظیری کے شعر پر فوقیت رکھتا ہے۔

نظیری غالب

کے بے قلب شہم ترکتا ہے آید غمت بہر شبنمیں زناں پر بنگہ حلق
کہ بر فراش نصب پای و خفتست عمنس نجانہ و شہ در حرم خفتست

نظیری کا شعر محض عاشقانہ ہے اور اس لحاظ سے کہ یہ معنوں اول اسلو سوجا ہے مرزا کے شعر پر ترجیح دینے کے قابل ہے کہتا ہے کہ میر گھر پر آدمی رات گئے وہ شخص آکر ڈاکا جاتا ہے جو ریشمی پچھونوں میں پاؤں کو مٹھدی لکائے پڑا سوتا ہے مطلب یہ کہ اسکا قصور اور اسکا خیال بغیر اسکے کہ اسکو اطلاع ہو رات کو آکر چھاتی پر سوار ہو جاتا ہے اور رات د

اجل رسیدہ چہ واندر بلا کجا خفتست بینہ می سپرہاہ گرچہ پا خفتست

نظیری نے اس بات کو کہ عشق ایسے طور پر دقت پیدا ہو جاتا ہے جسکا سان گمان تک نہیں ہوتا۔ ایک معمولی حالت کے پیرائے میں جو ہمیشہ صید اور صیاد کے باہم گذرتی رہتی ہے۔ بیان کیا ہے۔ نظیری کا بیان۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ بہت صاف اور سچل ہے۔ اور گوہر مطلع اسکے اعلیٰ درجے کے اشعار میں محسوب نہیں ہو سکتا لیکن مرزا کے مطلع سے بہر حال بہتر ہے۔
 مرزا نے گویا اپنی ناگوار زندگی کا دشوار گزار مرحلہ خوشی خوشی طے کرنے کو اس تمثیل میں بیان کیا ہے کہ جس خطرناک وادی میں حضرت خضر بھی ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں میں وہاں پہنچنے کے بل جلتا ہوں۔ مرزا کے اس مطلع پر ان کی زندگی میں ”عصا خفتست“ کے لفظ پر اعتراض ہوا تھا؛ مرزا نے جواب دیا کہ سعدی نے بھی تو کہا ہے ”دے بکلمہ اول عصاے پیر خفتست“ مگر اس جواب کو لوگوں نے تسلیم نہیں کیا؛ کیونکہ شیخ کے ہاں اس قدر قرائن موجود ہیں کہ ”عصا خفتست“ اسے جو معنی اُسے بطور استعارے کے مراد لگتے ہیں ان کے سوا دوسرے معنی کی طرف خیال ہی نہیں جاتا۔ بخلاف مرزا کے شعر کے کہ ایک یہ نہ بتایا جاسکے کہ سعدی نے ”عصا خفتست“ کے یہ معنی لئے ہیں۔ تب تک اس سے یہ معنی مفہوم نہیں ہو سکتے۔

غالب

نظیری

دگر ذایمینی راہ و قرب کعبہ چٹا
 مرا کہ باقہ زر قنار ماند و پا خفتست

کجا ز عشوہ آں چشم نیم باز رہیم
 کہ قنہ غامتہ از خواب پای ما خفتست

فطیری مشرق کی اس حالت کو جب کہ وہ سوتے سے اٹھتا ہو۔ اور انھیں کچھ کچھ اور
کچھ مندی ہوں۔ اور پتا جی کے سائے سے پرے سے کوئی بتا نہو۔ اس طرح ادا کرتا ہے
یہ وقت نہ کھاتا ہو۔ اور ہر پانچوں سو گیا ہے۔ پس اسکی چشم تہمیر کے عتبے سے
جو کہ باقی ہوئی۔

مرزا اس وقت کی جس حسرت ناک حالت کو جب کہ وہ اپنے حصار اور منزل مقصود قریب پہنچے
جس ذاتی سرور میں ان کے قدم اٹھانے کی طاقت ہو اس حیرت انگیز کرتے ہیں اور ان کی
خوشنویں وہ خوشروں میں سے کسی ایک کو دیکھ کر ہر پہلو پر غفلت فراموش نہیں دی جاسکتی خوشنویں
مستندین کو بہتہ کرتے ہیں وہ خبر و خبری کے شوق پرست کہیں کہیں اس کی دوسے کو مرزا کی زبان
حاشیہ میں بغیر غرضت سب کے حالات پر مبنی ہے وہ ہر شخص جیسے ایسی حالت گذرے اس کا
سابقہ ہر کتابت یقیناً تقریبی کے شوق پر غفلت رکھتا ہے۔

نفسیری
غالب

کے قصبہ شیم چوڑے قید
گربزدش قصب پیو دخت
عزت خیر شیم چون پیو دخت
عسس پیو دخت در حرم خست

افسر کی کشتی میں ہے اور اس کی نوبت کہ یہ مضمون اول اس سبب سے ہے کہ
 اس کے شروع پہنچ رہے کے قابل ہے کہ اس کے کھربا دی گئی رات گئے وہ شخص کو دیکھ
 کر کہ اس کے جو ہنسی کے ہنوں میں یہ ہنوں کو تھکی گئے پڑا ہے اس کے منہ پر یہ کہ اس کے تصور
 اور اس کے خیال میں ہے کہ اس کے اندر جو رات کو اس کے چاقی پر سوار ہو گیا ہے اور اس کے

آرام بالکل برباد کر دیتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ تیرا غم شہوتوں لوگوں کے گھروں پر شیخوں مار رہا ہے اور کو تو ال اپنے گھر میں اور بادشاہ مجلسِ اہلِ چین سے چڑے سوتے ہیں بیچ ہے کہ مرزا کے دل میں خیالِ نظیری کے شعر سے پیدا ہوا ہے مگر مرزا کی غیر معمولی آجک اور بلند پروازی کے ثبوت کے لئے صرف یہی اقتباس کافی ہے کہ تھوڑے سے تصرف سے نظیری کے مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ نیز مرزا کے بیان میں حقیقت و مجاز دونوں پہلو موجود ہیں اور نظیری کا بیان صرف مجازی معنی میں محدود ہے۔

غالب

نظیری

شیم ہمدرد باغ و قافے آید
بہر چین کہ تو بنگشت بہا
بیس زد و در و مجو قرب نہ کہ نظر
دریچہ باز و پروازہ آرد ہفت

اگرچہ آلِ دونو شعروں کا واحد ہے؛ مگر دونوں کے بیان کا عالم الگ الگ ہے۔ نظیری اس طرح بیان کرتا ہے کہ وفا سے حقیقی کے باغ سے مہر و التفات کی خوشبو نہیں آتی؛ گویا جس چین میں وہ پھول (یعنی معشوقِ حقیقی) بکھلا ہوا ہے وہاں کی صبا پوری سوتی ہے یعنی اسکو ہزار مطلق نہیں ہے جس سے اُس چین کی خوشبو عالم میں پھیلے۔

مرزا یوں کہتے ہیں کہ آثار و افعال کے ذریعے سے اسکو دور ہی سے دیکھ لو؛ اور قربِ شاعر یعنی ذاتِ بحث کی تلاش مت کرو؛ کیونکہ اگرچہ جھوٹ کے پٹ کھلے ہوئے ہیں (یعنی اسکے آثار و افعال سب پر ظاہر ہیں) مگر اندر کوئی نہیں جانے پاتا؛ کیونکہ عینِ دروازے پر اڑدھاتو ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نال و تو کا یہ ہے کہ معرفت ذات محالات سے ہے۔ مگر ہمارے
 نزدیک مرنا کا بیان نظیری کے بیان سے زیادہ بلج اور زیادہ دلکش واقعہ ہے۔

غالب

نظیری

طیب عشق بجز طبع زیارے بصر حشر چنیں خستہ رو سیہ خیزد
 کہ شبِ احتیاز میں دے غفلت کہ در شکایت درد زخمِ دوا خفتست

نظیری کتاب ہے کہ مرضِ عشق کا طیب اُس بیمار کے علاج سے مایوس ہو جاتا ہے جو کسی
 رات کو اس دردِ بے دوا میں شش کی چینی سے آرام کے ساتھ سو گیا ہو؛ گویا مرضِ
 کی علامت نمودی ہے کہ اُس کو کبھی راحت نصیب نہ ہو۔ مگر شاعرِ معترفین کے اصول
 کے موافق نظیری کے بیان میں یہ خلل تھا کہ وہ راحت کو ردی علامت بتاتا ہے؛
 حالانکہ عاشق صادق کی علامت یہی ہے کہ اُس کو دوست کی راہ میں درد اور تکلیف
 کبھی محسوس ہی نہ ہو؛ بلکہ ہر ایک درد اور تکلیف عینِ راحت معلوم ہو۔ پس نظیری
 کے بیان سے گویا یہ لازم آتا تھا کہ عاشق صادق وہی ہے جو ہمیشہ چینی اور بقراری میں
 بسر کرے؛ اور جب ایسا ہو گا تو کبھی نہ کبھی شکایت بھی اُسکی زبان سے نکلے گی۔

مرزا نے اسی لئے اس مضمون کو اٹل دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بیمار حشر کے دنِ مریا
 اُسے جو دردِ دل کی شکایت اور دوا کی تلاش کرتا ہوا سویا ہے۔

غالب

نظیری

کس از معانفہ روز وصل یا بدوق درازی شبِ بیداری من اینمیت

کہ چند شب ہم آغوش خود چلا گئے
ز بخت من خبر آریہ تا کجا خفتست

نظیری کا شعر صاف ہے۔ کس۔ اُن کس کی جگہ لایا ہے۔ معافہ روزِ رُوسل۔ وہ معافہ
وصل کے دن عاشق و معشوق میں واقع ہو۔ شعر کا مضمون معمولی ہے؛ مگر لفظانہ
جان ڈال دی ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ شبِ ہجر کی درازی اور میری بیداری کا کیا خیال کرتے ہو! یہ تو کچھ
بات نہیں۔ ہاں یہ تلاش کرو کہ میرا نصیب کہاں پڑا سوتا ہے؟ کیونکہ رات کی درازی
اور میری بیداری، اور ایسی ایسی اور سیکڑوں مصیبتیں۔ سب اُسی کے سوجانے سے پیدا
ہوئی ہیں۔ محاکمہ دونوں یہ ہے کہ نظیری کا شعر زیادہ نیچرل اور حالی ہے۔ اور مرزا
شعر میں شاعرانہ لطافت اور خوبی نظیری کے شعر سے زیادہ ہے اور کوئی بات اُن
اُن نیچرل بھی نہیں ہے۔

غالب

نظیری

شبِ امید بے از درِ عید سے گزرد
بہیں نیاز کہ باقتِ نازمی رُندم

کہ آشتا بہ تما سے آشتا خفتست
گدا بہ مسایہ دیوارِ پاؤں خفتست

نظیری کا شعر اُسکی تمام قول میں بیتِ الغزل ہے بلکہ اُسکے سارے دیوان کے اُن
۲۰۰ شعر میں سے ایک شعر ہے جو اساتذہ نے اُسکی غزلیات میں سے انتخاب
کئے ہیں۔

مرزا کا شعر کو نظیری کے شعر کی برابری نہیں کر سکتا۔ مگر ایسے بلند شعر پر یہ شعر کا

کام تھا نشیب نہایت بلخ اور دل نشین واقع ہوئی ہے۔ یعنی مجھ جیسے اونٹے درجے کے آدمی کو۔ جو تیری جناب میں نیاز ہے اُس پر مجھ کو ایسا ہی ناز ہے جیسا اُس فقیر کو ہونا چاہئے جو بادشاہی محل کی دیوار کے سائے میں پڑا ہو۔

غالب

نظیری

فانصرت نظیری کمن کہ خواب کند۔ بخواب چوں خم دم آسودہ دل غالب
 شکستہ کہ بعد درو مبتلا خفتست۔ کز خستہ غرقہ بخون خفتہ است خفتست

نظیری کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ نظیری کو فسانہ اس لئے سنا ناقصوں ہے کہ ایک شکستہ کو فتنہ آدمی (نظیری) جو طبع طرح کی تکلیف میں مبتلا ہو کر پڑ رہا ہے۔ وہ سو رہے گا۔

مرزا کے شعر کا حاصل یہ ہے کہ اگر میں سوچی جاؤں تو اسے غالب! مجھ کو اپنی طرح آسودہ اور خوشحال نہ سمجھنا؛ کیونکہ بیمار دینی میں جب سویا ہوں تو خون میں ڈوبا ہوا سویا ہوں۔ پس ایسے شخص کو جاگتے یا سوتے کیا راحت نصیب ہو سکتی ہے۔

یہاں تک درو غزلوں میں سے صرف اٹھ اٹھ شعر ہم نے نقل کئے ہیں اور مرزا کے اٹھ شعر وہ لکھے ہیں جو کسی نہ کسی قدر نظیری کے اشعار سے لفظی یا معنوی نسبت رکھتے تھے۔ اب مرزا کے باقی اشعار جو نظیری کی غزل سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ لکھتے ہیں۔

خروشِ حلقہ مرزاں تازین سپریت۔ کہ سر زانوے زاہر بہ بوریا خفتست
 ہوا خائف و شب تار و بحر طواف خیز۔ گشتہ لنگر گشتی و ناخدا خفتست

بیخ و بجانہ و دردا لرزد کہ در و مرحلہ بیدار دپار صفت

حقن من ہر کہ بنگر و داند کہ میر قافلہ در کار و اس مراقت

پہلا شعر محض زندانہ ہے، اور زبان کی گری اور شوخی کے سوا اور کوئی سنوئی لطافت نہیں اس کے بعد کے تینوں شعر ہم قافیہ کی رویت کے انتخابی اشعار میں سے ہر ایک کی شرح کے لیے ہیں۔ انیس سے پہلا شعر ہمارے نزدیک مرزا کی تمام غزل میں بیت الغزل ہے، اور پہلا دو تو شعر بھی نظیری کے غزل کے عام اشعار سے کسی طرح رتبہ میں کم نہیں ہیں، پس اگر نظیری کا بیت ادب کیا جائے تو ہم اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے کہ دو نو غزلوں کو سادہ اور درجہ میں رکھیں۔ ورنہ انصاف یہ ہے کہ ہیأت مجموعی کے لحاظ سے مرزا کی غزل نظیری کی غزل سے تینا بڑھ گئی ہے۔ لیکن ایک اور غزل میں نظیری سے سبقت یگانے کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ غزل کو مطلقاً نظیری کی غزل پر ترجیح دیا جائے۔ نظیری وہ شخص ہے جس نے مرزا صاحب کہتے ہیں۔

”صائب چہ مجال است شوی بچہ نظیری عرفی بہ نظیری ز سائید سخن را“
 در مرزا اجلال اسیر کہتے ہیں۔

بچہ شعی نظیری حد بشر نباشد

دشمن ابوالفضل آئین اکبری میں اس کی نسبت لکھتے ہیں ”وہ اس قدر ہنگامہ مہنی بردی کہ اس ہمارے غرض مذکورہ بالا غزلوں کے مقابلہ کرنے سے صرف اس قدر بھی کہ مرزا نے غزل نظیری کے متبع کو جس درجے تک پہنچایا تھا اس سے لوگ اچھی طرح مطلع ہو جائیں۔ ورنہ اس

اور جس قدر ترنس مرزا نے نظیری کی غزلوں پر لکھی ہیں ان میں شاید ہی کوئی غزل ایسی ہوگی جس
نظیری کی غزل کا پتہ مرزا کی غزل سے غالب نہ ہو۔ کیونکہ اکثر کچھ شعرا اگلوں کی انہیں غزلوں پر
میں آزمائی کرتے ہیں جو ان کے سارے دیوان میں چیدہ و برگزیدہ اور منتخب ہوتی ہیں۔ پس ایسی غزل
میں انہوں سے پچھلوں کا سبقت بھانا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے۔

اب ہم مرزا کی ایک غزل کا موازنہ ظہوری کی غزل کے ساتھ کرتے ہیں کہ یہ دونوں غزلیں
شیخ سعدی کی اس غزل پر لکھی گئی ہیں

”شب فراق چہ دانہ کز ما سحر چندست مگر کسیکہ بزندان عشق در بندست“

اگرچہ مرزا نے ظہوری کی غزلوں پر بہت کم غزلیں لکھی ہیں مگر چونکہ وہ اپنے تین ظہوری کا
شیخ ظاہر کرتے ہیں اس لئے اس کی ایک غزل کے ساتھ بھی مرزا کی غزل کا موازنہ کرنا ضرور تھا۔
ظہوری کا دیوان جو ہمارے پاس موجود ہے انہیں۔ یا تو کاتبوں کی تصحیف سے، اور یا خود ظہوری
کا پیچیدہ بیانی کے سبب۔ اکثر اشعار کے معنی سمجھ میں نہیں آتے بہت مشکل سے صرف ایک غزل
میں کئی جگہ ہر ایک شعر کے کچھ نہ کچھ معنی اپنی سمجھ کے موافق لگائے گئے ہیں، اور اسکے تمام
اشعار کا مقابلہ بعض اصحاب کی معرفت دوسرے صحیح نسخہ سے بھی کر لیا گیا ہے۔ اس لئے وہی غزل
موازنے کے لئے انتخاب کی گئی ہے۔ اور چونکہ وہ شیخ کی غزل پر لکھی گئی ہے اس واسطے خیال
کیا گیا ہے کہ ظہوری نے انہیں اپنی پوری طاقت صرف کی ہوگی۔ ایک اور وجہ اس غزل کی شخصیں
کی یہ ہے کہ مرزا نے اپنی تمام غزل میں ایک شعر کے سوا تمام اشعار میں وہی تافیہ بانہ ہے جو
ظہوری کے ہاں بندہ ہوئے تھے۔ اور نیز وہ غزلیں دیات کی قداو کے لحاظ سے بھی برابر بیانی

یعنی دوش و تنہا کی ہیں۔

غالب

ظہوری

چرخ من ز سیاہی شبامانیت

بیشقابلی دیوانی خوردندست

چگونم کز شب چندنت یا چندست

بہر ز جملہ کز آزاد مردایں بندست

ظہوری کہتا ہے کہ عشق میں جو شخص دیوانگی کی قابیلیت رکھتا ہے اسی کو خوردند سمجھنا چاہئے۔
چاہئے کہ تو سب سے قطع تعلق کر دے؛ کیونکہ جو شخص تعلقات سے آزاد ہے وہی بند عشق کا آزاد
یعنی اسکے لائق ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ جبکہ میری صبح تاریکی کے سبب شام سے شام ہے تو مجھے یہ کیا پوچھتے ہو کہ رات
کتنی گزری یا کتنی باقی ہے؟ مطلب یہ کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک میرے دل کی
رات پر تاریکی ہی تاریکی چھائی رہتی ہے؛ پس مجھے کیا خبر ہے کہ کتنی رات گزری اور کتنی باقی ہے؟
ظہوری کے شعر میں اسکے موافقہ جدت نہیں ہے کہ اسنے اپنی عادت کے موافق آئیں بھی منہ سے
کما التزام کیا ہے یعنی دیوانگی پر خوردندی کا اطلاق کیا ہے اور آزاد پر قید کا) مرزا نے ایک
معمولی خیال میں جدت پیدا کی ہے اور نہایت صفائی سے مطلب ادا کیا ہے۔

غالب

ظہوری

نگاہِ مہر بہ دل سرزدادہ چشمہ نوش

بہ شکر دیدہ تر تر زبانئے دام

ہنوز عیش با نوازہ بہ شکر خندست

کہ ز ہر گریہ طراوت دہ شکر خندست

ظہوری کہتا ہے کہ میں دیدہ تر کے شکر میں تر زبان اور طرب اللسان ہوں؛ کیونکہ گریہ کا زہر

مشتوق کے شکر خند کو طراوت دیتا ہے یعنی ہمارے رونے پر اسکو بے اختیار ہنسی آتی ہے،
 گویا ہمارے آنسو خند و مشتوق کی جڑ کو تروتازہ رکھتے ہیں۔ مرزا کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ غشوق
 کو بظاہر ہنسی خوشی کے ساتھ ملتا ہے مگر کوئی دلی محبت کی بات اب تک ظہور میں نہیں آئی
 جس سے ہمارا دل باغ باغ ہو جائے۔ اس مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ابھی تک اسکی
 نگاہ و مہر محبت نے لذت و حلاوت کی سوت ہمارے دل میں جاری نہیں کی، بلکہ ہم مرزا
 اس کے ظاہری شکر خند پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

ظہوری کے ہاں وہی لفظی مناسبتیں جیسے دیدہ تراو، تر زبانی یا زہر گرہ اور شکر خند
 پر نسبت مرزا کے زیادہ ہیں مگر مرد کا شہر اس سے زیادہ بلند و بلخیز اور عاشقانہ ہے۔

غالب

ظہوری

نہ گفتہ کہ بہ تمنی باز و پند پذیر

مگر در خست بے طاقتی شود مرهم

برو کہ بادۂ قلع ترا زیں پند

کہ گوش دل شد گاں زیں گشت پند

ظہوری کہتا ہے کہ دل شد گاں یعنی ہم عاشقوں کے کان نامح کی نصیحتوں سے زخمی ہو گئے
 ہیں، اس کے اس زخم کا مرہم بھی ہو سکتا ہے کہ انکو بے طاقتی دینی بے وصلگی اور عدم عمل
 کی اجازت دی جائے تاکہ وہ نامح سے گھٹپ ہو کر اپنے دل کی بھر اس نکال لیں۔

مرزا نامح سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے نامح! تو نے بھی نہیں کہا کہ تمنی (یعنی ہمارے نصیحت)
 سے موافقت کرے! اور ہمارا کتنا مان لے۔ جا! اپنا رستہ لے، ہماری شرابا پس حیثیت
 یا دہ مخ ہے، ہمیں ہر گز تیری نصیحت کی تلخی سے اشتی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قافیہ بھی

یہ کہ ظاہر ہے۔ مرزا کے ہاں نسبت ظہوری کے زیادہ گرم بندہ ہے۔

ظہوری	غالب
چشم کہ عہد گسل و درت کشا کش ناز	دراز دستی میں چاکی از گندہ چسب
کہ ہر گسختنی صد ہزار پیوندست	زمینش - دلق مرغ با ہزار پیوندست

ظہوری کہتا ہے کہ اگرناز و غمرے کی کشاکش تجھے عہد شکنی کراتی رہتی ہے تو کچھ انوس کی بات نہیں کیونکہ گسختنی (یعنی ہر عہد شکنی) لاکھ پیوند کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ جس قدر تو عہد توڑتا ہے اسی قدر پیوند عشق زیادہ مستحکم ہوتا جاتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ اگر میری دراز دستی ادیبے بالی و دردمشربی نے دلق مرغ و قعرے کو کسی قدر چھانڈا والا ہے تو میرا چند ان قصور نہیں ہے؛ کیونکہ اسیں تو پہلے ہی سے ہزاروں پیوند لگ چکے ہیں۔ میں خود اہل مرغ و قعرے ہی اُسکی دھجیاں اڑا چکے ہیں؛ مگر ریاکاری سے پیوند لگا لگا کر اُسکا عیب ڈھانکتے رہتے ہیں۔ ظہوری کے شعور میں عشق و محبت کے ایک دقیق موازنے کی طرف اشارہ ہے۔ جو عشاق پر ہمیشہ گذرتا ہے۔ اور صنعتِ تفنن کا التزام نہیں کیا۔ چھوڑا، گسختنی پرانے ضدِ حقیقی یعنی پیوند کا اطلاق کیا ہے۔ باوجودیکہ ظہوری کے دل سے تافہ نہایت، عہد شکنی سے بندھا تھا۔ مرزا نے بھی اس تافے کے بانڈ جسے میں کچھ دباؤ تھا نہیں دی؛ یہاں تک کہ ظہوری کے شعر کو شکل سے اس پر ترجیح دیا سکتی ہے۔

ظہوری	غالب
--------------	-------------

نہیم آنکہ میاوا میرم از شاوی
نہ گوید ارچہ ہر گس از دست

بگوئی مینہ وفا از تو با درست بگو
شوم فدا سے دروغی کہ ارش است

مرزا نے ماتر کا قافیہ مطلع کے سوا پھر کسی شعر میں نہیں باندھا۔ اور ظہوری کے اس
آرزو مند کا قافیہ کہیں نہیں بندھا۔ اس لئے یہ دونوں مختلف القوافی میں ایک جگہ لکھ گئی
میں بسنی دونوں کے ظاہر ہیں۔ ظہوری کا شعر بہت صاف اور لطیف اور مرزا کے شعر سے
زیادہ نچرل ہے۔ مرزا نے مضمون میں جدت تو پیدا کی ہے مگر یہ سنکر کہ مشوق ہمارے رہنے
کا آرزو مند ہے خوشی سے مرعانا واقع کے بالکل غلام ہے۔

غالب

ظہوری

وجودِ احمد حسنت و ہستیتم بہ عشق
بخت و شمن اقبال است و سرگندست

ز اہل ہر محبت نشانِ ارم کس
بہر خوشی و بے میری تو سرگندست

ظہوری کا شعر صاف ہے۔ اول دعویٰ کرتا ہے کہ ہر محبت کا دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے اور اس
دعویٰ پر اپنی محبت اور مشوق کی بے مہری کی قسم کھاتا ہے جسکی خوبی اور لطافت ظاہر ہے۔
مرزا کا دعویٰ یہ ہے کہ مشوق کا وجود سراپا حسن و جمال ہے؛ اور میری ہستی سراسر عشق و محبت
ہے۔ اور اس دعویٰ پر رقیب کے نصیب کی اور مشوق کے اقبال کی قسم کھاتا ہے کہیں
ظہوری کی قسم سے زیادہ لطافت اور نزاکت پائی جاتی ہے، رقیب کے نصیب کی قسم اس لئے
کھاتی ہے کہ جو وجود سراپا حسن و جمال ہے وہ بالکل اسی کے جتنے میں آگیا ہے۔ اور مشوق کے
اقبال کی قسم اس لئے کھاتی ہے کہ مجھ جیسا شخص اس کے سوا میں عشق و محبت کا پتلا بنگیا ہے۔

اسکے سوا لفظی متا بہتیں جیسے حسن و شوق، وجود و ہستی، دشمن و دوست، اور بخت و اقبال
یا تمام شعر کا مناسب اجزائیں تقسیم ہونا۔ اسے شعر کو بہت بلند کر دیا ہے۔

غالب

ظہوری

شمار کج روی دوست در نظر دارم

زہر روان تو منزل شمار اگر شمار دو

دریں نور دندائم کو آسمان چہ دست

غم از کسے کہ نیند از اندیش چہ دست

ظہوری کتاب ہے کہ تیری راہ میں جو شخص۔ منزلیں گنتا ہے، اور یہ خیال رکھتا ہے کہ کتنا ستر
طے ہوا اور کتنا باقی ہے۔ اسکو تیرے رہروں میں کون شمار کرتا ہے؟ پھر کتاب ہے کہ دغم از
کسی ست، یعنی غم مشوق اس شخص کا حصہ ہے جسکو اپنے غم کی کمی یا زیادتی کا مطلق شعور نہیں۔
مرزا کہتے ہیں کہ میرے خیال میں دوست کی کج روی کا تصور ایسا جاہوا ہے کہ مجھے یہ خبر نہیں کہ
اس نوزد (یعنی کج روی) میں آسمان کی کس قدر شرکت ہے۔ مرزا کا بیان کسی قدر ظہوری کے
بیان سے صاف ہے مگر مضمون کے لحاظ سے دونوں شعروں میں کچھ لطافت یا خوبی معلوم نہیں ہوتی۔

غالب

ظہوری

برخ از پے رحمت نگاہ ہشتہ اند

شکوہ گشتہ بایام گرچہ زنجیر ست

ز حکمت است کہ بای شگستہ در بند ست

اسیر آنکہ تبار نگاہ در بند ست

ظہوری کتاب ہے کہ ایک مدت کے بعد لوہے کی بیڑی بھی کٹ جاتی ہے اور قیدی رہا ہو جاتا ہے
پس درحقیقت قیدی وہی ہے جو تبار نگاہ مشوق میں الجھا ہوا ہے۔ جسکو اس قید سے کبھی ہٹانی نہیں
مرزا کہتے ہیں کہ یہاں تکلیف میں اس لئے رکھا جاتا ہے کہ راحت حاصل ہو۔ اور اسکی مثال یہ ہے

کرا پاشکتہ آدمی کو جو پلنے پھرنے نہیں دیتے، اور جیب تک ہتھی بٹرنے جائے مقید رکھتے ہیں۔ اس کے مطلب یہی ہوتا ہے کہ آخر کار اسکو راحت حاصل ہو۔ ظہوری کے شعریں کسی قدر جدت ہے مگر شرکی بندش سنت اور ڈھیل ہی ہے مرزا کے ہاں معنوں میں کچھ ایسی جدت نہیں ہے گویاں نہایت چست اور ٹھیک ٹھاک ہے۔

غالب

ظہوری

اگر نہ بہرمن - از بہر خود غزیم دار

ز بند گاہ فسرد آرزو - خدا نکند

کہ بندہ - خوبی او خوبی خدا داند

ہمیں بس ست کہ ایندہ او خدا داند

ظہوری کے شعریں ”خدا نکند“ یا تو محض مشوہ ہے، اور یا اس کے بعد کچھ عبارت مقدر ہے یعنی ”خدا نکند کہ آرزو دیکھیں“ باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

مرزا کا شعر ان کی غزل میں بیت التزل ہے؛ اور معنی اور لفظاً دو طرح سے ظہور کیے شریر بیچ کتھا ہے

غالب

ظہوری

نہ اُن بود کہ وفا خواہ از جن غالب

ای شیرین - ظہوری نشاندہ دارد

ہمیں کہ پسند گویند بہت خرسند

نشاندہ اینکہ بہبود دوست خرسند

ظہوری کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ اسیر عشق کی یہ پہچان ہے کہ وہ دوست کے ظلم سے خوش نہا ہے۔ مرزا کے شعر کا یہ مطلب ہے کہ میر تقی میر وفائی تلاش سے یہ نہیں ہے کہ میں اہل دنیا سے وفا کا طالب ہوں؛ بلکہ میں اسی میں خوش ہوں کہ میں پوچھوں کہ دنیا میں وفا ہے؟ اور لوگ اس کے جواب میں کہیں کہ ہاں ہے۔ وہ تو قطع ہوا میں مگر اب وجود اس کے مرزا کا بیان باکیں سے خالی نہیں۔

ہے دو فرشاخوں کی تنوں کی شرح بخوبی کر دی ہے، مگر زیادہ بکثرت جینی کرنا نیزہ
اور دونوں تنوں میں محاکمہ کرنا بھی نادرین کی راس پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود بشرطیکہ فاسق
رکتے ہونگے۔ اس بات کا اندازہ کر لیں گے کہ دونوں تنوں میں کیا نسبت ہے۔

رباعیات

مزا کی رباعیاں تنہا دس قریب سو اُس کے ہیں جن میں سے اکثر شوخی و ہیا کی، باد
مہابت، اور شکایت و زار تالی کے مضامین پر مشتمل ہیں، اور کسی قدر مضبوطانہ، اور چہ
مضامین پر ہیں۔ مختصات میں ظاہر اہم حیات کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مزا کی رباعی میں بے
تغریبات کے زیادہ صفائی و نگشتی اور گرمی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے کسی نہ
بطور نمونے کے یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوگی رباعی کے ساتھ اسکی شرح:

۱ غالب ہرگز دودہ زاد ششم
چوں رفت سپیدی ز دم چنگ شعر
زماں رو صفای دم نیست دم
شد تیر شکستہ نیا گاہ
اگر گو ہر اصل دودہ نسل و خاندان
زاد ششم چنگ کے باپ اور تورابن فرید
نام ہے جسکی نسل میں مزا اپنے تئیں بتاتے ہیں
دم تیغ تلوار کی دھار و دم تیغ
سپیدی سلطنت و سپہ سالاری
تیا واد و نیا گاہ جمع
کتاہے کہ جب سپہ سالار
قوم سے نصرت ہو گئی تو میں نے شکرنا اختیار کر لیا
گویا بزرگوں کا ٹوٹا ہوا تیر مسر اقلیم بن گیا
۲ شرطت کہ بہر فیض آداب در سوم
خیزد بے راز بنی امام معصوم

مزا کی

تفصیل

ذاجماع چہ گوئی بہ علی باز گر آئے
ہر جاے نشین مہر باشد نہ بخوم
یہ رباعی مرزا کے تفسیلی ہونے پر دلائل کرتی ہے نہ تنبیہ پر؛ کیونکہ خلفائے شمس پر بخوم اطلاق
حضرات شیعہ نہیں کر سکتے۔

نقص

۳ راہیت زمبہ را حضور باشد
خواری تو دراز گیر و خواہی کوتاہ
ایں کوثر و طوبیٰ کہ نشانہ دارد
سر چشمہ و سایہ است در نیر راہ

اس کتاب کے بندے سے خدا کی حضور تک ایک راہ ہے؛ خواہ اسکو دراز سمجھو خواہ کوتاہ سمجھو۔ اور یہ
جو کوثر و طوبیٰ ہیں جنہیں اسکی راہ کے کچھ کچھ نشان پائے جاتے ہیں۔ یہ ایسے ہیں جیسے آثار
راہ میں چشمہ اور سایہ آجاتا ہے۔

نقص

۴ اَلْ مرد کردن گرفت دانا بنود
از غفۃ فراغتش ہما بنود
دارد بجاں خانہ وزن نیست درو
نازم بخدا چسرا تو انا بنود

تیسرے مصرع میں دار و کا فاعل خدا ہے جسکا نام چوتھے مصرع میں لیا ہے خانہ سے دار
خانہ کہہ رہے باقی شعر کے معنی ظاہر ہیں۔

نقص

۵ بادست غم اَلْ باد کہ مال بیو
آبِ رخ ہوشمند و عافل بیو
بگذاشتہ ام خے زمبہا پیر
کش اندہ مرگ پر از دل بیو

اس کتاب کے غم ایک ہوا ہے۔ ایسی ہوا کہ تمام خرس کو ڈال دیا جائے؛ اور دانا اور ناداں کی آبرو کو
ہماے جائے؛ اسی لئے میں بیٹے کے لئے ایک شراب کا مشا جوڑ چلا ہوں؛ تاکہ باپ کے
رنے کا غم اسکے دل سے دھو دے۔

نونی

۶ اسے آنک براہ کعبہ روئے داری لازم کہ گزیدہ آرزوئے داری
 ایں گوئے کہ تندے خوامی۔ دالم درخانہ زن ستیزہ خوئے داری
 کعبہ جانے والے سے کہتا ہے کہ تیرا رادہ تو بہت عمدہ ہے، مگر تو جو ایسا بھاگا جاتا ہے میں
 سمجھتا ہوں کہ تیرے گھر میں بد مزاج عورت ہے جسکے سبب سے کعبہ جانے میں اسقدر جلدی ہے۔

خزینہ

بیاتعلقی

۷ شاہر حیند وایہ جو آمدہ ام دانی کہ چہ پایہ نغیر گو آمدہ ام
 رنگم کہ بسار رایہ رو آمدہ ام آجم کہ محیط را بجو آمدہ ام
 ۸ زانجا کہ دلم بوہسم در بند بنود باوچ علاقہ سخت پیوند بنود
 مقصود من از کعبہ و آہنگ سندر جز ترک دیار زن و فرزند بنود

یعنی چونکہ میں دہم میں جو نیت کو بہت کی صورت میں دکھاتا ہے۔ اگر قرار نہ تھا، اسی لئے
 کعبہ کے غم سفر سے میرا مقصد زن و فرزند کا ملک چھوڑ دینے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

عاشق

۹ اسے جام شراب شاد کامی زدہ درجور دم از بلند نامی زدہ
 یاد آر ز من چو بیستی اندر ہے تنہا ر و خستہ حرامی زدہ
 حرامی۔ فراق۔ حرامی زدہ قزاقوں کا لوٹا ہوا اس شعر میں مشوق کی طرف خطاب کیا
 ہے اور اپنی حالت کو اس مسافر کے مشایہ بتایا ہے جو تنہا ہوا، مجروح ہوا، اور قزاقوں نے اسے
 لوٹ لیا ہوا، گویا مشوق کو قزاق پھیرایا ہے۔

نونی

۱۰ اسے آنک ترا سعی بدرمان بست منم مکن از بادہ کہ نقصان بست
 حیف ست کہ بعد من بملث رود ایں یک دوسہ تخم کہ دشتان بست

عیب کی طرف خطاب ہے کہ مجھے بیماری میں شراب سے کیوں منع کرتا ہے؟ اگر میں کیا
تو غضب ہو جائیگا، کہ یہ رکھنے دو تین شے میرے کام تو نہ آئیں گے، میرے وارث کو بیچ جائیگے۔

۱۱ آتم کہ بہ پیاء من ساقی دہر ریزہ دمہ درد و تلخ آب زہر
بگذر ز سعادت و نحوست - کمر ماہید بہ غم ز گشت، و مریخ بقہر

ماہید یعنی زہر کو سعد اور مریخ کو غم قرار دیا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ سعادت و نحوست کے
خیال کو جانے دو! میرے حق میں تو سعد و غم دو تو قسم کے سارے غم ہوں گے، کہ زہر
نے مجھے غم سے قتل کیا اور مریخ نے قہر سے۔

۱۲ شریقت کردی دل خاتم جمہ عمر خونا بہ پنج ز دیدہ پاشم جمہ عمر
کافر پاشم اگر برگ - مومن چوں کہ بہ سیہ پوش نباشم جمہ عمر
۱۳ غالب روش مردم آزاد جد است ز قمار اسیران رہ و زاد جد است
ماترک مراد را ارم می دانیم وال باغچہ ضبطی شداد جد است

یعنی آزاد لوگوں کی آذر روش ہے، اور جو لوگ قوشہ اور رسم و راہ کے گرفتار ہیں انکا آذر
ڈھنگ ہے۔ ہم کہ آزاد لوگ ہیں، ہمارے نزدیک ترک مراد کا نام ارم ہے، اور وہ ارم جس
شداد محروم رکھا گیا وہ ہمارے ارم سے الگ ہے۔

۱۴ این نام کہ راحت دل پیش آورد سرمایہ ابرو سے درویش آورد
درہرین بود بید جانے - یعنی سامان ثار خویش با خویش آورد
۱۵ منصور شمش ز نکتہ چیناں چ بود در دست خطر ز ہمتیناں چ بود

نکتہ چیناں

نکتہ چیناں

نکتہ چیناں

نکتہ چیناں

نکتہ چیناں

چون غائب گمان بنیاں دست دریا بک انجام دو بنیاں چہ بود

کتاب ہے کہ اگر مشورہ کو لوگ کہیں کہ سولی پر چڑھایا گیا اور ذلت سے مارا گیا تو منصور کو اس کی کچھ پروا نہیں مگر تم دیکھو کہ جب منصور جیسے گمان میں لوگوں کا انجام دار ہے تو وہ بینوں کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

۱۶ ہر کس ز حقیقت خبرے داشتہ است
بر خاک رہ عجز سرے داشتہ است
زادہ ز خدا ارم بدعوے طلبید
شداد ہمانا پسرے داشتہ است

شوخی

کتاب ہے کہ جو شخص اپنی یا انسان کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے اسکو عاجزی کرنے کے سوا کچھ بن نہیں آتی۔ پس زادہ جو خدا سے ارم بدعوے کے ساتھ طلب کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ شداد نے بیٹا اپنا وارث چھوڑا تھا۔ کیونکہ اقل تو ارم جو کہ متروکہ شداد ہے اسکا دعوے کرنا، اور پھر خدا کے سامنے اس کے مانگنے میں ہیکڑی کرنی، یہ دونو باتیں اس بات کو دلیل ہیں کہ شداد نے اپنا وارث حقیقی چھوڑا تھا۔

۱۷ غالب سخن گرچہ کست ہمست
از نشہ ہوشی بچت اندر ہمست
نئے خواہی و منت و فقر و انگہ بیار!!
ایں بادہ فروش ساقی کوثر نیست

شوخی

کتاب ہے کہ اسے غالب اگرچہ شاعری میں کوئی تیرا ہمسر نہیں، مگر عقل کا نشہ تیرے دماغ میں لگال نہیں، شراب چاہتا ہے، وہ بھی منت، اور وہ بھی عمدہ، اور پھر کثرت سے!!! یہ بادہ فروش ہے، ساقی کوثر نہیں کہ تیری سب خواہشیں پوری کر دیگا۔

۱۸ گردیدن ز اہد ان بخت گستاخ
دیں دست و آری بہ تر شاخ شاخ

شوخی

چوں نیک نظر کنی زرد و سبب تشبیہ
ماند یہ بہائم و خلعت زارِ فرخ
یعنی زاہدوں کا بہشت میں بیباک پھرتا، اور جا بجا ٹہنیوں پر پھیلوں کے لئے ہاتھ مارنا،
اگر غور کر کے دیکھو تو اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک وسیع چراگاہ ہے اور آسمیں ڈھور
ڈانگر چرتے پھرتے ہیں۔

اخلاف

۱۹ اُن را کہ بود در ستی در زجام
ہم محرم خاص آید وہم مرجع عام
اُنساں نبود کشاکشِ پاس قبول
ز نہار نہ گردی بہ نگوئی بدنام
زجام۔ انجام اور نگوئی انجام اور رنگ درون کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں رنگ درون یعنی بشر
زنا موری مراد ہے۔ کتاب ہے کہ جسکی شہرت صحیح اور سچی ہوتی ہے وہ ضرور ہے کہ خواص کا
محرم اور عوام کا مرجع واقع ہو۔ مگر پاس قبول کی کشاکش یعنی ہر موقع پر اس بات کا خیال
رکھنا کہ قبولیت میں فرق نہ آئے۔ نہایت سخت چیز ہے۔ پس ہرگز نیکی کے ساتھ بدنام یعنی
مشہور ہونا نہیں چاہئے۔ اس موقع پر بچاے مشہور کے بدنام کا لفظ نہایت لطیف واقع ہوا ہے
جس سے ساری باغی میں جان پڑ گئی ہے۔

نہنجی

۲۰ در عالم بے زری کہ نخست حیات
طاعت نتوان کرد باتمید نجات
اے کاش ز حق اشارتِ موم و صلوة
بودے یو جو رہ مالِ حوس حج و زکوٰۃ
کتاب ہے کہ بے مقدوری کی حالت میں جبکہ زندگی تلخ ہوتی ہے نجات کی اُمید پر طاعت
نہیں ہو سکتی کاش ایسا ہوتا کہ جس طرح حج اور زکوٰۃ میں استطاعت اور قبول شرط ہے روزہ
اور نماز میں بھی یہی شرط ہوتی۔

شکایت
ایمانی
زمان

میکش
۹۹

خزینہ

ایم
عفو

۲۱ ہر چند زمانہ مجمع جہاں است در جہل نہ حال شاں بیکہ است

کودن ہمہ - لیک از یکے تاوگرے زرق خرمیسی و خرد جبال است

کتاب ہے کہ اگرچہ زمانے میں جہاں جاہل بھرے ہوئے ہیں، مگر جہل میں انکا حال تنہا و مختلف ہے۔ کودن تو سب ہیں۔ مگر ایک دوسرے میں ایسا فرق ہے جیسا خرمیسی اور خرد جبال میں۔

۲۲ نایکش و جوہر دو غنور داریم شان و گرد و شکت دیگر داریم

در میکدہ پریم کہ میکش ازماست در معسر کہ تنغیسم کہ جوہر داریم

یہ رباعی منشی جو اہر شکوہ جوہر اور میر احمد حسین میکش کے حق میں کہ دو نومرزا کے عزیز ناگروں میں سے تھے لکھی ہے۔ در میکدہ پریم - یعنی پیر مغانیم - باقی رباعی کے معنی ظاہر ہیں۔

۲۳ دستم بہ کلید غمتنے سے باست در جو دوستی - بدائے می باست

یا چچ گم بہ کس بقادے کار یا خود بزمانہ چوں نے می باست

کتاب ہے کہ یا تو میرے ہاتھ میں کسی خوانے کی گنجی چاہئے تھی، اور اگر ہاتھ خالی ملا تھا تو کسی کسی کا دامن ہونا چاہئے تھا۔ جبکہ قوتل سے زندگی بسر ہوتی، یا بھلو کہی کسی سے کام نہ پڑتا، اور یا زمانے میں خود مجھ جیسا صاحب کمال ہوتا۔ جو میری قدر کرتا۔

۲۴ ہستم ز نے امید مرست و دست دارم سر اس کلاہ دست - و دست

گزارش لطف و کرے نیت - رہا است استحقاق تر تحہ ہست و دست

سر اس کلاہ - یعنی سر اس رشتہ - باقی معنی ظاہر ہیں۔

۲۵ گر گردن گنج گیسو بر خیزند پسند که دود از جلوس بر خیزد
 بخت ترواں نادر برگیه گراں بنشین که بخدمت دگر بر خیزد

گنج گیسو گرد آئینے کے معنی اسکے خالی ہو جانے کے ہیں۔ کتا ہے کہ اگر جواہرات کا ترخ
 خالی ہو جائے تو بلا سے، گر یہ گودا ست کر کہ کسی کے جلوس دھواں آئے۔ بیک بائے دواں
 پراحسان نہیں رکھا جاسکتا؛ خدا نے انکی خدمت پر تھکوا کھا کیا ہے؛ اگر تجھے یہ خدمت
 پوری نہیں ہو سکتی تو بیٹھا جاتا، تاکہ دوسرا اس خدمت کے لئے آئے۔

۲۶ اسے دوست بسوی این داندہ بیا از کوچه غیسر راہ گرداندہ بیا
 گشتی کہ مرا خواں کہ من مرگ توام برگشتہ خویش باش دنا خواندہ بیا

دپر کے دونو مسرے صاف ہیں اسکے بعد کتا ہے کہ اسے دوست توئے مجھے کتا تھا کہ
 مجھے مت بلانا میں تیری موت ہوں اچھا اب تو اپنے گھنے پر قائم رہ اور جس طرح کہ دوست
 بن بلائے آئی ہے تو بھی بن بلائے چلا آ۔

۲۷ اسے آنکہ ہما اسیر دست باشد صاف ہے خسروی بکاست ہند
 قبیح ہراسم آئی کہ بود آغاز از ابتدا سے نامت باشد

یرامی بجان ملیخاں مرحوم کو جو مرانے خط لکھا تھا اسکے اول میں لکھی تھی معنی ظاہر ہیں۔

۲۸ بازی خور روزگار بودم ہمہ عمر از بخت امید و در بودم ہمہ عمر
 بے مایہ فکر سود ماندم ہمہ عمر بے وعدہ در انتظار بودم ہمہ عمر

۲۹ باد کردت ز غصہ یہم نشود از رفتن زردست خوش غم نشود

ایں سیم دُورست خواجہ! ایں سیم دُورست
 غم نیست کہ ہر چند خور می کم نشود
 دست خوش مغلوب دُورست۔ مکتا ہے کہ اسے دو قلمند اچا ہے کہ کم ہو جانے سے
 تیرا دل پریشان اور غم میں دبا ہوا نہ ہے۔ اسے حضرت یہ سیم دُورست ہے، اور پھر کہتا ہوں کہ یہ سیم
 یہ غم نہیں ہے کہ جس قدر کھائے جائے کم نہیں ہوتا۔

۳۰۔ دارم دل شاوودیدہ بینا کے دُر کر ہی گوشم بنود پروائے
 خوبست کہ نشوتم زہر خود رائے گلابانک انا زنگم الاعلائے
 مکتا ہے کہ مجھ کو کڑی گوش یعنی نقل سماعت کی کچھ پروا نہیں بلکہ اس کو بستر سمجھتا ہوں کیونکہ مرنے والا
 اور خود پسندوں کی زبان سے انا زنگم الاعلا (جو کہ فرعون کا مقولہ ہے) نہیں سنتا۔

۳۱۔ اے کردہ بارائش گفت از بیج در زلف سخن کشودہ راہ غم و بیج
 عالم کہ توجیز دیگرش مسد انی ذاتے ست بسیط منبسط دیگر بیج
 بیج۔ قصد۔ زلف سخن میں غم و بیج کی راہ کھولنے سے مراد میان میں جمیدگی پیدا کرنی، مکتا ہے کہ عالم
 جسکو تو نے کچھ اور چیز سمجھ رکھا ہے۔ وہ مرث ذات واحد ہے جو بسیط ہے یعنی مرکب نہیں۔ اور منبسط
 ہے یعنی تمام فضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں۔

۳۲۔ اے تیرہ زمیں کہ بودہ بستر من ہر خاک کہ باقت ہمہ بر سر من
 زہر بر کسان و بہر من دانہ و دام!! اے مادر دیگران و مادر من
 مادر سو کیلی ماں کو کہتے ہیں۔ زمین سے خطاب کرتا ہے کہ اوروں کے لئے تو تجھ پر سونا بچھا ہوا ہے
 اور میرے لئے دانہ و دام کے سوا کچھ نہیں، گویا تو اوروں کی ماں ہے اور میری میسر ہے۔ یہ مغنون

لانی

دو

شکار

تھوڑے تھوڑے فرق سے رودکی اور فرخی نے بھی باندھا ہے، مگر فرزا کے ہاں سب سے عمدہ طور پر بندھا ہے رودکی کتاب ہے ”جہان چہ بینی تو از بچکوں چہ مادر گئے گاہ ما دندری“

اور فرخی کتاب ہے ”مہرِ فرخی بر خواجہ گلندہ ست جہاں چہ ایں جہاں اور اندیت کہ ما دندراوت“

چند

۳۳ آنرا کہ ز دست بے زدی پالست رسولی نیز لازم احوال ست

با خشک لبیم و خرفہ آلودہ پئے ساقی گرش پیالہ از غزال ست

کتاب ہے کہ مغلس آدمی کسے یہ بھی ضرور ہے کہ رسوا اور بزد نام ہو۔ چنانچہ مہکود کیو، لکھتا ہے ہرنٹ
 از خشک ہیں، اور کپڑے شراب میں آلودہ ہیں؛ گویا ساقی کا جام چھلنی کا بنا ہوا ہے کہ نہ تھکتے تھے
 ساری شراب کپڑوں پر ٹپک جاتی ہے، قاعدہ ہے کہ مغلس آدمی جو شراب پینے لگتا ہے وہ بہت جلد
 بدنام اور رسوا ہو جاتا ہے، کیونکہ کبھی کلال کی دوکان پر جا کر اتھ پارتا ہے، اور جو تھوڑی بہت
 مل جاتی ہے تو بہت ہو کر اسکی دوکان ہی پر یا راہ میں گڑ پڑتا ہے، اور آنے جانے والے سب اسکو
 دیکھتے ہیں، کبھی کلال کے دام چڑھ جاتے ہیں تو اس سے بانڈیں تکرار ہوتی ہے اور سب لوگ دیکھتے
 ہیں، حالانکہ کبھی اسکو اطمینان سے سیر ہو کر شراب پینی میسر نہیں ہوتی، اس حالت کو اس تشیل کے
 پیرائے میں بیان کیا ہے کہ گویا ساقی تقدیر ہو چھلنی کے پیالے میں شراب دیتا ہے کہ ہرنٹ ملک تو
 نہیں ہوتے اور کپڑے سارے شور ہو رہ جاتے ہیں، ایسی طرح تشیل بہت کم دیکھی گئی ہیں۔

۳۴ اسے دادہ بیاد عمر در لود و فوس ز نماز شوز رحمت حق مایوس

ہندار! اگر آتش جہنم حق را تندیب غرض بودہ تعذیب نفوس

فوس۔ ہزل و استہزا، کتاب ہے کہ جہنم میں ڈالنے سے بندوں کو تکلیف دینی مقصود نہیں ہے؛

چند

بلکہ جس طرح سونے کو آگ میں تپانے سے اسکی کھوٹ نکالنی منظور ہوتی ہے اسی طرح آتشِ ہنرمیں سے نفوسِ انسانی کو مہذب کرنا مقصود ہے۔

۳۵ یارب تو کجائی کہ بہ ما زرنہی بیدرد خدائی کہ بہا زرنہی
نے نے۔ تو نہ غائبی، و نہ بیرحمی بے مایہ چو مائی کہ بہا زرنہی

اس رباعی میں مرزا کی شوخی و گستاخی حد سے زیادہ گذر گئی ہے، دارالافتا میں تو یقیناً اسپر کفر کا فتوے دیا جائیگا؛ لیکن ہمارے نزدیک ایسے کلام سے بچاے کفر کے زیادہ تر قائل کے ایران اور یقین پر استدلال ہوتا ہے، صاف پایا جاتا ہے کہ مسائل معاش کی منگی و درخی و خوشحالی و بوجالی کو محض خدا کی طرف سے جانتا ہے؛ اور تہمید و عقل و دانش کو اس میں بالکل عاجز و درماندہ سمجھتا ہے؛ یہاں تک کہ جب معاش سے بہت تنگ ہوتا ہے تو یہ نہیں خیال کرتا کہ بھنے تہمیر نہیں کیا یا تہمیریں مجھے غلط ہو گئی، یا ہماری کابلی دوستی سے یہ ٹکدستی ہو کو نصیب ہوئی؛ بلکہ نہایت تعجب کے ساتھ خدا کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ کیا تیرا خزانہ خالی ہو گیا ہے جو ہم کو کچھ نہیں ملتا؛ ہاں اس قسم کے خطابات آدابِ شریعت کے بالکل خلاف ہیں؛ اور ایسے ہی خطابات کی نسبت کہا گیا ہے۔

”نابرہوں را نگریم و سال را ماردوں را بستگریم و حال را“

قصائد مرزا کے قصائد جن میں قطعات، نوحے، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس، وغیرہ بھی شامل ہیں کیا باعتبار کثرت اور کیا الجماد کیفیت کے انکے اصنافِ نظم میں بہت زیادہ تماز و تنوع ہے اگرچہ مرزا کی غزل کا ایک معتد بہ حصہ متاخرین کے طبقے میں کسی پڑے سے بڑے نامور اور مسلم ائمہ کی

آئاد کی تغزل سے گرا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اکثر کی تغزل پر ہر ایک لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے؛
 اگر اسی کے ساتھ تنزیلات کا ایک دوسرا حصہ ایسا بھی ہے جس میں تغزل کی شان یعنی
 عام فہم اور خاص پسند ہونا بہت کم پایا جاتا ہے۔ بخلاف قصیدے کے کہ ہمیں قصیدے
 کی شان جیسی کہ ہونی چاہئے اول سے آخر تک یکساں طور پر جلوہ گر ہے۔

قصائد میں مرزا نے کہیں خاقانی کا تتبع کیا ہے کہیں سلمان و ظہیر کا اور کہیں حنفی
 و نظیری کا؛ اور ہر ایک منزل کا میابی کے ساتھ طے کی ہے۔ مرزا کی تشبیب نسبت
 مع کے نہایت شاندار اور عالی رتبہ ہوتی ہے؛ اور اسی سے قصیدے کی پستی و
 بلندی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مشرقی شاعری میں سموں اور ایران کی شاعری میں خصوصاً
 کوئی معنوں مع و تائش سے زیادہ پیکار سیٹھا ٹھنڈا اور بے لطف نہیں ہوتا، علی الخصوص
 تاخرین نے مبالغہ کی نئے بڑھاتے بڑھاتے مع کو جو کے درجے تک پہنچا دیا ہے؛ اور اس
 طے سے مرزا کی مع بھی مشتے نہیں۔ البتہ مرنی نے مدحیہ مبالغوں میں ایک قسم کا بے تکلفی
 پیدا کیا ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس طرح قدما کے قصائد میں وہ ان نہیں
 پائی جاتی اسی طرح مرزا کے قصائد بھی اس سے مُترا ہیں۔ لیکن مرزا کے اکثر قصیدوں
 کی تشبیبیں کچھ شک نہیں کہ عربی کی تشبیبوں سے بہت لیگی ہیں۔

چونکہ مرزا کے تمام قصائد اور ان کے لطافت کے انتخاب کی اس مختصر میں گنجائش نہیں
 ہے اس لئے ہم ایک آدھ پر اقصیدہ اور باقی صرف چند تشبیبیں ۱۰ اور ایک آدھ مع اور کچھ
 نئے اور نئے بطور نمونے کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور اخیر میں مرزا کا ایک ترکیب بند

نظیری کے ترکیب بند کے ساتھ اس غرض سے نقل کر گئیے تاکہ صحاب ذوق صحیح کو دونوں کے کلام میں موازنہ اور اس بات کا اندازہ کرنے کا موقع ملے کہ مرزا نے اکبری طبقہ کے حمیدہ اور برگزیدہ شعرا کے نتیجے کو کس حد اور کس درجے تک پہنچایا تھا۔

توصیف

اے زوعم غیر غوغا در جہاں ابتدا	گفتہ خود حرنے و خود را در گماں ابتدا
دیدہ بیرون در دل از خوشی بی	پردہ رسم پرستش در بیان ابتدا
نقش بر خاتم زحرف بے صدا میخیزد	شور در عالم ز حسن بے نشان ابتدا
چرخ را در قالب بدل و در قیاس میخیزد	خاک را بر طبع پیدائی پستان ابتدا
عاشقان موقوف دار و زینت ادا	قاریاں در معرض تیغ و نشان ابتدا
زنگہار طبع ارباب قیاس میخیزد	نکتہ ہادر خاطر اہل بیان ابتدا
باغیں ہنگامہ در وحدت نمی گنجد وئی	مردہ را از خوشی دیار کراں ابتدا

دوئی کو مردے سے اور وحدت کو دریا سے تشبیہ دی ہے یعنی جسطرح دریا مردے کو باہر نکالتا ہے اسی طرح باوجود ہنگامہ کثرت کے وحدت میں دوئی نہیں ساسکتی۔ بالکل نئی اور نہایت بلج تشبیہ دی ہے۔

زربانے مبتہ باد یوار کاخے و نظر	انتہائے درنا دین و اہل ابتدا
رفتہ ہر کس تا قد مگاہے در ناخوش	پایہ پایہ از منہ را زرد ہاں ابتدا
غم چو گیر وخت تنواں شکوہ از دلدار کرد	ہر سانی اساس آسمان ابتدا

نظیری
توصیف
مردہ

گل چماندیر گرد و درفش بازار سرد
بہر تجدد طرب طرب طرب طرب
نستے از دے گھماکے بیمار از خوشہ
شعلہ در جان مرغ صبح خوں انداختہ
و جلد در ساغر مسمی طرازاں رنجیتہ
شکوہ در کاسہ دریا و کال انداختہ
جز ہیں آب آتش نرخت تنگ سو کرد
کعبہ راجوے بہشت از دواں انداختہ
جز ہیں لباس تنواں بخشن دواں
رخنہ از اسلام در کشن مغان انداختہ

یہی آتش ز روشت ہر ایک پانی سے نہیں بجھ سکتی تھی اس لئے میزاب کعبہ سے
بہشت کی نہر جاری کر دی اور کشن مغان ایک ایسا موتی تھا کہ اسلام جیسے الماس کے
سوا اسکا بندھنا یعنی اس میں رخنہ ڈالنا ناممکن تھا۔

چشم را بخشدہ چو ناں گردن سے کار با پیش
برزیں دانند طرب آسمان انداختہ
داوہ کہ در را بد انسان خشنے کاہل تھیں
در تن شمشیر پند از دجاں انداختہ
اے ز قہر خاکساں تو از شہر ہنما
چوں گلیم کسطنطنیہ را بکراں انداختہ
ذوق تلکین گویاں تو گنج مشاہد را
از دل گنجور و چشم پاسبان انداختہ
تا دریں صورت چشم دشمنان ہنپاں بود
دوست را از ظلم امتحاں انداختہ
تا علاج خستگی آسائش دیگر دور
خار با در رکندار میماں انداختہ

مرثیہ ذوق

کہتہ کفر در پے روزی ستانتن
تنگ ست تنگ در عین دنیا گریستن
گاہے باغ شاہد و ساقی گدانتن
گاہے برگ نامک و ہایا گریستن

مرثیہ ذوق
مرثیہ ذوق

باید بدرد ہرزہ گریستن - و اگر گریستن
 رشک آیدم بایر کہ در حد و سج است
 رفت آن چہ رفت - بایم انزل گشت
 ہاں تھے !! کہ باند او شست و شو
 خود را ندید زان لب نوشیں بجاہم خوش
 مژدہ شفاعت وصلہ صبر و خوں بہا
 چوں زرق غیب در و ترا عام کردہ اند

اسے فلک شرم! از سرم بر جانان مصطفیٰ
 اے بھر وادہ نازاں ہیچ میدانی چہ رفت
 سایہ از سر و روان مصطفیٰ نقشہ نماک
 گرے بازار امکاں خود فیصل مصطفیٰ است
 کینہ خواہی ہیں !! کہ با اولاد مجاوش کنی
 نیک بنود کن تو بر فرزند دلبدش و دو
 یا تو دانی مصطفیٰ را فایز از رنج حسین؟
 یا مگر گاہے نہیدی مصطفیٰ را با حسین؟
 آن حسین است ایں کہ گفتمے مصطفیٰ را وحی پاک

دوستی زبیں پیش سر آستان مصطفیٰ
 از تو بر چشم و چرخ و دو دمان مصطفیٰ
 ہاں چہ بر خاک افگنی سرور دوان مصطفیٰ
 ہیں چہ آتش میزنی اند و کان مصطفیٰ
 انچہ باہر کردہ اعجاز زبان مصطفیٰ
 انچہ رفت از مرتضیٰ بر دشمنان مصطفیٰ
 یا تو خواہی نہیں مصیبت لیٹان مصطفیٰ؟
 یا مگر ہرگز بنودی در زمان مصطفیٰ؟
 چوں گذشتے تمام پاکستان زبان مصطفیٰ

اے حسینؑ ست این سوئی شش چہ شش رخ
بوسہ چوں باقی نماندے در دمان مصطفیٰ
ندیاں را نطق بن و غالب در سماع
گشتہ ام در نوحہ خوانی مع خوان مصطفیٰ

اے کج اندیشہ فلک حرمت دیں بایستے
علم شاہ نگوں شد نہ چنیں بایستے
تا چہ اتقا دگر بنیز فرسش گردا تند
عزت شاہ شہیداں بازیں بایستے
حیت باشد کہ فتنہ خستہ ز توں برخاک
انکہ جو لاکہ او عرش بریں بایستے
حیت باشد کہ ز اعدا دم آسے طلبہ
انکہ سائل بدرش رج دیں بایستے
نازیاں را بے جگر گوشہ احمد چہ نزع
وطن اصلی ایں قوم زمیں بایستے
اینا القوم بانتزل بود از خود گویم
میںماں بے خطر از خنجر کیں بایستے

یعنی یہ تو ادنیٰ درجے کی بات ہے اگر یہ کہا جائے کہ اسے اہل شام کہلا کر لاکہ مہمان خنجر کیں سے محفوظ رہنا چاہئے تھا بلکہ جو محسن اس موقع پر کہنے کے لائق ہے وہ یہ ہے یعنی جیسا اگلے شعاریں بیان ہوا ہے۔

محسن انیست کہ در را حسین ابن علیؑ
چو یہ از روی عقیدت یہ جہیں بایستے
چشم بدور بہنگام تماشا می خوش
رو نما سلطنت روی زمیں بایستے
داشت تا خواستہ در شکر قد و رش وادان
اگرش ملک و گرجا و گیس بایستے
چوں بفرمان خود آرائی و خود بینی و غرض
اں نکر وید کہ از صدق و حق بایستے
با سیران سمدیدہ پس از قتل حسینؑ
دل ز م و منش ہر گزیں بایستے

چہ ستیزم بقضا در بگویم غالب علم شاہ گون شد نہ چنیں بایستے

۴۴

وقت است کہ در چرخ و خم نوحہ سرانی
وقت است کہ آن پر گیاں کز روئے عظیم
از خیمہ آتش زده عیاں بدر آیند
جاننا ہمہ فرسودہ تشویش اسیری
اے چرخ چو آن شد گرا ز بہر چہ گردی
خون گرد و فروریز! اگر صاحب ہری
تہناست حسین ابن علی و صفت اعدا
توقع شفاعت کہ ہمیر ز خدا داشت
فریاد ازاں حامل منشور امانست
فریاد ازاں زاری و خونا بہشتانی
فریاد ز بیچارگی و خستہ درونی
غالب حکمرانی خون کون از دیدہ فرو بار
سوز و نفس نوحہ گرا تلخ نوانی
بر در گہر شاں کردہ فلک صیہ سانی
چوں شعلہ دغاں بر شیش کردہ رانی
دلما ہمہ خون گشتہ اندوہ رانی
اے خاک چو ایں شد گرا آسودہ چرانی
بر خیز و بخون غلط! اگر ازاہل و فغانی
اگر تو کجارتی و عباس سن کجانی
از خون حسین ابن علی یافت روانی
فریاد ازاں منور اسرار بخدائی
فریاد ازاں خواری و بے برگ و فغانی
فریاد ز آوارگی و بے سرو پائی
گر روئے شناس غم شاہ شہدائی

۴۵

سرو چمن سوزی افتاد ز پا - ہاے
بر خاک رہ افتادہ تنہا بہت سرش کو
شد غرقہ بخون پیکر شاہ شہدائے
اں روی فرو زندہ و آن لبت زنا - ہاے

جتاس دلاور کردار ابروی شست
 شمشیر یکدست و یکدست لوا ہے
 آن قائم گلگون کفن عصمت محشر
 واں اکبر خونس تن میدان نما ہے
 آن اصغر دل خستہ پیکان جگر دوز
 واں عابد غمدیدہ بے برگ نوا ہے
 اسے قوت بازوے جگر گوشہ زہرا
 دست تو شبشیر شد از شانہ جدا ہے
 اسے شہرہ بامادی و سادی کناری
 کا فور و کفن۔ بگڈم از عطر دبا ہے
 اسے منظر انوار کوہ اہل خطہ را
 دیدار تو دیدار شہر ہرود سرا ہے
 اسے گلین نورستہ سلاز سیادت
 نمایافتہ در باغ جہاں نشو و نما ہے
 اسے منع آن ہشت کار امین خلد نہ
 بالغ نظران روش امین جی۔ حیت
 ماتم کہہ آن خمیر غارت زردگاں حیت
 قادی گداز حرم شیر خدا ہے
 ماتم کہہ آن خمیر غارت زردگاں حیت
 آن تابش خورشید دہاں گرم روی حیت
 غارت زردہ آن قافلہ آل عبا ہے
 غالب بلا لک نتواں گشت ہم آواز
 واں طعنہ کفار دہاں شور و غزا ہے
 اندازہ آن کو کہ شوم نوہ سرا ہے
 واں طعنہ کفار دہاں شور و غزا ہے

بیاد رکھو اے اس تنکش کاروان مینی
 کہ دروے آدم آل عبا سارا مینی
 تہنی بیج بر سر خانان گنج عصمت
 مگر در خار بن ہمارو پوڑ طلیساں مینی
 ہمانیل آتش پردہ بنگاہ خواب را
 کہ ہر جا پارہ از رخت و سحر از دھان مینی
 بینی خیمہ از آب چوں جوی کنارش را
 ز خون قشہ کا ماں خیمہ دیگر دہان مینی

بیتی سرخوش خوابیدم عباس غلامی
 هجوم خشکان و سوز و ساز نو گرفتار
 نمی بینی که چون جان و باز پیدا بود بر خراش
 گرفتیم کاینده بینی دے داری و چشمے ہم
 چه دندان بیکرا فشرود باشی کاینده دای
 نیاری گردان کوشی که پایش در کبابی
 تنه را کشی گل غار بودے برزیس یابی
 ستایش روزگار

آئین دهریت که کس از یایں دهر
 دوست مرد و هر چه کند بے خطر کند
 در ویش اگر دهر شام نان دهر
 گلزار را اگر نه قمر گل بے نهم
 دانگه کلبه گنج بدست زباں دهر
 گنج سخن مند به نناں خانه بنمیسر
 رخسانے ستاره بر لب زباں دهر
 تار و زناک تیره نگردد ز رشک چرخ
 سرا و تو بهار و تو زو خراں دهر
 تا آدمی طمان گیسو در یک هوا
 تا راحت شام و نشاط دهر
 تا آرزوے کام و مراد دهر
 طبع سخن رض خرد خورده داں دهر
 هم در بهار گل شگفتان چسمن چین
 هم در قمر میوه فشانند طبق
 آں را که نخت و دسترس نبل ان نیست

بیتی
 قصیده
 بخت
 نام دارد

آن را که طالع گفت گنجینه پاش نیست
 نعم البدل ز خانه پر دیں نشان دهم
 دادم که آسمان بزمین بشکارت گریست
 عکس چه جلوه روشنی روشنایی دهم
 چون جنبش سپهر فرمان داورست
 بیداد بنود آنچه با آسمان دهم
 رنگ از گلستان سایه بخت و نواز مرغ
 هر جا بار هر چه بود در خور آن دهم
 در تشریف قمره بنام هوا زند
 در قوس سبز حکم آب روان دهم
 منتیغ با نسیم اگر بلبک بیاف
 جان در نور و خوار خوشنایان دهم
 داور و بهر زندگی آمد نه بهر مرگ
 مجرم ز شکست نیست اگر خسته جان دهم
 پر و پر دیر یاب شمس بود و در بخت
 آواره را بر آیه ز شیرین نشان دهم
 فرادزد و دود میر کس بود در نه دهم
 کام دل غریب پس از آلت محال دهم
 دارم ز روزگار نوید که آن نوید
 در پیریم بشارت بخت جوان دهم
 از داور زمانه باز نشد درست
 شادم که محزون بد گیم ناگهان دهم
 هر گاه بسر نوشت سرایه شمار نسیم
 راهم ببارگاه شهر افسان جان دهم
 سلطان بن محمد مهدی که راسه او
 منشور روشنی به شهر خادمان دهم

مصنف سلطان طریقت

ز مردان چو گهر آبله پاهینند
 پاسه را پای و فراتر ز تر پاهینند
 هر چه در دیده عیانت بجا پیش دارند
 هر چه در سینه نماند ز پاهینند
 راستی از رقم صفحه هستی خوانند
 نقش کج بر ورق صفحه عقابینند

تجربیه
 قصیده
 بهادر و جگر

یہ شوگر یا حاصل ہے اس قول کا کہ لیس فی الامکان آید لعل تاکان "یعنی جو نظام عالم کہ
اب موجود ہے اس سے بہتر نظام ناممکن تھا۔

ہم دریں جاگزیں اندر آجھاہیں	دربیانِ ازل کوری چشم ہیں
نقطہ گرد نظر آند سوید آہیں	رازیں میر و دواں چو کا ز دید دوری
جادہ چوں نبض تپان گہر آہیں	رازیں گرم رواں پس کہ در گرم دوی
زخمہ کردار تبارِ رگ خار آہیں	شررے را کہ بنا گاہ بد خواہد خست
صورتِ آئید بر چہرہ دریاہیں	قلقہ را کہ ہر آئینہ گہر خواہد بست
روز در منظرِ خفاش ہوید آہیں	شام در کوکبِ صبح نمایاں نگرند
محبِ انس بنے بست زینجاہیں	دشتِ تفرقہ در کاخِ مصور سجند

کاخِ مصور وہ محل جسکو زینخانے وصالِ یوسف کے لئے آراستہ کیا تھا اور جس میں تمام سامانِ
عیش و کامرانی جمع تھا۔ نئے بست وہ جھوڑا جو یوسف کے قید ہو جانے پر انکی جدائی کے
غم میں زینخانے اپنے لئے بنایا تھا اور آپس رہتی تھی۔ کتاب ہے کہ یہ لوگ یعنی اہل اشد
کاخِ مصور جیسے آراستہ محل میں اُس تفرقہ کی دشت کو دیکھ لیتے ہیں جو یوسف اور زینخانہ کے
حق میں وہاں سے آخر کار پیدا ہوا اور اُنس اور ہلاپ کو اُس نئے بست میں دیکھ لیتے
میں جو یوسف اور زینخانہ کو اس کے بعد نصیب ہونے والا تھا۔

ہرچ گوید عجم از خسرو شیریں شنوند ہرچ آرد عریانِ دماغ وند آہیں

یعنی خسرو شیریں کا قصہ جو اہل عجم بیان کرتے ہیں یہ لوگ اسکو خود خسرو اور شیریں کی زبان سے

سن لیتے ہیں اور واسق و غدر راکی روئے واد جو عربی اسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ اسکو خود دہن
و غدر پر گزرتی دیکھ لیتے ہیں۔

نستوبند اگر ہمد و محسنوں گردند نخر و شند اگر محل ایسے ہینند
خون خورد و دیگر از غصہ بندل گیرند خویش را چوں ہیرا ندہ تنہا ہینند
یعنی جب انکے ساتھ کوئی دوسرا دسترخوان پر نہیں ہوتا تو دانت پیستے ہیں یعنی جو فیض اُن کو
پہنچتا ہے اُس میں اور دلوں کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔

سروتن را اگر از درد مستوہ آگاہند جان و دل را اگر دوست نکینا ہینند
قطرہ آب ہلب بوسہ نشتر شمرند پارہ ناں یہ گلو ریزہ مینا ہینند
یہ دونو شہر دست و گریباں ہیں مطلب یہ ہے کہ درد و طلب کے اکتا جانا اور دوست کے خیال
سے فارغ ہونا کبھی نہیں چاہتے۔

قشقہ را رونق ہنگامہ ہند و خوتند بادہ را شمع طرغماۃ ترسا ہینند
یعنی ہر ایک شے کو اپنے اپنے محل پر مناسب و موزوں خیال کرتے ہیں اور کسی چیز سے
ازرا و نقشب ناک نہیں چڑھاتے۔

برسم و زمرہ و قشقہ و زنا و صلیب خرقہ و سبۃ و مساکن و مصلی ہینند
برسم و زمرہ آتش پرستوں کے ساتھ، قشقہ و زنا ہندوؤں کے ساتھ اور صلیب عیسائیوں
کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے مصرع میں شعائر اسلام کا بیان ہے کہتا ہے کہ وہ
لوگ برسم و زمرہ وغیرہ اور خرقہ و مصلی وغیرہ میں کچھ فرق نہیں سمجھتے۔

دل نہ بند نہ نیزنگے دریں دوزگ
 ہرچہ بیند بمعنویان تاشا بینند
 جام جویند و زرنہی نہ گرائند برہ
 سبہ انجسم اگر دید برضا بینند
 ہرچہ در چانتوان یافت بہر سو یابند
 ہرچہ در چانتوان دید بہر جا بینند
 ہمہ گردند در آل پایہ کہ اور ادا کند
 ہیچ باشند در آل وقت کہ خود را بینند
 اس نظر ہاے گرانماہ فراموش کنند
 چوں بہ نیزنگ سخن شمعہ تابینند
 یعنی اس لافیات کہ لاہ کر شد
 نظم را مویہ سرخ شپہ حیوان تمسند
 نثر را نسخہ اعجاز میسج بینند
 کہیے نقل بعد گوئہ تقاضا خواهند
 کہیے فال بعد رنگ تما بینند
 بزد از یاد کہ دنیا ست نمود بے بود
 اس دل فروز نمود کیہ دنیا بینند

اس مقام پر اس شعر کی خوبی و جدائی ہے بیان میں نہیں آسکتی۔ کتاب ہے کہ دنیا کی پُرل فرود
 نمود یعنی ہماری نظم و شرب اہل اللہ کی نظر سے گزرے گی تو وہ آنکے دل سے اس
 عارفانہ خیال کو فراموش کر دیگی کہ دنیا محض ایک نمود ہے بود ہے۔

صفت موسم بہار

شکر کہ آشوب برف و باد سرا آمد
 نامیہ از بند زمسیر برآمد
 کسب ہوا نفع آب خضر رساند
 سبزہ جہان را بہ بیشہ را ہر آمد
 یعنی آج کل جنگل کی ہوا کھانے سے وہی فائدہ ہوتا ہے جو آب حیات کے پینے سے ہوتا ہے
 اور جس طرح خضر آب حیات کا رستہ بتاتا ہے اسی طرح سبزہ جنگل کا رستہ بتاتا ہے۔
 در چمنستان کشتودہ بار نوادر
 باد کہ باز از ارکان بحیرہ و برآمد

اشتہل انتظار گل بود۔ ایرہ دید و نرگس ز حد قحچوں برآمد
 نازچہ دانستہ قرب مقدم گل را سبز و باغ از شکوفہ پیشتر آمد
 یعنی سبز و شکوفہ سے پہلے باغ میں آیا ہے اسنے گل کی آمد آمد کہاں سے سن لی۔

پیدہ بنود خردش مرغ سحر خوں کو کب سے گل پیکر باغ در آمد
 قیس کجا تا کست شمارہ محمل از پس ہر غنچہ غنچہ دگر آمد
 غنچہ کو محمل سے اور گل کو لیلی سے تشبیہ دی ہے کہتا ہے کہ قیس جو ایک کے سوا دوسرا
 محمل نہیں جانتا وہ آئے اور محملوں کو شمار کرے کیونکہ ہر غنچہ کے بعد دوسرا غنچہ اور دوسرے
 کے بعد تیسرا دیکھ کر جانتے چلے آتے ہیں۔

کثرت انواع گل نگر کہ ہوئے رنجہ نہ بار مستردنی صور آمد
 ہنی طرح طرح کے پھولوں کی اس قدر کثرت ہے کہ ہوئے بشمار مملت صور قوں کی بہتات
 سے عاجز آگیا ہے اور تھک گیا ہے۔

لالہ بیچہ نتیجہ کوہ گذشتن دانش اینک دزیر سنگ برآمد
 بچہ یعنی ارادہ کرتا ہے نتیجہ کوہ قلعہ کوہ دامن از زیر سنگ برآمدن مصیبت سے نجات پانا۔
 محبت گل شد دباے عام مجمل را ز بخیر ہر شب نہ ہرزہ سویہ گرامد
 مجمل ایک جانور ہے سیاہ رنگ جسکو خوشنور اس نہیں اسی لئے موسم بہاریں مرجاتا ہے
 اور چونکہ گوبریں پیدا ہوتا ہے اس لئے اُسکو ہندی میں گمہ یا کہتے ہیں۔ ز بخیر جھینگہ جرات کو اکثر
 برتا ہے۔ سویہ گر نالاں و گرٹاں۔

سیکھو خسرو گلست - رزستان صورت مینا ز غور و در نظر آمد
کتاب ہے کہ رزستان مینا انگور کی پٹیاں گو یا خسرو گل کا شراب خانہ ہے کیونکہ آپس نیم خام
انگور لگے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے شراب کی بوتلیں۔

زوغم تردانی مخور کہ جہاں را موج گل از ہر کرانہ ناکر آمد
فتویٰ تھے دادا پر دبا و دیکن شیشہ نہاں بہ کترالہ بگسر آمد

غدر شیشہ کے بعد ملک میں امن ہو جانا اور صفائی کا اشتہار جاری ہونا۔

در روزگار ہا تو اند شمار یافت خود روزگار چہ دریں روزگار یافت
پر کار تیز گرد فلک دریاں مہیں حق داد و حق کہ بکر قرار یافت
در ہائے آسمان بزمیں باز کردہ اند ہر کس ہر چہ بہت بسر روزگار یافت
آمد اگر بفرض ز بالا بلا منہرود بر روی خاک پیچ و خم زلف یافت
چوں حسن باو یک شب بینی جہاں کہ ماہ پادشہ جاگدازی شبہای تار یافت
چوں رنگ دی گل گہری - شاد و شوگل اجر جگر خراشی پیکان خار یافت
در خاک و باد آتش و آب آشتی فروز ایں پردش کہ خلق ز پروردگار یافت
ناچار جز بہ داد گر ایشیں نمی کند درد ہر چہ صورت ازین چہ یافت
ہر کس بقدر عظمت خویش در جنت ہر شے بحسن جو ہر خویش اشتہار یافت
گر خواجہ بندہ را خط اکر اولیٰ نہشت ہم پر در سرائی خودش بندہ وار یافت

دینار
نیمہ
دینار
نیمہ

در بنده خود ز شرم خط بندگی درید	تو قبح خوشندی ز خداوند گاریفت
به دشمنی - و مهرزدنش ز سر گرفت	ایل و نهاد صورت یل و نهاریافت
بهرام دل به بستن تیغ و کمر نهاد	نا امید فوق و زش مغرور گاریافت
نیکو به فتنه نای میان از نظر ستود	اندیشه گنجهای تنال آتشکاریافت
جام از شراب - روشنی آفتاب او	یزم از بباطانازی نو بهاریافت
ردی سخن چغای بنا گوش گل گزید	با کمک ظلم فساد نوای هزار یافت
بر هم زدند قاعده با کس که برادر	هر کس نشاط تازه زهر گونه کاریافت
فیض سحر به غایت پاکش رسید	ذوق صبح عابدی به نه داریافت
زهرن متاع خویش بر این پست یافت	کو دل صنای بود آموذ گاریافت
گزاره است نیز ز من می بجام برد	و در مجرم است نیز ز شهر بهاریافت
با فتنه هم معنائی در خرمی ز رفت	خود درخت خواش از رنگ گل و داریافت
دولت پسند روخت که شد ملک نه روی	ملک فرس سرود که دولت داریافت
از انظار شاهی دایم سروری	سرور سرور و دوش و دانداریافت
بر خستگان هند به بخشود از کرم	و کو کوریا که مدتی از در ده گاریافت

شکوہ قنائل و عدم توجہ بر نواب یوسف علی خاں مرحوم رئیس رام پور در زمانہ سختی دہلی
کہ بعد از فتح دہلی روز کے چند روسے داوہ پور

چون سیت مرا شربت آبے تو حاصل
 و باد یہ برگور غریباں زچہ سوزد
 زان خسرو خواباں چہ قدر چشم و قابو
 انسا ز غم گر سیراچم بند عیب
 میگویی و ہم زدم طعنہ کہ تن زین
 از طعنہ شدم خسته دل و از بیداری
 تا کس بند وطن به شاه بودم روئے
 شاه بود آن دست که اندر غزل اودا
 من عالم از آن دست که در عالم انصاف
 او خسرو خواباں بود و بندہ گدایش
 خود هر چه سرودم همه باد کنه پیش
 یارب چه شد اینک که نگیرد خبر از من
 ای یوسفیت ثانی کہ بود در همه عالم

داتم کہ تو دریا کی من سبز سائل
 آن شمع فروزاں کہ بود در جو محفل
 صد حیت کہ شد نقش میدم به بلبل
 بادوست کہ پوسته می برد غم از دل
 چوں می ندم در اود فرما چه حاصل
 دل گفت کہ آن شیوہ عشاق فویدل
 عاشا کہ حکایت کنم از لیلی و محفل
 خوانند شکار و خوشخوار و قاتل
 شایاں بودش گریم اگر خسرو عادل
 او ظلم و تعال بود من خس حاصل
 امید گم بود بهر دای و منزل
 بر بسته برویم در ارسال مسائل
 مشتاق جمال تو چه دیوانه عاقل

فتحہ - بہت ملیناں مرحوم صاحبزادے کے زمانے میں جبریت تحصیل علم کے لئے ملّا میں آئے تھے اس وقت مرزا صاحب سے
 بہت بد عاقبتی صہ الذین قال مرحوم سے کوئی پڑھتے تھے اور مرزا صاحب سے فارسی مرزا نے اس قصید سے میں اس
 زمانہ کو یاد دلایا ہے چنانچہ اسی قصید سے پر جواب مہر و سحر کے لئے مقرر فرمایا تھا جو مرزا کی بہت سی
 کتب پر ۱۴۰۱ ۱۴۰۲

* چونکہ تشبیب میں اکثر مشرق کی طوط ہوتا ہے اس لئے کہ کتاب کے میں اس تشبیب میں ملی و محل کا ذکر نہیں
 مرزا یعنی مشرق کی طوط میرا دوسرے سخن میں ہے ۱۲

تازد تو چوں آیم و دور از تو چو پانم
 اے کاش بکجه سے چنیں روی نمود
 پندست که گاہے کنی روی بیس سو
 گر جاں دهم از غنچه تو دانی که گیتی
 خدای که مرا بگری؟ از دور بفرمے
 از نعت آسا و نزل ایں که زهر سو
 غالب سخن نام من آید از دل آورد
 دین سخن دم من از غنچه و طالب
 سن گنجم در دوس گل اندوه درم را
 خود و خود بر دیرانه بود گنج گران شد
 بادت منون نفس گرم چه دانند
 اں را که صریح سلم پوش بر بادید
 توقع بر ملی تو فرخنده که سن نیز
 عاشاکر ستانم ز قسم قاضی مفتی
 بفرست خردمند کال را بجا کومت
 هر سال از این شهر سخن دایه روان دار
 امید که لب تشنگی من نه پسندی

مانند تو تو شب و روز رسیدن تو مشکل
 زمیناں که فردنچه مرا پای میس گل
 از پست که هرگز نهی دایه بر سائل
 حوسنے غلط از صفی هستی شده زائل
 تازد تو از اندیکه طائر بسمل
 چوں قبله ناسوی تو دم ساخته مائل
 دانی که دیں شیوه نیم عالمی و مابل
 ایں آیه خاص شک برین شده مائل
 مے بیس دین گنج - ارچه شولن شبه مشکل
 تم نیست که آبادی دہلی شده زائل
 اعجاز ز دہلی بود و سحر ز بابل
 دیگر خبر و ذوق ز آواز عنادل
 بستم به فرہ مندی خویش از کشتل
 عاشاکر پذیرم عمل شمنه و عامل
 در حبیب گداز یز تیلے زرد اخل
 کز بهر عیس گشته در اطفال تو شامل
 زان رشک که بر صفی قسانی زان اخل

زواں رشتمہ یعنی مواد بمطابق یہ کہ میرے ساتھ خط کتابت جاری رہے۔

امید که بنی بری و برین دکنی تهر
نیز یرم اگر عزت فرستاشغل
امید که آن شیوه نورزی که بگویم
کز در دلم فارغ و ازین شد و غافل

صفت موسم بهار

سحر که باد سحر عرضِ تاساں گیرد
 و هر چه محبت گل حکم تا جهاں گیرد
 برات ریزد گل کرده اند پنداری
 که غنچه را سپهر بند وریاں گیرد
 مگر بگر و گل از بیداری حلقه زده است
 که زالد را زدها سپهر بریناں گیرد
 شاد و سرور باں اتمام بردرباغ
 که تا بهار دیگر راه بر خزاں گیرد
 زنده غنچه به سرشت شاهدهی ماند
 که بعد باد و شکر ریزه در دهاں گیرد
 چمن بر عکس شفق ساگین بل گردد
 سمن ز جوش طرب با لب غلاں گیرد
 و نند گرم آتش به خار گل باله
 کشد گر به پیکر زنگ جهاں گیرد
 ز انبساط و هوا بعد ازین عجب دارم
 که مرغ قبله تا جادو آشیان گیرد
 گل بگفتوان اشت دل به بلیه عشق
 اگر زمانه تواند زد و ستاں گیرد
 چناں بکج چمن یافت ذوق طاعت حق
 که شیخ شهر چه ماترک خان ماں گیرد
 حلیس جلوه بگه در هجوم لاله و گل
 چراں گدا که دنبال کارواں گیرد
 چنیں که شاخ می سیند بر زمین مالد
 چرا که ثمر از دست باغبان گیرد

کیفیت صبح

صبح که در دهمای پرستاری برون
 جنبه کلید بکده در دست برهن
 در زنت دروب دیر دم گرم ایهاں
 آرد بروں گداخته شمع از لگن

در این فصل از صفت موسم بهار
 و در این فصل از صفت موسم بهار

در این فصل از صفت موسم بهار
 و در این فصل از صفت موسم بهار

خیزند دست و دست منان نشسته روی
از شور ویریاں بگمان خردش صور
رخسده ستاره از رخ ناست به رهنم
بر روی خاک جلوه کند رایه در غلغل
خواهد چراغ کشته چو شخص بریده سر
بر جام مل ز دیده بشنیم کینه گاه
غوغای روز پرده کشاید ز خوب و بد

اور جہاں جہاں ضرورت ہوگی شکل مقامات کی شرح بھی کی جائیگی۔

بند اول

اے بحر خیرم کہ ہر رازِ شہستانِ میدہ ام
شبِ نشیناں را دینِ گندہ یوں میدہ ام
اس تمام بند میں مزار نے اپنی بحر خیزی اور چکچک اس نورِ طور کے وقت میں آسمان پر یا زمین پر
نظر آیا ہے اسکو نہایت باریق و جزیل شہا زین بیان کیا ہے اور آخر کو اس سے ایک لطیف نتیجہ
انجیل کے نکابت آمیز فقر پر بند کو ختم کیا ہے۔ شعرِ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ بحر خیر ہوں کہ
میں نے چاند کو اسکی خوابگاہ میں دیکھا ہے اور شب بیداروں یعنی کو اکب یا ملائک کو اس
گردنہ ایرواں یعنی آسمان میں مشاہدہ کیا ہے۔

ایتِ خاتمۂ روحانیوں کا گناہ زدہ
زہر و زائدِ ردائی نورِ عزائیں میدہ ام
ایتِ کلہٗ تحسین و تعجب ہے یعنی زہے و خشنے۔ روحانیوں فرشتے۔ آسمان کو کہتا ہے کہ کیا عمدہ
خلوۂ خاتمہ روحانیوں کا ہے جہاں میں نے دور سے یعنی زمین پر سے زہرہ کو چاند پر نور میں
عزائیں یعنی بغیر کسی حجاب کے دیکھا ہے۔

ہر کیے فانی و غیر دہر کیے نازاں بچو
لوئے یاد و دوشِ شکرِ دہم و سماں میدہ ام
ہرگز اسے نساواں جو بائی بندگی کل
ماہِ رازِ نور دیکھو اس را بہ میزائیں میدہ ام
بن دو نو شعروں کا سمجھنا کسی قدر نجوم کی مہطلحات جانتے پر موقوف ہے مجھ جتوں نے دورِ فلک
کو بارہ حسوس پر تقسیم کیا ہے جن میں سے ہر ایک حصے کو ترجیح کہتے ہیں اور انکے نام یہ ہیں حل،
نور، جزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ انہیں سے

ہر ایک برج کسی نہ کسی سیارے کا خانہ کھاتا ہے یا وبال مثلاً جدی و دلو زحل کے خانے اور شمس و مریخ کے وبال ہیں اور برعکس اسکے آسمان و سرطان شمس و مریخ کے خانے اور زحل کے وبال ہیں اسی طرح ہر برج ایک سیارے کا خانہ اور دوسرے کا وبال ہے ثور اور میزان جن کا دوسرے شعریں نام آیا ہے یہ دونوں زہرہ کے خانے ہیں اور ثور کے تین درجے چاند کے شرف اور میزان کے کہیں درجے زحل کے شرف کے مقام ہیں۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میں نے چاند کو اسکے شرف کے مقام (یعنی ثور) میں اور کیواں یعنی زحل کو اسکے شرف کے مقام (یعنی میزان) میں دیکھا اور چونکہ ثور اور میزان زہرہ کے خانے ہیں اس لئے اس مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ میں نے ایک بولی (زندہ) یعنی زہرہ کی دودھ شربت لگا ہوں یعنی ثور و میزان میں دوا ایسے مہمان دیکھے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے حال سے بے خبر اور ہر ایک اپنے حال میں خوش ہے کہ میرے سوا کوئی دوسرا زہرہ کی عشرت گاہ میں نہیں ہے بھر دوسرے شعریں دفع و خل مقدر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس بیان کو کسی برے معنی پر محمول نہ کرنا چاہئے بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ میں نے ماہ کو ثور میں اور زحل کو میزان میں دیکھا ہے۔

فتہ ام زلال پس سیریاغ و مرغازر مایغ
سر برسم خواب زریال پنہاں میدام
برسم خواب یعنی جیسا کہ پرندوں کے سونے کا دستور ہے۔ سر زریال پنہاں یعنی بازوئے سرگھساٹے ہوئے۔

کلاب مریخ حکمت گل دم ز گردش نازدہ
نامہ فیض سحر توشہ عنوان میدام
مریخ حکمت گل کو کلاب یعنی قلم قرار دیا ہے اور فیض سحر کو نامہ یعنی خط ٹھیرایا ہے۔ کہتا ہے

کرایا سویرا تھا کہ بھولوں کی خوشبو کا قلم ابھی گردش میں نہیں آیا تھا کہ میں نے فیض سحر کا
مکتوب جیکہ اسکا سرنامہ نہیں لکھا گیا تھا دیکھا۔ مطلب یہ کہ فیض سحر بھی عام شہوا تھا اور
بھولوں کی خوشبو سے باغ ممکنے نہیں پایا تھا۔

خانہ باد سحر گاہی جنبش نامہ قرۃ سنبل ببالیں پریشان میرام
اس بیت میں باد سحر گاہی کو کنگھی فرض کیا ہے جسکے لائم جو کوں سے گویا سنبل کی
دلف بکھ جاتی ہے۔ کتا ہے کہ ابھی شانہ نسیم صبح کو جنبش نہیں ہوئی تھی اور قرۃ سنبل
بالین راحت پر پریشان پڑا ہوا تھا۔

باد سرستانہ می جنبید و شبنم می چکید غنچہ را درخت خواب آلودہ دامن میام
یہ اس حالت کے بعد کا بیان ہے جو پہلے دو شعروں میں بیاں ہوئی ہے کتا ہے کہ
ہوا رسان رسان پل ہی تھی اور شبنم چیک رہی تھی جسکی وجہ سے میں نے غنچہ کو
رخت خواب میں آلودہ داماں دیکھا یعنی اگرچہ غنچہ ابھی ود شیرگی کی حالت میں معلوم
ہوتا تھا مگر چونکہ وہ عنقریب کھیلنے والا تھا اس لئے وہ گویا اپنے رخت میں آلودہ دامن
ہو چکا تھا۔

صبح اول گو بردے کس نیار داز حیا صبح ثانی را بریں نہگامہ خندان میرام
اب ان تمام عجائبات کی جو آخر شب اسکو نظر آئے انکی تلمی لکھوتا ہے اور کتا ہے کہ صبح اول
یعنی صبح کاذب جو گویا کہ شرم و حجاب سے ایک جھلکی دکھا کر غائب ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ حیا
اصل بھید تمہ پر نہیں لائی مگر صبح ثانی یعنی صبح صادق کو میں نے اس تمام ہنگامے خندان

دیکھا۔ مطلب یہ کہ یہ تمام نظر فریب سیمائی جلوے تھے جو محض وہم نے اختراع کیا تھا اور
اسی لئے صبح صادق اپنے خندہ زن تھی۔ اسکے بعد بند کو اس گرہ کے شر پر ختم کرتا ہے اور
کتاب ہے۔

محرم راز نہان رو دکا رم کردہ اند تا بحر خم گوش نند خلق خوارم کردہ اند
کتاب ہے کہ اگرچہ چھبکو زمانے کے پوشیدہ اسرار کا محرم بنایا ہے؛ مگر اس لئے کہ کوئی میری بات
نہ سنے اور پوشیدہ راز ظاہر نہ ہونے پائیں مجھ کو دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔

از بند سوم

روشناس چرخ ورجہ اسیر نش منم نور چشم روزن دیوار زندانش منم
کتاب ہے کہ آسمان کے مظلوم اسیروں میں اسکا روشناس اور بچانے والا صرف میں ہوں؛
گو یا میں اس زنداں کے روزن دیوار کی۔ جس میں آسمان کے مظلوم قیدی اسیر ہیں۔
انکھ کا نور ہوں۔

نابت و سیار گردون رصد بستم عیلم رشتہ تبیح گوہر ہای غلطانش منم
چونکہ رصد باندھنے سے اکثر ستارے منظم ہو جاتے ہیں اس لئے کتاب ہے کہ میں نے جو آسمان کے
نوابت و سیارات کی رصد باندھی ہے تو گو یا میں اسکے گوہر ہای غلطان (یعنی کوکب)
کی تبیح کا دورا ہوں جسکے سبب سے تمام ستارے مثل دانہاے تبیح کے منظم ہو گئے ہیں۔
نے زندانش کا میاب و بدبختی تنگدل شر مسار کوشش جبریں و کیونش منم
اہل نجوم کے نزدیک جبریں یعنی مشتری علم کا افاضہ کرنے والا ہے اور کیوں یعنی زحل

خفتی از نصیب کا تھینے والا ہے کتا ہے کہ میں علم سے کامیاب ہوں اور بدبختی اور مصیبت سے
گھبرائے والا ہوں تو گویا مشتری اور زحل دونوں کو شیش میرے باب میں راکگاں جاتی ہیں
اور ایسے ہیں ان دونوں سے شرمندہ ہوں۔

ازینمی شہر و ہر از تہید تہیت چرخ رفتہ مسکین از یاد و گنج پناش نغم
کتا ہے کہ آسمان جو زینتی اور بغل میں مشور ہے یہ اسکی تہید ستی کا نتیجہ ہے کیونکہ اسکے پاس
دیئے کو کچھ باقی نہیں دہریہ کہ اسکا گنہگار پناہ میں تھا سودہ اپنے خزانے کو زینتی مجھ کو بھول گیا
ہے۔ مسکین سے مراد خود آسمان ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ غریب پنا خزانہ کیسے کھڑے ہو گیا۔

در غریب غریب از غنہ در دل می ظلم خورده ام از شبت غم تیر کی پناش نغم
یعنی عالم غربت میں بسبب غم کے میں خود اپنے دل میں چھتا ہوں گویا غم کی چٹکی سے وہ تیر
میرے اگر لگا ہے کہ خود میں ہی اس تیر کی بھال ہوں۔

مانده ام تنها بچ از دور باشتی بس مشغ غامہ دارم کہ پندارند در پناش منم
دور باش۔ ہٹو بڑھو کی آواز کو کہتے ہیں جو نقیب امرو سلاطین کی سواری کے آگے آگے
چکاتے جاتے ہیں۔ مگر شہر اسکو اکثر مطلق روک ٹوک اور ممانعت و فرامت کے معنوں میں
استعمال کرتے ہیں کتا ہے کہ پاس دفع مجھ کو گھر کے کونے سے کیسے باہر نہیں جانے دیتا
پس میری اپنے گھر پر ایسی مثال ہے کہ گویا اسکا دریاں میں ہی ہوں۔

پایہ من جز چشم من نیاید در شہر از بلندی اخترم روشن نیاید در نظر

از بند چہارم

چوں بنیر از عرکان مفتست پیچم یا نیست
 بنوؤ تم پیچم نریاں گرجخ کج باز دہن
 برنتش دستے تواند بود۔ زان بالا ترم
 دل بنارم۔ شیر گردن پنجہ گر یازد دہن
 پہلے مصرع کی تقدیر عبارت یہ ہے کہ من ازاں بالا ترم کہ فلک را برین دستے تواند بود، شیر گردن
 سے مراد خود گردن یا یسج اسد یا تیغ پنجہ یا زین دست دراز کردن و حملہ نمودن۔ دل انہن
 جو اس شدن۔

ہر کر اگر دوں بلند اوازہ تر خواہد بہر
 نوبت شاری دہر و انگاہ بنواز دہن
 بنواز دہن۔ یعنی اُسکو میرے ذریعے سے معزز کرتا ہے دوسرے شعریں اسکی تشریح ہے۔
 پادشاہاں را سخن گفتن بہ کار کہرست
 دیدہ و رشاہے کہ کا گفتن انداز دہن
 در تو گوئی پادشہ را مایہ بنود۔ بنیمست
 خود بتا ہاں مایہ بنیم کہ میرا ز دہن
 انکہ چوں در ملک ہستی مگر شاری زند
 بگرہ شاری بطفرائے نیر اللہی زند
 قولہ پادشہ را مایہ بنود، اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ سلاطین عہد اس قدر مایہ نہیں رکھتے کہ میرے
 کمال کے موافق میری قدر کریں؛ اور یا یہ مطلب ہے کہ بہادر شاہ مرحوم جو اس زمانے میں مرزا
 کے مدد و ادب پادشاہ کے لقب سے ملقب تھے وہ گردش روزگار سے بے مایہ ہیں۔ قولہ در
 میرا ز دہن، میرا ز کا فاعل دوسری بیت میں واقع ہوا ہے یعنی وہ انکہ چوں در ملک
 ہستی آنجے مراد اس سے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ ہیں جنکی منقبت میں مرزا نے
 یہ ترکیب بند لکھا ہے۔

قطعات

کمال ذوق مل - گوی اذخسل پر دست	ہزار مہنی سرچش خاص نطق من است
مراں کہ خوبی ارایش غنسل پر دست	زرقاں پر یکے گرتوار دم رتوداد
بسعی فکر سا - جابدان محسل پر دست	مراست ننگے لے فخر دست کان بہن
متاع من زہن تخاص اذل پر دست	مہر گمان توارو - یقین شناس کہ دزد

ساتی دقتی و شرابے دسر دے	فرست اگر توست وہ منتظم نگار
حق را بچودے - دینی را بدردے	زہار الاں قوم ناشی کہ فریبند

مخلص صادق الولاے تو من	اے کہ خواہی کہ بعد از میں باشم
کردے جان و دلفن طے تو من	گر ترا شیوہ شاہدی بودے
سوڈے چشم و سر سپاے تو من	در ترا پیشہ شاعری بودے
سفتے گوہر شناسے تو من	در ترا پایہ خسروی بودے
کہ شوم ہرزہ مبتلاے تو من	چوں ازیناڈ - مراچہ ضرور
ناصح شفقت ہے اے تو من	راست گویم - بہانہ چنبد ارم
نیمہ خوش ازین اداسے تو من	بسکہ بر مال و جاہ معسروری

نورانی
نورانی
نورانی

نورانی

نورانی
نورانی
نورانی

چکنی اکایں فنا دیم در زرت داسے من اگر تو تم بجایے تو من
بتو ہرگز خدا دے نہ دوسیم خواجہ اگر بودے خدا دے تو من

ویدی آن بر گھر - و مہر و لایش پر زید کہ ہنشم آید - اگر زشت و پیدش گویند
زاں کہ او خود بسر این عملی تیغ نراند خواجہ از تنگ خواہد کہ زیدش گویند
گفتم البتہ کہ شبیر ہاں می آرد کہ شہیدش بنویسند و سیدش گویند
گفت زان رو کہ عزیزاں ہمہ تسلیم بودند نتوان کرد گوارا کہ شہیدش گویند

کردہ چمدے کہ در دیرانے کاشانم چرخ در آرایش ہنگامہ عالم نکرد
گر بہ حجت راندہ باشم کشتہ باز خود پیچ نہ آنکہ حرفے - زانچہ گفتم - خاطر مخرم نکرد
بتیے از اوستا و دیم دہدے فکے بخشد - بلیک پیچ در کیس نفیر دوز دشت کم نکرد
در حجر توتا قابیے در صلب آدم دیدہ بود زان سبب البیس ملحوں حجدہ پر آدم نکرد
حاش بعدا بودنت در صلب آدم مست پیش ہر کس گفتم این اندیشہ بادم نکرد

ایا زیاں زودہ غالب کہ از حدیقہ بخت ہمیرسد ز تو خار و خسہ ہنچ سبیل
چرا لازم ست کہ پروردگار تا دم مرگ بود بر رزق ضروری عباد کنیل
چراست اینکہ نہ اسی ز راز سیاہ و سفید چراست اینکہ نیابی برا ز شیر و فیل

خدا
پرست
از قہر

غالب
بایست
غافلان
خود

نوشی

قتادہ در سب ای شہ عقدہ - ورنہ
 بچند سال بزرگ تو و تیا ہی رزق
 فرشتہ کو مکمل ست بر خزان رزق
 دوم فرشتہ کہ یادش بخیر مقبول باد
 لطیفہ کہ کم از قول شاعر کے فہمیں
 "اگر خدا سے بداند کہ زلف تو ہنوز

نہ مژدہ تو - ورنہ رزق العباد بحیل
 شدت حکم خود از تپک بکار جلیل
 مگر و بچ تو وقت بہ رزق در تعطیل
 روانداشت در ایلاک شیوہ جمیل
 کہ در لطیفہ مرا ورا کہے بودہ عدیل
 ہزار شست نہ بد و بان عزرائیل

مرزا نے بھی مرحوم بہادر شاہ کے بیٹے فرخندہ شاہ کا۔ جو عین نشوونما کے زمانے میں فوت ہو گیا تھا۔ مرثیہ اسی بحر کے ترکیب بند میں لکھا ہے جو مرزا کے کلیات میں موجود ہے۔
 دوزخ ترکیب بند تیموری شہزادوں کے مرثیہ میں لکھے گئے ہیں اور دوزخ کا ذیل متحد ہے۔
 میں سات سات بند اور دوزخ کا ہر ایک بند آٹھ آٹھ بیت کا ہے اس لئے ہم یہ دوزخ نہیں بتاؤں
 یکدم لکھے دیتے ہیں تاکہ ہر شخص جو فارسی شاعری کا مذاق صحیح رکھتا ہے دوزخ میں باسانی موازنہ کر سکے۔ مگر افسوس ہے کہ کلیات نظیری کا کوئی صحیح نسخہ ہکو دستیاب نہیں ہوا لہذا ایسا کیا گیا
 پایا نقل کر دیا گیا ہے چنانچہ پہلے بند کے بعض شعر بالکل سمجھ میں نہیں آئے جسکی نسبت نقل غالب
 یہ ہے کہ ان میں کتابت کی غلطی رہ گئی ہے۔

نظیری

غالب

ایدل بچشم حرم حادث نگار شو	لب خوش نگشتہ خندہ رہ چمک میزند
اے چشم از ترا دل اشکبار شو	دربزم مرگ خندہ بر آہنگ میزند
اے خوں جہیدہ در دگر از جگر فرست	ہرگز زمانہ جامتہ ماتم بردن نکرند
اے دم بسینہ دو دو چراغ مزار شو	نارفتہ شب بیا سن شب چمک میزند
اے لب بخود تالہ جانگاہ سازد	وقت گذشتہ را بتافت ز پیر میزند
اے سر بقیہ خاک سر بر گداز شو	کاینجا نشاد کام بفرنگ میزند
اے خاک! چرخ گزرتو ان زود زجاورے	ایں دہر روز کو رکش آیم ختم یار
اے چرخ! خاک گزرتو اس شد غبار شو	دست طمع بگیسوی شب رنگ میزند

غالب

فیضی

اے نو بہار چوں تن بسملِ نخلِ نخل
دستِ اجل تیغِ سیاست بیدار
اے روزگار چوں شمسِ مآثر شو
از خاک تھر بردہن تنگ میزند
اے ماہتابِ وی بسلی کیو دکن
آرایشِ جوازہ و دستار سیکند
اے آفتابِ دروغِ دلی روزگار شو
گوئی کہ گلِ برافسر و اورنگ میزند
اے قندِ با صبح و زیدِ این قدر پ
ایں چرخِ شوخ و دیدہ عجب بے بصارت
اے رتخیزِ وقت رسید آفتکار شو
یرجامِ عشرت کہ؟ ہمیں سنگ میزند
آہِ ایں چیل بود کہ مار از سر گذشت
فرزندِ شاہِ اکبر و الانژادِ مرد
تنہا ز سرِ گلہ کہ زدیوار و در گذشت
شیوں بر آوریہ کہ سلطانِ مراد مر

مرزا کے بند میں الفاظ بہت پر شوکت و شاندار واقع ہوئے ہیں اور کوئی شعر صنعتِ شاعری اور شاعرانہ نزاکت سے خالی نہیں ہے مگر واقعہ کی عظمت جس قدر کہ بیان ہونی چاہیے تھی اس سے برات زیادہ ظاہر کی گئی ہے بخلاتِ فیضی کے کہ اسکا بیان اگر چہ دیکھا پیکا معلوم ہوتا ہے مگر متانت اور اعتدال کا سرشتہ اسنے کہیں ہاتھ سے نہیں چھڑا۔

بند دوم

غالب

فیضی

بگذر کہ برسِ دگر جفا کو روزگار
آفاق پر دروغِ دہماں پزند است
با پادشاہِ عہدِ ہما کو روزگار
ایں روزِ مرگ نیست کہ روزِ قیاست

غالب

نظیری

شاہ سخن سراے سخنور نواز را

در بزم عیش نوحہ سرا کرد وزگار

شناخے کہ بود موسم آتش کہ بردہد

از غل عمر شاہ جسد اکر در وزگار

مرگ اینچنین رخ دین باز نکند یہ بود

کام اجل بہدہ روا کرد در وزگار

شہزادہ خرد سال دیو در وزگار

شوخی بشا ہزادہ چہر اکر در وزگار

فرزند پادشہ نشناسد مہمانقہ

انگوش گور بہرچہ واکر در وزگار

اے آن کساں کہ خاک بہ شہر یار

توجیہ ابرو سے شما کرد در وزگار

ہر چند بے اہل نتواں بیچ گاہ مرد

آتش بخود زنی کہ فرخندہ شاہ مرد

خلقے پُر اضطراب چہ جای گمانست

دہرے پُر انقلاب چہ جای اقامتست

ایں ماتم کسے ست کہ از گریہ ہا جگر

بریب صبح و دامن شہا علاست

خون میکند بجاوہ دل خلق گویا

تخل جنازہ رستہ لڑاں تخل فامست

ہر کس چنین جال در آرد بچش گاہ

رضواں گزشتن بہشت ہر دگر است

دل از نوید صحت او بزم سوز بود

اکنوں سراے ماتم دکوی ملاست

یاراں! عجیب کاری از دست دادہ ام

بر سر زیند دست کہ وقت نہ است

شہباز پیریدہ رو آساں گرفت

مرغے ز فتنہ است کہ دیگر تو اں گرفت

یہ دونوں ہند سادگی اور حریت میں تقریباً برابر سر ابر ہیں۔ البتہ نظیری کے بند کا چرچہ تھا شعر

میں یہ اتنا ہے جس تو کی طرف کا تمام تجربہ کے ملائیں اور شاہزادے کسی سے منافقہ میں کرتے تھے ۱۷

جس رتبے کا ہے ایسا کوئی شعر غالب کے بند میں نہیں ہے۔

بند سوم

غالب

نظیری

اے قوم! خویش! اینک بستان کنید	اے بزم تیرہ! اینچ چوں! رغواں گجاست
ایں کار را بشیوہ کار آگماں کنید	وسد زم دہی! بشہ گیتی شاں گجاست
مفلست شاہزادہ و درہ خطر بستی	شوق سجود و حرمت تعلیم کمر بست
منش ز غم رہوی! آنجاں کنید	آن از صدر و سرکشی آستان گجاست
از پیوہ دگل انچ دلش خواہاں دہید	امر و زغم! بسند شاہی نشست است
از حیلہ انچہ رای شاہ باشد آن کنید	پہلو نشین خسرو ہند و ستاں گجاست
ہر حرف دل نشیں کہ گوئید و نشنود	اں حکم ہاکہ بود از و آب کار کو؟
اں گفتہ را بعرہ خاطر نشاں کنید	واں کار ہاکہ آمد از جوی جاں گجاست
در خود زرقش ترا نید بازداشت	ولما پر از غمت غزراں! چہ واقع است
بچود شوید و جامہ دید و قفاں کنید	یک دل گفتہ نیت خوشی و بہاں گجاست
گیرید دشتہ در کف و ہم بر جگر زیند	ہر جا بسوگ برگ گرد ہے نشستہ اند
تا مینہ راز دیدہ فزون خوشچکاں کنید	زیر غم عام گشت نرازم اں گجاست
دنار پیش شاہ گوئید و خنیر	برگ و سنگ و درخت! نرازد کجا خورم
تا بوت را بجانب مرقدر واں کنید	بشگست شاخ و برگ! مرا آشاں گجاست

غالب

اے اہل شہر مرنے میں دودھ کی کجاست؟
خاکم بفرق خواجہ خسرواں کجاست؟

نظیری

کس پر اسرود و در خور این تغیرت بنود
پیدا کنید کا دل میں داتاں کجاست
خلقے بشیرن اندر و گویند حاجت
صبر خن نشین تاب بیاں کجاست
آفاق در مصیبت او متحن مشدہ
ایں مرگ باعث الم مرد و زن شدہ

اس بند میں نظیری نے برخلاف پہلے بندوں کے دو شعر زیادہ کر دیے ہیں نظیری کا بند بلاغت میں شاید مرزا کے بند کے کسی قدر فائق ہو مگر مرزا کے بین نہایت دل خراش ہیں تنقیدی نسبت یہ کہنا کہ وہ کم عمر اور نا تجربہ کار لڑکا ہے اور راہ میں بہت خطرے ہیں اسکو جانے سے روکو وہ جو کچھ مانگے اسکو دو اور جو بہانہ مناسب سمجھو وہ کر دو اور اگر سیدھی طرح وہ کہنا نہ مانے تو اسکو سختی سے سمجھاؤ اور اگر یوں بھی کام نہ چلے تو دو دو اور پیٹو اور کپڑے پھاڑو اور چٹاں کر دو اور چٹیں کر دو اور بادشاہ کو اطلاع کئے بغیر تابوت مرقد کی طرف لیجاؤ؛ یہ تمام پیرائے بیان کے نہایت مؤثر اور دل خراش ہیں اور گرہ کا شعر سارے بند کا پختہ ہے۔

بند چارم

غالب

زاں سبز خط کہ بر رخ اودا میدہ ماند

نظیری

غم خاست - در پیالہ می از ساغر انگنید

غالب

گردے بدل شست و غبار سے بیرون
 بستانیاں باقم شہزادہ بخود اند
 زیں سو بود کہ پیرین گل مرید ماند
 خوش گشت و در دل مجرود ستان تمام
 آں بادہ ہائے ناب کردنا کشیدہ مان
 در برج شاہزادہ سخن ہائے دلپذیر
 درد اکہ ہم گفتہ دم ناشنیدہ ماند
 در دادی عدم تو ان وقت ہاشم
 ماند آنچه بود و صاحب عالم جریہ ماند
 زان گلبنے کہ مصر مرگش زیا فکند
 خارے بیادگار بد لہا خلیدہ ماند
 اخلاق شاہزادہ بود و لتشین خلق
 بوئے ازان شگفتہ گل نو رسیدہ ماند
 آں سرور سایہ دار کہ بائش نبود کو؟
 واں نو گل شگفتہ کہ عاشر نبود کو؟

نظیری

شد زرم تیرہ پرودہ اناں رنج افکنید
 شمعے کہ دہر روشن و بود - مردہ است
 پروانہ را برید و بجاکستہ افکنید
 در خانہ اش ز حلقہ ماتم خرام نیست
 اس حلقہ راز سخن سرا پرہ افکنید
 ریحان جلوہ یاسمن عشوہ ریختہ
 چینید و ہم بر آں قد جاں افکنید
 بالیں دتاب کا کلش شنگی کشید
 کوہ کنید و عسجدہ در کشور افکنید
 رفت آں سرے کز جابا و سر فراز بود
 بر سر کنید خاک و کلاہ از سر افکنید
 پوشید چند جامہ تیلی ز جوہر جرح
 بر آفتاب جامہ نیلو فر افکنید
 خیز پر تا باں سبز تابوت دم زخم
 عرضے کنیم دکار و د عاش ہم زخم

اس بند میں مرزا کا بیان صفائی اور سادگی اور لطافت میں نظیری کے بیان سے سبقت

لے گیا ہے جیسا کہ اصحابِ ذوق پر پوشیدہ نہیں ہے۔

بندِ خبیم

غالب

نظیری

دستِ ست ای سپہرِ ترا در ستمگلی
 بارے برزم ز جور تو پیش کہ داوری
 نیز نگ ساز چرخ کہ بیدار خوی است
 با گل کند سموی و با شاخِ مصری
 داغِ زرد زنگار کہ شهنشاه بر بخورد
 از خوبی و جوانی و فرخنده گوهری
 حیف است مُردنش کہ در ایامِ کودکی
 بود او ستادِ قاعده بندہ پوری
 شہِ دروہ و دوسا لگیش کردہ کہ خدا
 با قرخسروانی و قرابِ قیصری
 ناگاہ روزِ نامہ عمرش در برہ شد
 امضا پذیرِ ناشدہ تو قیغِ شوہری
 جز نو عروس صاحبِ عالم نیاقتند
 دوسیرہ کہ بیوہ کنندش بدختری

رفتی و کارِ با ہمہ در جسم گذاشتی
 اشتغلی بہ مردمِ عالم گذاشتی
 جانمای غم رسیدہ و دولمای بقیار
 در بچ و تاب طرہ پرچم گذاشتی
 از تو بخبار بر دل بیگانہ نہ بود
 بہرچہ بر دل پر ایس غم گذاشتی
 روز و شب بہ رسمِ جنبشبت شادہ بود
 و درین خویش اشب بہ آدم گذاشتی
 شمعِ نزار و خشتِ نذر ساختی قبول
 رخسارِ تخت و طرہ پرچم گذاشتی
 ہمتِ ترا بہ ملک نیاورد و سرفرو
 عالم بہر کہ خواست مسلم گذاشتی
 حرمتِ نگاہ داشتی و جای خویش را
 بہر برادرانِ مفتد مگذاشتی

زیبا بی و جوانی فرخنده شاہ صیت خون ست بے تو کمر ہون لہلہ است
 اے نو نہال سر و قد کجلاہ صیت ہر ل کہ بے تو خوں نشو و شک است
 اگر چہ وہ نو بند اپنی اپنی حکمہ نہایت بلینہ ہیں مگر تانت و جزالت کے لحاظ سے نظیری کا
 لقب غالب معلوم ہوتا ہے ۔

بند ششم

غالب

نظیری

اے رہ نور و عالم بالا چگونہ	اے شاہ مصر دور و زکناں چگونہ
ما بے تو در نیم تو بے ما چگونہ	اے یوسف از بدائی انواں چگونہ
از سایہ در غم تو سپہ پوش شد ہما	ہر گاہ جلوہ کردہ تقاضا چہ میکنی
اے خفتہ در شین عفت اچگونہ	با حسن شوخ در تہرہ زندان چگونہ
زان پس کہ با تو آج ہوا ی جہاں فنا	اسکندر از غم تو بطلست نشست
در در و صفہ جناں بہ تماشا چگونہ	در زیر گل تو چشمہ حیراں چگونہ
با گل خان دہر و فائے نہاشتی	اے پارہ زجان و جگر گوشہ پر
با حوریاں آنہ سیمیا چگونہ	گشتہ جدا از دیدہ و داماں چگونہ
ما بخوداں بجلتہ ماتم نشستیم	ما بارے از فراق تو در خون یدہ ایم
از خوشن بگوئے کہ تماشا چگونہ	تو در میان روضہ رضواں چگونہ
بے مطرب و ندیم و غلامان چگونہ	آواز نو طبع و دل آشتہ می کند

غالب

بے باغ و قلعہ دل بہ دریا چگونہ
بعد از تو شاہ خیل ترا بر قرار داشت
ایجا عسکر زبودہ آنجا چگونہ
اسے بعد مرگ رات بہ خوار تو عالمے
پردانہ چپہ رخ مزار تو عالمے

نظیری

اسے بخت خوش بجا بہ پریشان چگونہ
ایجات کار دستہ دیوان حوالہ بود
آنجا بگونہ پریش دیوان چگونہ
تلم یک شبات تر آنجا بنیم ست
در بحر کل تو قطرہ باران چگونہ
بشنو کہ بانگ بہر تو بر حشر می زند
تا بگریم در صفت دوراں چگونہ
چوں کار بر قنار گرنیت کار تو
محشر شتاب میکند از انتظار تو

اس بند میں بھی نظیری کے ہاں دو شعر معمولی تعداد سے زیادہ ہیں۔ نظیری کا یہ بند اس کے تمام
ترکیب بند کی جان ہے اگرچہ مرزا کے ہاں اس بند میں نظیری کے برابر بلند شعر نہیں ہیں مگر ترتیب
کا رنگ نظیری سے بڑھ کر پایا جاتا ہے۔

بند ہفتم

غالب

گفتار را بنوحہ گرمی چیدہ ام ساس

نظیری

فردا کلاہ پادشہی بر سر تو باد

مہ نامان ہمزہ میں دستور تھا کہ ناس پادشاہ کی اولاد اس سے جب کوئی شاہنشاہ مولا تھا تو اسکی تختہ انداز کر جا کر بادشاہ
سرا بر سر شہزادی رہتی تھی

غالب

در نوحه شاعری مکنید از من لباس
 در پرده سنجی از دم خویشم رسد گزند
 در هرودی ز سایه خویشم بود هر اس
 من میمان و چرخ سیه کاسه میزبان
 دردی خور بلاکم و تلخایه نوش یاس
 باقی نمانده اشک چه گریم بهای های
 از کار رفته دست چه بترسم لباس
 سر حلقه پلاس نشینان ما تم
 اندوه همدان شه از خود کنم قیاس
 چوں بود بزم ما تم شهنشاده بی خروش
 من دم زدم ز تلخ ذوائی بریں پلاس
 از نوحه عرض لطف سخن میتوان گرفت
 غالب سخن سرای شهنشاه سخن شناس
 یارب جهان نفعی تو بارگ و ساز باد
 عمر ابو ظفر شهبه غازی در از باد

نظیری

رسم احسبم بر روز جزا دفتر تو باد
 فردا که روز محشر بر انگیزی از زمین
 دوش و کنار حور و پری محشر تو باد
 روزی که کار با برهه توقوف حق شود
 جبریل کار ساز و خدا یا در تو باد
 وقت سوال گوش و لب منکر و نیکر
 پیر از قبول نکسته جان پر تو باد
 آن حله که آدم از دزل قدرت یافت
 گر رحمت دو کون بود در بر تو باد
 مجموعه عمل چو بر محشر در آورے
 کار تو راست همچو خط مسطر تو باد
 متوازن بخور روی فرات مسطرست
 بوسه بهشت هم نفس محسب تو باد
 آدم بهاسه تو قناسه دریں جهان
 تسبیح قدس رسول کمال گوهر تو باد
 تحمل ریاض ملک که باب غریبست
 عیسیٰ خورشید در آن روز تو باد

نظیری

سر سبز از دعا سے تنہا گستر تو باد
کارش بہ حسن شاہد فرخندگی بود
ہر چند بر تو مرگ - برو زندگی بود

اس بند میں بھی نظیری کے ہاں دو شعر معمولی تعداد سے زیادہ ہیں افسوس ہے کہ اس وقت کتاب کے چھپنے کی جلدی میں ہوگا اس قدر مہلت نہیں ملی کہ کلیات نظیری کے صحیح نسخہ کے ملنے کا انتظار کیا جاتا اور بعد کامل طیناں کے اُسکے ترکیب بند میں جو اشعار حل طلب تھے انکی شرح کیجاتی جس سے ناظرین کو دو نو ترکیب بندوں میں موازنہ کرتے کا زیادہ موقع ملتا لیکن ہمارا ارادہ ہے کہ اگر اس کتاب کے دوبارہ چھپنے کی نوبت آئی تو بشرط زندگی اس نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

اب ہلکو مرزا کی کلیات قلم فارسی میں سے صرف مثنوی کا نمونہ دکھانا باقی رہ گیا ہے اگرچہ پہلے حصے میں کہیں کہیں مختلف مثنویوں کے کچھ کچھ اشعار مقتضائے مقام کے موافق نقل ہو چکے ہیں مگر نمونے کے طور پر یہاں بھی ایک دو مقام کسی مثنوی کا دکھانا مناسب معلوم ہوتا ہے مرزا نے کوئی مبسوط مثنوی نہیں لکھی اُنکے کلیات میں گیارہ مثنویاں ہیں جن میں سب بڑی مثنوی ۹۲۸ بیت کی ہے اس مثنوی میں - جیسا نام مرزا نے ابرگہر بار رکھا تھا - اُن کا ارادہ آنحضرت صلم کے غزوات بیان کرنے کا تھا مگر چونکہ یہ انکی آخری تصنیف تھی اور اخیر عمر میں طرح طرح کے عوائق اور موانع پیش آئے اس وجہ سے غزوات کے شروع کرنے کی نوبت

نہیں پہنچی؛ صرف ویسا چپکے چند عنوان لکھنے پائے تھے کہ مکروہات روزگار نے گھیر لیا مگر یہ
 شتوی انکی تمام شتویوں میں ممتاز ہے اور ہم اسی شتوی کے کچھ اشعار توحید میں سے اور کچھ
 اشعار مناجات میں سے جو نہایت آواز آواز اور زندہ طور پر لکھی ہیں اور کچھ نعت میں سے اس
 مقام پر نقل کرتے ہیں۔

از توحید

سپا سے کز دنا نہ نامی شود	سخن در گزارش گرامی شود
سپا سے کہ شوریدگان لہنت	دہندش بیابگ قلم دل نہ دست
سپا سے ہر پوزش در کہ منعت	نزد دل جتہ دبادل آوختہ
سپا سے دوقی سوز کثرت رباعی	سپا سے دل فروز بنیش ذراعی
خدا را سز و کرد و دل پروری	بدیں شیوہ بخشہ شناسا درمی
خدا سے کہ ز اں گو نہ روزی دہر	کہ ہم روزی و ہم دور روزی دہر



رضا جوے ہر دل کہ در قیاس است	ہوا خواہ ہر رخ کہ گردیش است
ز محبہ زانہوہ خواہند گاہاں	نیا بدستوہ از نیا ہند گاہاں
خرد جنس ہستی فرو شند گاہاں	دہر خرد بیہودہ کو شند گاہاں
نہا بد دل آتا نہ دل داد گاہاں	کشد ناز لیکن ز اقا دگاہاں
ربا سے کہ بر دل دزد و نہفت	زباں را بہ پیدا در آرد بگفت

نگه را که بیرون نباشد ز چشم
دیده بال پیدائی مهر و خشم
دل و دست با هم گردوخته
دریں کیسه کردار اندوخته
یعنی در کیسه که از هم دوختن دل و دست بمرسیده کردار مردم اندوخته است.

روان و خرد با هم آمیخته
ازیں پرده گفتار آمیخته
نه زیں سو گمراشته شدن توان
نه راه اندر یں پرده بردن توان

+++++

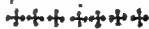
به نیروی نه چرخ بر هم زدن
نشانید زدن است او دم زدن
یعنی بقوتی که اندازن چرخ را بر هم میتوان زد از معرفت الهی دم نمیتوان زد.

گروهی به بند گمراشته شدن
فرد بسته دل و زریں کا فتن
یکه را دم تیشه بر کاں نخورد
یکه ره به نایاب گوهر نبرد
خرد که جانے ست پیش خبر
نباشد ز عنوان خوشیش خسته
نه بیند جزایں هیچ بیننده
که مار بود آتش بیننده
نگارنده پیکر آب و گل
شمارنده گوهر جان و دل
به گردش در آورنده نه سپهر
به گردوں بر آورنده ماه و سهر
رواں را بدانت سرای ساز
زباں را بگفتار پیرای ساز
بشاهی نشانده خسرواں
ز درهنن ربانده رهرواں
بدانش بر اندیش فرزگان
به مستی تنگسار دیوانگان

جگر را ز خونا بہ آشام دہ	نفس را بہ بیتابی آرام دہ
شنا سندگان را بخود رہنما	ہر سندگان را غم از دل بپا کے
نفسا بسودامی اونا لہ خینہ	جگر با بہ صحرائے اوریز ریز
رگ ابر را شکباری از دست	دم برق را بتقیری از دست
زبانہای خاموش گم یائے او	نمانائے اندیشہ پیدائے او
خرد را کہ جوید شنا سائیش	نگہ خیرہ در برق پیدائیش
دوئی بے کفن مردہ در رمیش	خودی داد گر شختہ در گمش



زہے ہستی محض و عین وجود	کہ نازد بہ یکمائیش ہست و بود
ز شاخا بہ کہ قلم سے سرودہ	بہر ششہ آشام دیگر دہر
بیک بادہ بخشد ز پسینا	بہر ذرہ رقصے جد اگانہ
جہان سے ز طوقاں لغز قاب در	ہنوزش ہماں میں بگرداب در
گرد ہے ز مستی بنو غادروں	ہنوزش ہماں مئی بہ مینا دروں
اسیرش ز بندے کہ برپای اوست	شناسد کہ بر تخت چیں جای اوست
شیدش بخوش از طرب بہرہ مند	بجز چشم ز خموش نباشد گزند



ہر لب کہ جوئی نوائے از دست	ہر سر کہ بینی ہوا کے از دست
----------------------------	-----------------------------

اگر دو سارست بیوش و هنگ	که همواره پیکر تراشد ز سنگ
بر بت سجده زال رود و داشته	که بت را خداوند پند داشته
و گر خیره چشمیست تیر پرست	به در دمی از جام اندیشه مست
بمهرش از زال راه جنبیده مهر	کزین روزنش دوست نموده چهر
ز تارخی در روان اهریمنی	گروهی بود کز خرد دشمنی
ز بس داد تا آشنائی دهند	به آتش نشان خدائی دهند
به تن با به آذر گرایش کناں	بدلما خدا را نیایش کناں
گروهی سراسیمه در دشت دگویی	خداوند جوی و خداوند گوئی
ز رستمی که خود را براں بسته اند	بیزداں پرستی میاں بسته اند
ز مهری که نجو است در دل بود	پرستند حق گریه باطل بود
نظرگاه جمیع پریشاں یکے ست	پرستنده انبوه - ویزداں کلیت
کدامی کشش کاں از آن سویست	بدونیک راجز بوی روی نیست
جہاں صیت ؟ آیسند آنگی	فضا به نظرگاه وجه اللہی
بهر سو که رد آوری سوی اوست ؟	خوداں رو که آرد روی اوست

از مناجات

بر دوزخ که مردم شوند انجمن	شود تازه پیوند جانها بر تن
رواں را به نیکی نوازند گاں	به سرای خویش نوازند گاں

گهر با ستوار پیش آوردند
 ز نور یکدیز نند و خرمن کنند
 بنگامه با این جلر گوشگاں
 دهرست بدل برده دندان خود
 در آن حلقه من باشم و سینہ
 در آب و در آتش بسر برده
 تن از سایه خود به بیم اندرون
 ز ناسازی و ناتوانی بهم
 ز بس تیر گیاے روز سیاہ
 بختاے بزناکسی باے من
 بدوش ترا ز دست بهار من
 بگردار سخی میفراسے بخت
 که من با خود از هر چه بخت خیال
 اگر دیگران را بود گفت و کرد
 چه پرسی چو آن رخ و درواز تو بود
 فردی که سرست خمیر من است
 مبادا بگیتی چو من میچسپس
 فرد سپیده کردار پیش آوردند
 جهاں را بخود چشم روشن کنند
 در آیند شسته جلر گوشگاں
 ز خجالت سر اندر گریباں فرد
 ز غم باے آیام گنجینه
 ز دوشوارے ز ریتن مرده
 دل از غم به پسود و نیم اندرون
 دم اندر کشتا کشن ز پیوند دم
 نگه خورده آسیب دوش از نگاه
 تپیدست و در مانده ام - واسے من
 فسخیده بگذا کردار من
 گراں باری درو عمرم بسنج
 ندارم بغیر از نشان جلال
 مرا ای عمرم بخت است و درد
 نغمے تازه در هر نور و از تو بود
 دم سرد من ز مهر بر من است
 جیحی دل ز مهر بر منی شمس

پیش کش مراد ہم افشردہ گیر پر کاہ را صرصرے بردہ گیر

پس انگہ بد و نوح ز ستادہ وال در آتش حس از باد افتادہ وال

پیش سے مراد باز پرس قیامت ہے۔ کتاب ہے کہ مجھے باز پرس سے مستثنیٰ رکھ اور یہ سمجھ کر مجھ سے باز پرس ہو چکی اور ایک پرکاہ کو باد صرصر اڑائے گئی اور یہ فرض کر لے کہ کڑی و نوح میں بھیجا جا چکا اور ہوا سے ایک تھکا دہکتی آگ میں گر چکا۔

وگرچہ پیش ست منہ جام کار کہ سے باید از کردہ راندن شمار

یعنی اگر انجام کاری ہے کہ اعمال کی باز پرس ہونی ضرور ہے تو۔

مرا نیز بار اے گفتار وہ چو گویم براں گفتہ ز نہار وہ

دریں خستگی پوزش از من مجوئے بود بندہ خستہ گستاخ گوئے

یعنی اس خستگی اور مصیبت کی حالت میں جو کچھ میری زبان سے نکل جائے آپ مجھے معاف کرنا۔ چاہنا کیونکہ خستہ مصیبت زدہ غلام گستاخ گو اور بیباک ہوتا ہے۔

دل از غصہ خوں شدہ منفتن چہ سود چو ناگفتہ دانی نکلشتن چہ سود

زباں گرچہ من دارم آواز تست بہت ارچہ گفتارم۔ آواز تست

ہمانا تو دانی کہ کافہ منعم پرستار غور شید و آذرینم

نہشتم کسے را بہ اہر یمنی نیروم ز کس مایہ در رہرنی

مگر نے کہ آتش بگورم از دوست ہنگامہ پر داز مژمورم از دوست

منی صرف مجھ میں ایک عیب ہے کہ میں شراب پیتا ہوں اور اسی سے میری زندگی،

اس مطلب کو اس طرح ادا کرنا کہ مد آتش مگورم از دوست، اور پرواز مگورم از دوست،
 انتہائے بلاغت ہے نشہ شراب سے جو عارضی نشاط اور آئینگی پیدا ہو جاتی ہے اسکو
 پرواز مگور سے بہتر کسی استعارے میں ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جس طرح چوٹی کی پرواز
 اسکی عزت کی علامت ہے اسی طرح نشہ شراب کا عارضی نشاط آخر کار مورتِ ہلاکت
 ہوتا ہے۔

من اند و گین و نئے اند رہے	چمی کردم اسے بندہ پرورد خدا
حساب نئے ورامش و رنگ و بو	ز جمشید و بہرام و پرویز جوے
کہ از بادہ تا چہرہ افر و قند	دل دشمن و چشم پر غوغند
نہ از من کہ از تاب نئے گاہ گاہ	بہ در یوزہ منج کردہ باشم سیاہ
نہ بتاں سرانے نہ میخانہ	نہ دستان سرائے نہ جانانہ
نہ رقص پری سپکراں بر بلبل	نہ غوغاے رامشگراں در بلبل
بہار و زگار اں بہ دلدادگی	بہار و باران و شہاے ماہ
اٹش با پیر از ابر بسمن مٹی	سفالینہ جام من از نئے تھی
بہار ان باد من در غم برگ و ساز	در خانہ از بسینوائی منیر از
جہاں از گل و لاله پر توی و رنگ	من و حیرت و دامن زری رنگ
دم عیش جز رقص بمسل نبود	بہ اندازہ خواہش دل نبود

اگر تافتم رشتہ گو ہر شکست	وگر یافتم بادہ ساغر شکست
چہ خواہی زدنی سے آلودن	بہیں جسم خمیا زد نہ سوزدن
بنا سازگاری نہ ہمسایگان	بہ سرمایہ جوئی زبے ایگان
سرازمست ناکساں زیر خاک	لب ز خاک بوس خساں چاک خاک
پرگیتی دُرم بنواداشتی	دلہ را اسیر ہواداشتی
نہ بخشندہ شاہے کہ بادم دہ	بہر باز رہ سیل بادم دہ
کہ چوں پیل زراں جابر انگیزے	ز رش بر گدایاں فردریزے
نہ نازک نگارے کہ تار نش کشم	بہر سہ زلف دراز نش کشم
ہرے عمر ناخوش کہ من داشتم	ز جاں حصار دور پیرین داشتم
چو دل زیں ہو ساجوش آیدے	ز دل با نگب خونم بگوش آیدے
ہنوزم ہمان دل بگوش اندرست	ز دل با نگب خونم بگوش اندرست
چو آن نامرادی بیا دآیم	بفرودس ہم دل نیا سادیم
دے را کہ کمتر شکیبہ بیان	در آتش چہ سوزی بسوزندہ دلع
صبحی خورم گر شراب مہور	کجا نہ ہر صبح و جام بلور
دم شب رو بہاے مستانہ کو	ہنگامہ غوغاے مستانہ کو
دراں پاک میخانہ بے خروش	چہ گنجائی شورش نامی دروش
سیہ مستی ابر و باران کجا	خزاں چوں نباشد باران کجا

اگر حور در دل خیالش کج	غم حیر و ذوق وصالش کج
چہ بہت ہندناشنا سا نگار	چہ لذت و ہر وصل بے ہنگار
گریزدوم بوسہ - انیش کجا	فریبیدہ سو گندہ - ونیش کجا
بزدلم و نبود لبش تلخ گوے	دہر کام و نبود دلش کامیوے
نظر بازی و ذوق دیدار کو	بہ فردوس روزن بدیوار کو
نہ چشم آزر و مستند دلالہ	نہ دل تشنہ ماہ پر کالہ
ازینا کہ پیوستہ میخواست دل	ہندرم ہاں حسرت آلاشل
چو پیش رگے راجا دزدل	دو صدہ و جلہ خونم ترا دزدل
بہر جرم کز روے دفتر رسد	ز من حسرتی در برابر رسد
بفرماے کایں داوری چوں بود	کہ از جرم من حسرت افروں بود
ہر آئینہ بچوں منے را بہند	تلافی فراخ بود سنے گزند
بریں سو یہ در رو ترا سید و سیم	گریم بہ انساں کہ عرش عظیم
شود از تو سیلاب را چارہ جوی	تو بخشی بہاں گریہ ام آبروی
دگر خون حسرت ہدیر کردہ	زیادہ اشش قطع نظر کردہ
گذشتم ز حسرت - امیدیم ہست	پیدا بہ روی سپیدیم ہست
کہ البتہ ایں زندہ نا پار سا	کج اندیشہ گبر مسلمانا
پرستار ز خندہ منشور قست	ہو ادب فرزانہ و خوشتر قست

بر بند امید استواری فرست به غالب خطر تنگاری نرست

افزون
پندارین

محرک ز آئینه روست دوست	جز آتش نداشت دانا که اوست
ز به روشن آئینه ایزدی	که در وی نه گنجیده رنگ خردی
ز راز نهال پرده بر زده	ز ذات خدا معجزه سر زده
تناسل دیرینه کردگار	یوسف از دوزخ پیش امیدوار
تن از نور پاوده سر چشمه	دک مجو متاب در چشمه
بهر جام از دوشنه جرعه خواه	بهر گام از دمنجنه سر راه
کلامش بدل در فرد آمدن	ز دم حسته پیشی بزود آمدن
خرامش بنگ از قدم نقش بند	برنگی که نادیده پایش گزند
پشتش گشا و قلم نارسا	بجنگش سواد رستم نارسا
دل ایام چای زیاں نیرکان	نظر قبله گاو چسان نیرکان
بر قمار صحرا گلستان کنه	بگفتار کافر سماں کنه
بر نیاز دیں روشنائی دهبه	بعتی ز آتش رهایی دهبه
بخوبه خوش - اندوه کا دهبه	بآمرزش امید کا دهبه
ز بس محرم پرده راز بود	بترد یکی حق سرفراز بود
ز راز که کربا و سر دس سرخ	صدایش بود سز اول بگوش

نظر گاہ پیشین فرستادگان	جنے قبلہ آدمی زادگان
روائی دہ نقد عالم بخوش	کسانی دہ نسل آدم بخوش
گرامی گن سجدہ سیاسے او	بلندی دہ کعبہ بالاسے او
خفق بستہ چین گیسوے او	مین روشن از پر نور وے او
جہانے بیک خانہ آباد کن	زبت بندگی - مردم آزاد کن
پہ اندیش خویش دودعا گوے غیر	بجواب مسجد رخ آراسے دیر
کدنگ درش سنگ لہن رست	نوگوئی - زبیں دل زدشمن رست

نثر فارسی مرزا کی فارسی نثر کو جو مقدار میں فارسی نظم سے بہت زیادہ ہے اس بنا پر کردہ وزن سے مترا ہے صرف ایشیائی اصطلاح کے موافق نثر کہا جاسکتا ہے ورنہ اگر وزن سے مطلع نظر کی جائے تو مرزا کی نثر میں شاعری کو خسر نظم سے بھی غالب معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً کلیات نظم کا دیباچہ اور خاتمہ، مہر نیروز کے ابتدائی عنوان، تمام تقریبات اور دیباچے جو لوگوں کی کتابوں پر مرزا نے لکھے ہیں، اور کتابت کا ایک مستند بہ حقہ سراسر شاعرانہ خیالات اور پوٹیکل نظم و نسق پر مبنی ہے۔

تاخرین میں ابر الفضل، طوروی، طاہر وحید، اور جلالہ طہا بلبلے نے نثر لکھنے جاتے ہیں۔ مرزا بیدل کی نثر اگرچہ انکی نظم کی طرح ایک دوسرا عالم رکھتی ہے مگر وہ بھی اپنی شان اور آن بان میں بیخیر ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اور ضرور

تسلیم کرنی چاہئے کہ مرزا نے متاخرین کی طرز انشا پر داری سے استناد حاصل کیا ہے تو بھی متاخرین کی نثر میں مرزا کی طرز کا سراسر انکسار لگتا ایسا ہی ہے جیسا تہمتی آم میں پیوندی آم کا مراد و حوتڑ حنا۔ تقریباً ساٹھ برس گزرے کہ لکھنؤ کے ایک نہایت لائق آدمی نے مرزا کی نثر کی نسبت یہ بات کہی تھی کہ شیخ ابو الفضل اور مرزا بیدل دونوں کے مختلف اسٹائلوں سے کچھ کچھ مختلف باتیں اخذ کر کے ایک جدا اسٹائل پیدا کیا گیا ہے؛ لیکن جب مرزا کی نثر کا ان دونوں کی نثروں سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو مرزا کی کوئی ادائیگی کی طرز اداسے میل نہیں کھاتی۔

اگرچہ مقصدی مقام یہ تھا کہ مرزا کی نثر میں جو خصوصیتیں ہلکو معلوم ہوئی ہیں ان کو یہاں مفصل طور پر بیان کیا جاتا اور ہر ایک خصوصیت مثالوں کے ذریعے سے ناظرین کے ذہن نشین کی جاتی لیکن چونکہ لوگوں کو اس قسم کی تدقیقات سے کچھ دلچسپی نہیں ہے اس لئے ہم اس بحث سے قطع نظر کر کے حسب وعدہ ان اصحاب کی ضیافت طبع کیلئے جنکو فارسی زبان کے ساتھ باوجود اسکی کساد بازاری کے اب تک کچھ نہ کچھ لگاؤ چلا جاتا ہے مرزا کی نثر میں سے بطور نمونے کے کچھ کچھ اقتضا کرتے ہیں اور ہلکو امید ہے کہ یہ نمونہ اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی دوائی ہوگا کہ مرزا نے نثر فارسی میں بھی اسی قدر بلند پایہ ہنر پہنچایا تھا جیسا کہ نظم فارسی میں انکو حاصل تھا۔

اگرچہ مرزا کی نثر کو اگلے نامور انشا پردازوں کی نثر پر ترجیح دینا تاوقتیکہ اسکو لیل و نایان سے ثابت نہ کیا جائے ایک بے بنیاد بات ہے لیکن ہلکو ان لوگوں سے جو وجدان صحیح اور

ذوقِ یلم رکھتے ہیں امید ہے کہ وہ مرزا کی شہر میں ایک عجیب طرح کی لذت اور خوشی اور ایک
 نئی طرح کا بانگین دیکھیں گے جس سے تمام متاخرین کی شہر میں بالکل متراہیں۔
 چونکہ مرزا کی طرزِ انشاءِ پروازی سے اکثر لوگ نا آشنا ہیں اس لئے جہاں تک ممکن ہوگا
 ہم انکی شہر میں سے ایسے مقامات اخذ کریں گے جو صاف اور سلیس ہوں اور بالائینہ جہاں
 ضرورت ہوگی کہیں بین السطور میں کہیں برکیٹ میں اور کہیں فٹ نوٹ میں حل طلب
 مقامات کی شرح بھی کرتے جائیں گے۔

مرزا کے تمام فارسی کلام کی املا میں ایک خصوصیت ہے جس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں
 یعنی وہ بعض الفاظ کو تمام اہل زبان اور زبانداروں کے برخلاف دوسری صورت سے
 لکھتے ہیں مثلاً صد کو صد، شفقت کو شست، غلطیدن اور طپیدن کو غلطیدن اور پیدن،
 گزشتن اور گزاشتن، اور گزاشتن، اور گزاشتن، اور گزاشتن، اور گزاشتن، اور گزاشتن،
 یہ الاما ناظرین کے تردد کا باعث تھی اور نیز ہم اس املا کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے اس کتاب
 میں جہاں کہیں مرزا کا کلام نقل کیا گیا ہے وہاں الفاظ مذکورہ قدیم معمولی طریقے کے
 موافق لکھے گئے ہیں۔

شہر فارسی کا انتخاب

از مہر خیر دز

خطاب میں بوس مہر خیر دز کے دیباچے میں حمد اور نعت اور مع پادشاہ کے بعد ابو ظفر
 سراج الدین بہادر شاہ مرحوم کی طرف خطاب کر کے اپنا دردِ دل بیان کیا ہے اور اس

خطاب کا نام خطاب زمیں بوس رکھا ہے۔ اسکو کسی قدر حزن و استغاط کے بعد ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

”قاآن شیوہ خاقانا! و خاقین خدایگانا! ردی آوردن من از عدم بوجود بیودای
گرسنجی و گرسوزشی بود؛ کلا سے بیش بہا سے من درین چار سو روی ردائی ندید؛ و متابع
اگر انما یہ مرا ویریں بازار ارزش ازانی نہ شد؛ ناچار ہرچہ با خویش آوردہ ام۔ چوں گویم کہ با
خویش می برم۔ بچتے در سینہ ہا، و پاریز در سینہ ہا میگذازم و میگذازم۔ پس اس من آن گنج نایاب
را اگر ہم باد بیز گو بیز، و اگر ہم ہنک بخورد گو بخور۔ سینہ آرزو ہا سے جواں میرا دفن ست
لمعہ نگاہ کرم چراغ گوہر غریباں باد۔“

نیاگان نامہ نگار از تخمین افراسیاب و قشنگ بودہ اند، و فرماند بان با فردرگز
فردرگز بن چراغ ہستی نور دیدہ تور بہ باد استین کینہ کینہ و قشنگیاں برابر و زیباہ پیش آورد
خداندان اورنگ و پیم را ازاں برگ و ساز با جزئی گند ناگوں بکفت نمازد۔ بہ مژدہ
بیکانہ روی آوردند، و بہ دست ہر دین زدن ناں خوردند۔ ہم انہیں نیساں ایوانان کسب
نیشمن سلجوقیاں و گربارہ سربا سربا و فسر گوہر آراستند۔ چرخ گردنہ چنانکہ خوی دوست
ایں نامداران کا دس کوس را نیز از پای افکند۔

در مشرب با خواہش زد و سنجونی در حسیع ماطلح مسعود نیابی

ہم رزا اگر کہ تقریباً ہمیشہ ان مفلوں کے بعد شکے آخر میں دوا دالعت چرتا ہے غیر اصناف کے جیسا کہ ماکا خیز پر پاسے زانو کرتے
ہیں مثلاً رزا یا سو یا پا اور جاکا جگہ دوسے دوسے پاسے اور پاسے لگتے ہیں۔

در بادہ اندیشہ مادر و نہ بینی در آتش ہنگامہ ماد و دنیا بی

از دایان این قافلہ نیاسے من کہ در ظلم و ماوراء النہر سمرقند شہر سقط الاراس دے
 برو چوں سیل کہ از بالاییستی آید از سمرقند بہند آمدہ در قسیر سپہبد شاہ نشان ذوالفقار اللہ
 میرزا بخت خاں توقیع نوکری شاہش نوشتند و بر پرگنہ پچاسو پرات روزی دے
 و سپاہش نوشتند پیرم پیشہ پر خویش داشت ، دہم در کارزار جاہگیر گذشت ہمانا
 گلبن شتاے ترا تو آتش خواہی لیلے می بایست کہ مرا ز فرسج و دستانہ اسراے آفریند

رباعی

غالب بہ گہر ز دودہ ز او ششم زان رو بصفای دم نیست دم
 چوں رفت سپہبدی دم چنگ شعر تشدیر شکستہ دنیا کاف تسلیم

خانم بسر بغیر بہ پندار آزادہ روی بسخن لا آبا لیلانہ پرو ختم ، داندازہ ارزش سخن و پایہ دالایی
 گوہر خویش تشا ختم سینہ من نفیے داشت برواں آسائی نیسے کہ از نترن زار و دزدہ زباں
 رزہ من کہ دم تجز بہ نابایست تزدوم . دہبان مرا قلعے بود بہ دجلہ باری ابرے کہ از قبلہ
 خیزد بہیدہ کوش من کہ باران بشورہ زار و فرور بختم

بایں فروغ گوہر و رخسانی نہاد زیں ساں سیاہ روز کر اگر در زگا

بافرو زہنگ بیگانہ ، و بانام و رنگ دشمن ، با فرومایگان مہنشین ، و با اوباش ہمزنگ ، پای
 بیزاہر پوے ، و زباں میوزہ گوے ، در شکست خویش گردوں را دستیار ، و در آزار خویش
 دشمن را آموزگار ، دل پر از خار خار ، و دیدہ نشتر زار ، نہ دستگاہ خود نمایانہ آرایشہ . و نہ

سرِ بزرگ آزادانہ آسائیشے۔ سرگزشت ہر کس ہاں فرماناے امننا پذیرتہ سرزشت
اوست : در آنچه بر من رفت دوستان ما با من چہ بای سرزشت، و مرا با دشمنان چہ
گنجائی پر غاش۔

ننگِ گشتِ سرِ سرزشتی شکست موج وانا خور و درینک کہ نادان چہ کار کرد
پس از پنجا د سالہ آوارگی کہ تیزی رفتار من از مسجد و تاجانہ گردانگشت، و خالقانہ و
میکدہ را یکبار گردید؛ و برونخ آں خزانہ ایزدی کہ فریدوں را بہ قراب داد گرمی دل افزشت
و مرا فرہنگ سخن گستری آموخت؛ ہاں خور فردم آوردند کہ تو نیز چوں حلقہ چشمتہ ہاں خور
داری، و توانی کہ دیدہ برداری۔

تا ہمسایہ اویم سپریاں دیسایین اند۔ و تا خاک نشین آں درم فرشتگان در ترک پای
من اند۔ و در دل و دیدہ رنجاناں جاے من ست، و بر سر راہ و ستارہ پاسے من۔ و درین
گوشہ گزینی و خوشہ چینی نخست آیہ رحمتے کہ بر من از بالا فرو آمد۔ و دادن نجنگی نیزیں بوس
ایہاں خدیوہ خدا داں بود۔ دولت روے آورد، بخت از خواب حبست، و خوشترم روشنی
گفت، رضواں رضا جوے آمد، چرخ از رفتہ خیزخواست، و روزگار از گذشتہ بجلی طلبید۔
نومیدی از تو کفر و توراضی نہ بہ کفر نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد۔

کا لبدِ خاکی مرا چوں پیکر گرد باد جانے در میان نیست؛ ہمیں یک دو دہہ سرنگی تماشادار
مگر عندی لب گلشن تصویریم کہ میوسے گل ز فرمہ ازوسے نتواند دید۔ یا سبزہ جو ہر شرم کہ بزدلی

ستانہ نیار و چید گشتگی یونہی فساد کس شد، دھول از دل بچیاں در چکیدن است؟ بامیونہ
چو قدر استوار بود؟ و چہ مایہ بہ تر و گستر اند۔

شبے بدل دیوانہ کہ نختے از من ہوشمند ترست گفتم کہ اگر گفتار نیار و چید بشار و ام کار گاہ
بار گاہ عرفہ دارم کہ آیتہ رازم۔ مرا می توان تر و دو، و بندہ سخن طرازم۔ مرا می توان پر و۔
گفت اسے ناداں این سخن از جاے دگر بود و ہنگام آن گذشت؛ اکنون اگر بھی توانی گفت
بگوے اکشتہ ام۔ مرہم می توان نہاد، و مرہم ام۔ جاں می توان بخشید۔

رباعی

شانہ ہر چند واپہ چوے آمدہ ام دانی کہ چہ مایہ فقر گوے آمدہ ام

آہم کہ محیط را بچوے آمدہ ام رنگم کہ بہار را بہر روے آمدہ ام

اگر چنانکہ بدوران تو ام۔ بروزگار و فرزانہ جمشید بودے۔ جمشید روزگار را آفرین گفتمے؛ و اگر
بر انساں کہ شناخوان شہر ایم قرخ فریدوں راستو دے۔ فریدوں چرخ و ستارہ را گروے
گفتمے۔ و راں انجمن کہ زردشت آتش افروخت، و زرد آورد، اگر من بدین دم آذر فشاں
جا داشتے۔ آذر از ہم من زبانہ تروے؛ و از دلفری بیان من کس بشیند شرم نہ بخندے۔
من بریں فرخی بخت کہ چوں تو خداوند کار فرماے دارم۔ ہر قدر بر خوشن بیانم جا دارد؛
سرت گردم تو نیز بریں گرمی ہنگامہ بناز۔ کہ ہمچو غالب بندہ آتشیں فواے داری۔ اگر نامزد
ہندو اتفات می دہی۔ جاے مردک ویدہ بمن باز گزار، و در دل بروی من کشتاے۔
گویند در عبد جانانی حضرت صاحبقران ثانی بفرمان آن خسرو در یاد دل کلیم راصدہ

انہاں دستورست کہ ہر یک کے کہ خود کشند عشق نہ بازند۔ مگر مانی اس نقش را کہ خود میزند
 از اعجاز نمی شود؛ و از راقی بت را کہ خود می تراشید نماز نمی برد؛ و از ارباب را بندہ سپاس مگر از
 باغم اگر نکم را بہر جنبش آفریں نگویم، و از سخن بہر اندیشہ سپاس نہ پذیرم۔ رقا کہ کبک و
 نہر و دل از دست بزد، و خرام اس رعنا لبت رقا ص سرست ت کند؛ عاشا کہ خراش
 کلک بر ورق اس مایہ ذوق انگیز تواند بود؛ تیرست کہ بسینہ در چالبت سرستی تعلیم بخانی
 بنامی خرام۔ اس پاری آیمختہ بہ تازی۔ کہ از زمان حیر و سنجی عرب بر عجم در گیتی پدید آمد۔
 خسروی گنجینہ در بستہ بود کہ خامہ من قفل درش را کلید آمد۔ پیر ویز کجاست تا بنگر دگر در
 رہروی کہ ام رہ سپردہ ام، و بہرام کجاست تا فرار سد کہ سخن را از کجا بجا بردہ ام۔
 خسروی بادہ دیں دوز اگر نخواہی پیش ما آے کہ جرعتہ از جامی است

خود شانی فرو طم، و بندہ پندار گسٹم۔ آو خ از اس روزگار کہ از خوبی ہما سازی و از کار باری سیری
 شد، و داد از اس بیدار کرد و در پیش از فردنی خستیم و کام بر نوان و ہوش رفت۔ از کار و کام
 اس نگارش سپاس پذیرم کہ بہر دوختن اس خط کہ خود را چوں سایہ بازیں ہموار ساختہ ام،
 تا برداختہ ام۔ و با گنجین اس نقش کہ چشم و دل و نگاہ و نفس با ہم آیمختہ ام، تا با گنجینہ ام۔ دست
 از کار ہای دگر کوتاہ ست، و دل از اندیشہ ہاے دگر بر کنار۔ نامہ نگار کہ از کردار گزاری گنجین
 و در دل روے آوردہ بود۔ بازیہ پاسے سخن می آید، و جاوہ کفشان دادہ اندے پیاید۔

۱۔ تعلیم اور اخلاق جنہیں کی اصطلاح میں در متقابل لفظ ہیں۔ جب کسی ستارے کا فاصلہ مرکز آفتاب سے ۶ درجہ
 ہو تو کہتے ہیں کہ یہ ستارہ اخراق میں ہے اور جب یہ فاصلہ ۱۰ و ۱۱ درجہ یعنی بہ نسبت اخراق کے ۳۴۴ ہو تو کہتے ہیں کہ
 ستارہ تقسیم میں ہے اخراق ستارے کا تقسیم میں ہونا ان کی عہد ترین حالت ہے ۱۱

نگرندگان ہمہ تن چشم باشند و شنوندگان سراپا گوش .

طرز و آفتہ نگاری مرزائے مہر و وزیر جس طریقے سے واقعات تحریر کئے ہیں یہاں تو ایک مثالیں اسکی بھی لکھی جاتی ہیں۔

خانِ خطا با غیبتِ سنجیدہ کی با قہرمان قوم غل مہر و وزیر ہر گیز نامہ رواں داشت و گزیدہ رود شے را بہ نامہ بری و میانجی گری گماشت . فرستادہ آمد ، و جہاں پہلوان قبل خاں راز میں بوسید ، و نامہ سپرد ، و پیام گزارد . صرفہ و ریشی بود نہ در فرو گذاشت .

قاجولی بہادر را بجائے خود نشانہ ، و بہمنانی نامہ آورد توسن تیر گام سوسے خطا را اندہ . فرماندہ آں کشور سران لشکر را پذیرد فرستاد ، و مہمان را بخوشتریں نشین فرود آورد . دو

پادشاہ سپہر بارگاہ بر یک خواں نشستند ، و ناں خوردند ، و رائق آشامیدند . مگر خرد پیشہ قبل خاں را در اندیشہ گزشتہ باشد کہ بہادریاں نہ رہے بادہ آمیزند ، و بدیں رنگ

خون مہماں ریزند ؛ و ہر نیم پس از اندک مایہ درنگ بہ بہانہ آسپہا خشن بردن آمدہ و بہ ستم شگوفہ کردے ، و خوردہ و آشامیدہ از دہن فروریختے . چوں بزم اندر آمدے

و گر بارہ ساغر گرفتے ، و خوردنی از سر گرفتے . خطایاں بہ بیگفتہ فروماندہ کہ یارب ایں چہ نیردند و زور آوردے ست کہ از مایشیر می خورد و خورش را بردے گرانی نیست ، وئے از ما

قزوں ترمی کشند و ہشیار تر از ما ست . میکشاں دانند کہ چوں بادہ پزور و دام خوردند . چند ہر بار بشگوفہ اندازند . نہ آنست کہ مستی رودے نہ ہر ، و تاب بے وزیونی تے نمیش را ہم بزرند

شبے بادہ بر خورد و آورد . قبل خاں ریش داراے خطا کہ اتاں خاں نام داشت .

اندر دہان
قبل خاں
و خطا کاں
ایم تہرہ

گرفت و بسوی خود کشید، و ناسزا گفت. میزبان خشم فرو خورد، و نزدیکیاں خود را که هرگز بپوشیده
از گستاخی بازداشت. بامدادان میهمان آهنگ بازگشت سپرد. میزبان که از بدستی دشمنی
سنگران بود، چنانکه میزبانان دامن میهمان نهد و از دست ندهند، دآرزو سے دیرماندن
نمندی نکرد. کلاه داسه گوهر آگین، و کمر داسه زریں، و ترشند و گیس داسه بیش بها، و دست با
پرنیاں و دیبا پیش کشید، و پیر و پود کرد. هنوز هر دو در زینت بود که بدآموزان اقبال خاں
را از داسه بردند، و بران آوردند که قبل خاں را از راه برگردانند، و بدرگاه آورند، و کابله
را بدشت و خجرازم فروکشایند. سخن بزمی گزارنده ستاره از سپهر فرو آورنده. بیس کار
کربست و قبل خاں را براه دریافت؛ و بیاز آمدن فریفت. رمیده رام نه شد، و از
راه برگشت. فرستاده تنها باز آمد و بفرستنده خبر داد. بگروهی از گردان و یکاں خواں
رفت که جلای چشمی نشاند، و هر کجا یابند اگر تشادی و زاد پی نیاید بخواری و زاری آورند.
گر قبل خاں را براه دوستی بود از دوه ستوده سلجوق بکاشانه دسه فرو دآمد. دامن از بکاشایش
آهنگ دوسه روزه آنچو در دشته باشد خطایان شوریده منور دران ده رسیدند، و خاں را
دران خانه دیدند. سخن بدان لایب ساز کردند که خاقان فریب خورد، و خواست که سوے
غلام برگردد. خانه خدا که خرد از مهر قردن داشت. نمته باد پائے پیش کشید و گفت کار با
دگرگون ست؛ رفتن بخدا خردیچ روے روانیت؛ تنهائیس گروه سیاویز، و بریس
بادوسن نام بر نشیں، دسه ایل و ادولوس بگریز. تا گریز بچنیاں کرد، و جان گرمی تیز گامی

بُرد۔ خطائیاں روئے باز گشتن نہ آتند، آپے امید گاہ گچا پوسے خویش برداشتند، غلام
 سپہ آستان تخت باراش جارسید و خطائیاں سپس۔ باقا جولی بہادر و فرزند کمان شکر
 سیکار لیش رفت کہ چہ می باید کرد۔ انجام کار بہ بہیدیدیکہ گریہ خواہاں را گشتند تا از تمینکہ

گشتند چہ در روند
 ہر گاہ دیکھو اچھی حرکت کا انجام کیا ہو

شہر یار نبل خاں از یک بانو سے نکو دیدار کہ از قوم فقرات بودشش سپداشت۔
 نخستیں و دو میں بہ اولکین یر قاق و قولیہ خاں نام اور، دو دیگران ہنا ہما سے دگر
 روشناس۔ روزے نخستیں ایس دو برادر نام اور۔ ناگاہ بشکار گاہ از ہماں جہاں ہی ماند
 و راہ گم کردہ ہرزہ ہی گرد۔ تا نارغانیاں کہ غارتگری پیشہ داشتند، دیر امن قلم و منول
 ہموارہ راہی زدند۔ با ایس شہسوار پریشاں ز قنار بری خوردند، و چوں مے دانند کہ کیست
 با سیری می برند، و باتاں خاں خطائی می سپزند۔ خاں کہ دے برداشت فرماں می دہم
 کہ شاہزادہ را بر خر چوبیں بہ بیج ہا سے آہنیں بردوزند، و تن نازنینش از رواں پروازند۔
 خیرا و ندر مغولستان را کہ از پیش رنجور بود بہ جگر تابانی ایس دلغ درد و افرود۔ چوں دانست
 کہ ناکام ہی باید فردو میں سپر خویش قولیہ خاں را بہ جانشینی گزیہ، و بہ کشیدن انتقام
 خون برادر و میت کردہ چشم از تماشا سے جہاں پوشید۔ قولیہ خاں تا نگین سلیمان
 بکت آورد بفرام آمدن سپاہ فرماں نبشت۔ فرماں براں دیکندہ خواہاں از ہر سو سے
 بہ تخت گاہ روئے آوردند۔

۱۱ چنے برداشتن قناب نمودن۔ امید گاہ گچا پوسے خویش مینی کی کرد طلب بردا چہ پوسے نمودن ۱۲

کچوں لعل بودے سراپا بگر	شہنشاہ و نادول دیدہ و در
بسوے خطا ترک از آورد	براں شد که لشکر فرازا آورد
چہ جنبش در آورد کو ہے گراں	ز مردان و گردان و گند آواں
منش با بخوں رنجین تیز شد	ادراں رُو کو با نیست خونریز شد
ز دم باد بر روے پرچم زدند	دیواراں ز دشمن کشی دم زدند
پہ بنگاہ خان خطا رنجیتند	داتا نارنگ را گدای گنجیتند

التاں خاں دل و دست و عمارت و سناں بکار در آورد، و خود را با سپاہی از
 شہر بنہار از دیوڑ تر بہ پیکار در آورد۔ کوشید و کوشیدن سودمنداشت؛ رتم فیروزی بنام
 قویلی خاں کشیدہ بودند۔ شکیبائی گیل شکستے پر خطائیاں افتاد؛ علم بادشاہ گول شد، و اندیشہ
 بگریز بہنوں۔ جہانباں التاں خاں بگریختن جاں برد، دقن ہائے خستہ و دہلائے شکستہ
 از میان برد۔ شہر اندامہ، و در بر دے سپاہ کینہ خواہ بست۔ قویلی خاں و لشکر یا منش نہ انامیہ
 بگ و دسار بہ پناہ بودند کہ راندیشہ گنجد۔ سپاس گزار چرخ و اختر گشتند، و گرانبار و سبکناں
 بہ گشتند۔ پادشاہ بخشیم روشنی پیر دزی سپاہ و رعیت را سلائے عشرت اند دزی داد۔ ہنگامہ
 جشن گرمی پذیرفت، و بزم سوار آرایش یافت۔ خواہی ہنگامہ گرم کن و خواہی بزم آراے؛
 مرگ رانہاں خدنگ بہ کہاں ست کہ خطا کند؛ قویلی خاں را تیز بہنگام خویش ناوک بر نشان
 نورد۔ چون پسنداشت بتران بہادر جاے پدرا ز برادر گرفت۔ بیکہ دلیر و مردانہ بود
 منش از خانان بہ ببادری در جہاں رفت۔ ہر روز گارجاں داری ایس شہر مایہ لاور برق ابل

خزن ہستی قاجولی بہادر سوخت، و سپرش اگر دُچھی بر لاس ^{پیشانی} شکر سیخ افزودت۔
 روزے یافت امیر قزغین و امیر طرغاسے دربارہٴ ادبوس و قشون سخن میرفت
 و فزادہ فیروزی خراسان ^{امیر} تیمور دلاور باد پر ہنزاں بود۔ پدر از گشتار بازداشتہ خود بشکری سخن سر
 شد، و دہاں ہنجا زخمہ چند بر تار گشتار زد کہ امیر قزغین در اں شیوا بیانی دیگر افتانی بہر
 دل بست، و با فریں زباں بر کشاد سخن گوے فرو میدہ ادا ^{امیر} پسر غانہ بدہراں جزم اولیٰ ^{امیر} کجا تو
 تر کاں خواہر امیر حسین ^{امیر} نبیرہ خوشنیتن را بائین دیں و قانون شرع بے سپرد تا خوشی بہ
 خوشی ^{امیر} دیندی افزاید، و امیر شے چون شیر و شکر در میاں آید۔ امیر جابجوزے پس از اں
 پیوستہ با امیر قزغین در بزم ہنیش و ہدم و در بزم پیش تاز و پیش آہنگ بودے۔ از
 نبیرہ از امان بر لاس و دلاور اں چتا کہ آں دست بردگرتے شگفتی فرو مانے، و دست
 مرزا ^{امیر} دلاور گویاں بر اں دست و بازو آفریں خواندے۔ پس از امیر قزغین کہ دلاور ^{امیر} قشون تیمور
 آگاہ و در کار گاہش کشت۔ جہاں ^{امیر} ہلیوان تہمتن توایں بہ تہما دامن بہمت والا گرفت، و
 دستخ زنی و خیم انگنی کارش بالا گرفت۔

ہر چند کہ زشت و ناسزا یم ہمہ در عمدہ رحمت خدا یم ہمہ

در جلوہ دید چنانکہ ما یم ہمہ شایستہ نفیت و بوریاتیم ہمہ

برادر بزن صاحب قراں ہمایاں امیر حسین نیز بے پیوست، و عمدہ بست کہ ہر چہ از ملک مال

منہ: امیر قزغین نام یکے از آملوے چغتایہ ۱۲ * امیر طرغاسے نام چہامیر تیمور ۱۳ 8 بر باسی گویا آئینہ آئینہ اسے
 مسنون کی تمید ہے ۱۴

دہرگ دساز گرد آید بریکہ گرنش کنیم؛ و یابم جز مهر و با قوم جز آرم، و با خلق جز وادند و زین
 بخون گرمی ایس دود گرد لا در و دوشیر مردیم گسترنگامه گرمی پذیرفت. و لڑیں دستکابے
 و شترک سپاہے فراہم آمد. صاحبقران ناز سادگی بلکہ آزادگی دل بازیایں یکے داشت. و
 امیر حسین ہوا رہ و زمین آں بودے کہ انبیا زرا از میاں بردار و ویکتائی علم دارائی انازاد و
 از دیدہ وری بگا لیشیایے آن نرند اندیشہ نارسا سستی پیشہ۔ پے بردے، و از فرزادگی و روانگی
 بچکا و پرونیار و دے۔

ستم بجاں کج اندیش میواں کردن خجل ز راستی خویش میواں کردن
 روزگارے و از تر از رشتہ بطول اہل۔ بالوک طوائف در کجدار و فریز و ستیز و آواز گذشت
 بکشاں چشم براہ و گوش بر آواز داشتند تا اہل اسفندیار نیر و را از کد ام سوچشم زخم سہر۔
 دیشہ امیر حسین کہ جز بریو و غریو و رنگ و نیزنگ کار نمی کرد، و در انبازی و دمسازی۔ نقشہ بازی
 و شنبہ بازی شیدہ داشت۔ نیزنگ سازی اقبال عدو مال صاحبقران کشور شاں را
 ماہم کہ ہم آں گروہ بے شکوہ را سو سو پاسبانک خوردے، و ہم ایں گرد بے دستبرد را
 با بجا دست اندکار رفتے۔ صدرہ اتفاق افتادہ است کہ ایں اتفاق پیشگان خرد دشمن
 خوں گزینہ را از نژاد چغتایاں دست گزینہ ترکمہ گاہ و غانی و مرزبان نشانہ اند؛ و زود نہ
 در پیشہ بر سرش ماندہ اند۔ تنہاے پلستان را مسند و طلع از پنے ہم متیابود، و سوسے
 سر راں را ناز بالش و خشت گور و پس یکہ گزادہ۔

سیر ستارہ در روشن چرخ نیلگون ایما کند ہر آئینہ در غم سب حکیم

امان آن نیم که پسندم طریق و رسم
 ز اختر چه شکوه چون نبود جز خدایم
 نمودن بخیر نمود صفات و شیون حق
 صلح و نبرد و فتح و شکست و امید و بیم
 توجیه منوینست که انصاف درستم
 قشر لیت و خسر و نیست که اطلس و گزیم
 از حق بود افاضه هستی بهر صفت
 جز وایه نبود آنچه بر سائل دهر کریم

همچنین بارها امیر حسین را از در ماندگی و زبونی کار سخت افتاده است، و سلطان سلیم آمد
 انرا اسباب همتا - بر لایه گری و سنجش و بیاری و یاری دل نهاده است. ^{پس چون منتها الکمال} لیکن با س
 نهانی امیر حسین آشکارا بود. همه می دانستند، و خدیو هم و اهل انهم قزاق تری دانست. و در
 و ضمیر حق پذیر آذر هم ناگزیر - می گذشته باشد که گرایست مست مهر خاکی رشت و کردار با س
 که سیده بگذارد، و جهاندار را در کنار اقی و جهانیاں را پس به دراز دستی نیانارد. آن بود
 را فرقه ایزدی کجا که بخشیم و کام نگردد و در او دانش و در او دود و در او دین و دل آید و در او
 و در بر دین و ترکیب، و در گشتن خلق پرور.

تو پارسا طلبی عاشق و من آن ندیم
 کر نئے بملقه آو با شش آشکار کشد
 پایان کار لشکریانش از ناخوشی ستوه آمده آن جوان میر خدا گیر را با هر چهار پیش گرفته آو
 و بخت اندک کار سپه بزند. دارا سیر و آواز سار آهنگ عاجز گشتی نه بود و درون گری پادش
 (یعنی جوش انتقام) نداشت. می خواست بر ناخوشی و بیخوشی و گناهان ناخوشیدن
 بخشیدن. از نهاد اهل بزم خردش برخاست. خاصه شاه محمد مرزبان برخاست، و شش نمود

آن ندیم ناگزیر که در آن اندک در وقت چاره نباشد ۱۱ خدا که یک گنبد خدا که قرار شده باشد ۱۲

بیان سلدوز، و امیر کبیر و کرمیش اسے خود ناسور ہائے کمن دہمتند۔ زخم تیز تر زدن
 و ہذا اسے غوجکھاں خونا پہ نشاں تھاں بر آوردند کہ ماقصاص خونما سے ریختہ می خواہیم
 نہ انتقام فتنہ اسے انگیزد کہ دلی ولایت اک را بکل تواند کرد۔ ناگزیر بدیں گفتار فرجام گردید
 بشیخ حوالہ رفت۔ کارکاگا ہاں و دوش پناہاں خوں ریختن فرمودند، و مسادات و
 کما پگشتن فرمے دادند۔

بنداری چون خوں گرفته اینہا شنیدہ باشد در دل اندیشیدہ باشد کہ خود را بگرختن
 و ہنگامہ پذیر بود۔ سپس دزدانہ گنہامی کہ ہمایہستی ست روزگار بسر برد۔ اندانجا کہ سلاح
 مسلک نہ داشت سراپہ اذ جارت، و از خرگاہ ہر آمدہ بجنگ سیلی دشت را و گریز پیش
 گرفت۔ خوں خواہاں بخوں گرمی دروے آوختند، و خوںش را کہ بدوین گرم شدہ بود
 را گرم ہر زبیں ریختند۔

توای ندیم کہ مانی قازہ روئی خویش	بسزہ کہ سر از طرف جو بار کشد
زید ہر ز گردوں مخور کہ ایں بے ہر	دہر فشار کسے را کہ در کنار کشد
ہر اسے تلخ شمی ہر کہ بود در سر	سرے بدفن شاہان تاجدار کشد

شیر خاں را دل در گروہ و زبان در گاہ بہ لایہ گری و فصول گسری پیام آشتی دریاں
 داشت۔ تا چنان شد کہ هیچ کس را ستیزہ در اندیشہ نگذشت۔ انان گل و لاسے کہ در راہ پوچھا
 در روز و شب از ہر وی رسنے مے از شنواری۔ تیا سودہ بودند، پیادہ آزد وہ پاسے بود،
 یعنی ہر شادی گل و لاسے

بہار
 و بہار
 و بہار

و سوار فرسوده اندام، دستور پشت ریش - فریب رودستی از دشمن خوردگان (یعنی هایول و
 لشکر یانش که فریب از شیر شاه خورده بودند) دست از غارت و تاراج بنیم کشیدند، و دم
 آسایش غنیمت شمردند. پایا به چاده زده و امن آتش شد یعنی پایا امن کشید و بجواب رفتند
 و دیگر پاچوں صورت و بیا به بستر سپید پذیرفت. سر از بالش بر نمی خیزد تا کلاه و مقصر رایج کنند
 و پیران حریر بر تن گران ست تا چلقچه و جوشن کجا بزنند. هوا نمناک بود. و ابر شمعشال،
 تیغ در نیام تنگ بست، و نمد زیر بر بارگی گراں گشت. سپیده دمی که تیگی تار و پود
 جهاں را منور گرفته بود. - ^{پیران تیغ تار و پود} تیغ سازان هنگام چو یکسر و بر غنودگان بنیستند
 شگرت سراسر پیاده آمد و طرفه از آن در لشکر افتاد. کلاه از یک، و پایا دم از آفتاب نشانفتند
 از خست خواب جسته، و بر اسپان بے زیر نشسته، پراگنده هر طرف تا افتند. گرو سه
 هر چه بادا باد گویا سوار خود را بدیدار زدند، و دهن در سه چند ساحل جویاں چشاد دست پا
 زدند. تا گدا ماں یزخم دم تیغ و گدا ماں بختیم جیح رود مرده باشند. و گدا ماں از طوفان ایس
 دو آب زمینی آب تیغ و آب رود جهاں بسلامت برده باشند. شهنشاه و بحر و بر (یعنی هایول و)
 سنگ دشت نور در دیا شگاف (یعنی اسپ) را از فراز ساحل در آب افکند. پاسه از یک
 و منان از دست و اسپ از تخم رال بدر رفت. و شاه سوار سه - که شایاں هنگام سوارگی
 بوسه بر رکابش می زدند - غوطه در آب خورد. نظام نام آزاده از آب کشان لشکر که پنهان
 از خویش اقبال را چشم براه و گوش بر صدا داشت (یعنی بے آگه خبر داشته باشد منتظر
 عروج و اقبال خود بود) و یا خوشی تن در ایس اندیشه که از ساحل چوں گذرد بر ساحل جا داشت.

ہوا خواہانہ ہاں جیتی کہ کوئی گوے دولت بُرو خود رباب و رزو، بارے بدانت آشکارا
پیناں سقائے سخت کوشے بود، و پودالا دیدر معنی آشتایان فرخ سرو شے بود کہ جہانباں
را از گرواب ہر آوہ و در جہانیاں منت نہاد۔

از دستنبو

اگرچہ مرزا کی نشر میں عموماً عربی الفاظ بہت کم آتے ہیں لیکن کتاب دستنبویں جو
عذر کے حالات پر مرزا نے لکھی ہے۔ التزام کیا گیا ہے کہ تمام کتاب میں کوئی عربی لفظ نہ
آنے پالے۔ باوجود اس سخت التزام کے مرزا نے دستنبویں اپنی طرز خاص اور
شاعرانہ ادا اور با کمین کو کیس ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ چنانچہ نمونے کے طور پر دستنبو
کے چند فقرے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں۔

دوہیں روزگار کہ ہر مزمرہ را بجنار و ہر مہم را ز قمار، و ہر کجا پایا ہے بود از سپہدار،
سخن پیوندی بگذارد و گوے کہ خود روز و روزگار برگشت۔ اختر شناسان سپہر چمکے یعنی
سجماں برآمد کہ درں روزگار کہ بزم تازہ و جود شہریار پارس از ترکنا زمانیاں راہل
عرب ہم خورد۔ کیواں زمل و بہرام (دقیق) از خرچنگ (بیج سرطان) انمن آراے
دہن آرماسے بودند اینک ہاں پایہ (وجہ) سینو ہم از خرچنگ چخماں ہم پیوستن گاہ (جائے)
آمران بہرام و کیواں ست؛ وایں شورش و پر خاش و جنگ، و خوار و خو خوار و دیگر
و دیگر، تا یہ (غور) آنت۔

داناہیں گفتار کے گروڈ؟ آں تاہن لشکرے دیگر بود از کشورے دیگر؛ وایں گشتن

شکرست از خداوندان شکر، چنانکه از داستان داستان پارسایان پارس بهم نداشتن
(عدم مشابہت) این دو ستیز و آویر جویدائی دارد. در آن بامکه سخن در کیش بود - ایرانیان
بفرقه و فرہنگ کیش نو (یعنی اسلام) فرجام آبادی، و از بنید آذربندگی (آتش پرستی) آزادی
یافت. در این بار کہ گفتار و رایش است - ہندیان چشمداشت گد ام آیین تانہ شادمان
باشند؛ پارسایان مرغ از آتش یافتند، دیوسے خدا راہ یافتند. ہندیان واسن دادگران
(یعنی اہل فرنگ) از دست دادند، و شپکنچہ دام ہمہی دواں (دورنگان) افتادند. یعنی یعنی
کہ از دامن تا دام و از دوا دوا دوا چہ مایہ دوری است؛ دادا گشت کہ آرا مش (راحت) جزور
آیین اگر نیز چشم داشتن کوری است. زخم تازیانہ تازیان از خوبی اک کیش فتح (اسلام)
مرہے داشت؛ روزگار در فور و ایس خستگی (یعنی غدر) خستگی اگر میداشت، باراند و از دوش
ولہاسے تازند (پریشان و تباہ) بریدہ اشت. اگر در اندیشہ مرز داناں بہ ہر دانش بردار
از پس پیش آمدے (دیویدی) هست بہن نشان دہند، و بردل اندو گین ہمایاک
سپاس نہند. جمانیاں با جانانہاں ستیزند، و لشکریاں خون شکر آریاں ریزند، و آگاہ
شادی و رزند، و بر خوشیتن غلہ رزند. ہاں اسے دانندگان فرزند بود (حکمت الہی) شایگان
دیوان و سودا ایس ہنگامہ بہ آتش خشم خداوند گرم است؛ ورنہ کارزار پارس انچہیں امید سود
و آرزو گداز نہ بود.

کیمیائے معنوی
بیاضاں در
دلی

در زیر (ز زلزله) نے روده دریاں روز جہاں سوز بخت برگشتہ و سرگشتہ چند از سپاہ
 کینہ خواہ میرٹ بشہر درآمدند؛ ہمہ ایے آندم و شور انگیز، و بخداوند گشتی تشہ خون انگریزیدہ بان
 دروازہ اسے شہر کہ بڑوں (علاوہ) اندر گوی ہری و ہم پیشگی تشگفت (عجب نیست) کہ ہم پیش
 ہم سو گند نیز باشند ہم پاس نمک و ہم پاس شہر گزاشتند، و مہمانانِ ما خواندہ یا خواندہ را گرامی
 داشتند۔ آن سواران سرگراں بک چکو (بک غناں) و پیادگانِ تند خوئے نیز دو چوں
 در بازار و در ہاں را میہماں نواز یافتند و دیوانہ دار ہر سو متافتند، و ہر کرا از فرماندہاں، و
 ہر کجا آراشگاہ آں ہماں، یافتند تا از گشتند و پاک نہ سوختند، و سوز از آں سوی بر تافتند
 شستہ گدایان گوشہ گیر، و بخشش انگریزی توشتہ گیر کہ ماں با ترقہ و دودن می خوردند، و دہر
 دور از یکدگر پراگندہ جایا روزگار بسر می بر تاند (یعنی رعایاے شہر ہمہ تیر از تیر باشند گداں)
 و از فوغاے دزد و تیر و شب ہر اسند گان، نہ پلار کے در دست، و نہ خدنگے در شست؛
 اگر راست پڑسی ایں مردم ہر آبادی کو سے دہزن اند، نہ براسے آئکہ بہ آہنگ پیکار
 و اسن بہ کمر زند؛ با اینہ از آں نہ کہ راہ آب تیز زو بہ خاشاک نتواں بست، دست از
 چارہ کوتاہ دیدہ ہر کیے در سراے خویش با تم نشست۔ یکے از آں ماتم ز دگاں منم کہ در
 خانہ خویش بودم؛ چوں غریب و فوغا شنودم تا از تیر و ہوش دم زدم، در آں مایہ دزنگ کہ ترقہ
 بر ہم زدم، آواز دہنوں غلطیدن صاحب اجنٹ بہادر و قلعہ دار و رازگ، (قلعہ) و دہرین
 سواران و پیاپے رسیدن پیادگان در راستہ بازار از ہر گوشہ و کنار، بلند گشت۔ بیچ نشست
 خاکے نماد کہ از خون گل اندامان ارغواں زار شد، و بیچ گنج باغے بنود کہ از بے برگی مانا بنر شد

نوبہار نشہ۔ ہاے اہل جہانداران داد آموز دانش اندوز نکو خوسے نکونام، واکہ از اہل
خاتونان پری چہرہ نازک اندام، با رخی چوں ماہ و تنے چوں سیم خام؛ و در بیغ آن کردگان
جہاں نادیدہ۔ کرد ز شگفتہ روئی بر لالہ و گل می خندیدند، و در خوشترامی بر یک یک و تندر و آہو
مے گرفتند کہ ہمہ یک بار بگرداب خوں فرو رفتند۔ اگر مرگ بر بالین این کشتگان بویہ (بگریہ)
خروشد، و دریں سوگ سیاہ پوشد، روستا؛ و اگر سپہر خاک گردد و فردریزد، دزین سر اسیم
چوں گرد از جابر خیزد بجاست۔

اے نوبہار چوں تن میل بخوں بخلط اے روزگار چوں شب بے مادہ مارشو

اے آفتاب روے بیلی کو دکن اے ماہتاب داغ دل روزگار شو

بارے چوں آن روز تیرہ بنام رسید، و گیتی تاریکتر گردید، سیدہ در زمان خیر و کوشش
(بجبرگی گشتہ) ہم در شہر جابجا رخت تن آسانی انداختند، و ہم در آنگ باغ خسروی را آخر
اسپاں و تیشین شاہی را خواجگاہ خویش ساختند۔ رفتہ رفتہ از شہر ہاے دور دست آگئی
رسید کہ شوریدگان ہر سپاہ، و ہر فرد آمدن گاہ، (مترل) خون سپہداں ریختہ اند۔
گردا گردہ مردم را از سپاہی و کشتادہ زردل کیے گشت، و ہمہ بے کمک ہم سخن برود۔ و در نزدیک
کیدہ ست بریک کار کمر بستند؛ و آنجا چہاں پر زور کمرے و چگونہ استوار تیشینی کہ جز بہ جنبش
جویش خستہ کہ انکہ گرفتہ دگشاوند پذیرد پنداری این لشکر ہاے بے مژدہ بگویان بشمار
از باروب و بار کمر نیکیست۔ اے رفت و روب ہند بوم ہداں ساں کہ آراش و
آبشارش اگر جویند با خانہ پر کاہے گاہے نیانند ہمیں جا روب گیتی آشوب می خواست۔

ایک ہزار شکر نگری ہم بے شکر آرا سے آرہے تھے، و بسا پاہ مینی کیسہ بے سپہدار
 بھنگ برخاستہ توپ و گلولہ و ساچمہ (چھڑا) و بارود ہم از خانہ انگریز آوروہ، و با گنبدہ دارا
 روئے بتیز آوروہ، آئین نیرو و ورزش پیکار ہمہ از انگریز آسوختہ، و رخ بکین آموز گاراں
 افزوختہ، دل ست سنگ و آہن نیست چراغ نور و چشم ست رخسہ و رذن نیست چوں نگریہ
 آوے ہم باغ مرگ فرامہاں بایہ سوختہ، و ہم برویرانی ہندوستان بایہ گریست شہر اسے
 بے شہر بایہ پناز بندہ اسے بے خداوند، چنانکہ باغ اسے بے باغبان پناز و زنتان باروند
 رہزن از گیر و دار آزاد و بازارگاں اوتھنا، خانہ دایرانہ و دکلیدہ (دوکانہا) خوانینما۔

از دیباچہ ثنائی در فاش کاویانی

غالب خاکسار ہرزہ کار را از آسمان بزمیں فرستادند و فرماں دادند کہ دریں بیشہ بیشہ کشاوری
 (کاشتکاری) و در زراویں فرازاں (فرماں) را با زماں (توقفت) نہ پسند و ناگزیری بایست
 (مزدورتما) کہ بستان و زمین خستن، کا و راندن و دوانہ افشانن، ناواں (کشاد و زنی نکرد بلکہ)
 بہوس و زمیں غزل جاں کند، و از ایں گہرا کہ باغوش آورده بود نیمہ در ایں زمیں پر گندہ
 بہانا (گوہا) از ہر دہانہ کاشت ہزار دانہ چشم داشت، از مردارید کہ در خاک نماں کشتہ شنیدہ
 کہ ریشہ سریزندہ کاش جو کاشتے تاسود برداشتے، دانست کہ ہمہ را خاک خورد؛ (یعنی تلف
 شد ناچار) نیمہ دیگر را پیش شاہان روزگار برد و دیدند و پسندیدند و نخریدند شبے با کیے از
 راز داناں پر و ہوش (در پیش) رفت کہ در میدان من بخل نیست؛ ابر بر باغ و دروغ و سخن بدین
 یکساں بار برد چہراست؛ کہ مردم چہرے ناوار داندے (چندے) تو نگزند گفت راست گشتی؛

توقع سرفروشت ہائیکے ست :- (یعنی یکساںست) جدا شناس (ماہ الا تیان اگر بہت بڑاں
 نیست کہ کار و بار گروہے از ہر یک بر یک ورق ، و سوز و ساز بجز گپہ در گروہے) انہر کس بر یک
 صفحہ نوشتہ اند۔ آتاں وزق از دفتر با خمش اور دند و برات روزی (انہر در کہ مقتدر بود بفرزند
 ایناں۔ ازاں رو کہ انفکاک صفحہ از ورق صورت نہ بست۔ تمید ست آمدند، و تہی کیسہ بستند
 گفتیم از مصیبت کہ در چار سو سے دہر ع

بخت ملکہ نہد ح و قبولی غولم نیست

گفت آپ از نیست کہ برات دجیحی یا پکت، نیاور وہ دایں از انست کہ سخناے بلند داری
 و بہ ناشناس زباں (یعنی اجنبی زباں) حرف می زنی۔ گفتیم چہ کہ تم تا از اند وہ باز ہم ؟ گفت شکب
 وزر، و نول گری؛ و آنچه از شیخ علی حزیں شنیدہ می گوئے

کس زبان مرا سے فصد بہ غزیاں چہ اتما سے کنم

نشاں دادن اعلا طیر بر ان قاطع پاس می خواست نہ ستیز؛ و قلم و سہد کس نمائندہ باشد کہ مرا
 بیس نیکی نہ خوانند و باشد کیسے خبر آورد کہ سن قاطع قاطع بر مانم؛ و گرسے افکار آورد کہ سن مخبر قاتم
 کیست تا از سن بیاں جوا نمرداں گوید کہ از دورین و سوختن کاغذ جز فغان و دغاں چہ خیر ؟
 بزد مند (گناہگار) شتم؛ اگر در آتش فگندند و نہ تیغ دو نیم زند بہر دو گزند و خوردنم (یعنی لایق
 ہستم) و بہر دوسرا سزاوار

سخن دان را ہستی جو سے را بایستہ آن کہ از ہر کتاب فرہنگ عبارت بلع آن را بیاں گاوین

چہ کہ کتاب بلع ہواں کے ہاں لکھی گئی ہیں انیس سے ایک کا نام قاطع قاطع اور ایک کا مخوق قاطع لکھا گیا تھا

بگر دکا زبیس تیزی در جو هر لفظ فرو روزه تا چو تکی پیوند افراط که انگیزش گاه معنی ست آشکار
 شود. هرگاه آن را بهنجای اہل زباں نہ بیند۔ دانکہ در سو دے زبا نہانی چیزیاں نہ بیند۔
 وگراں دانند و کارا ناں؛ مرا تیز خروے و روانے وادواند۔ فرزانہ آورد و پیش آورد و انتر شد
 بیگانگان را چون پذیریم؛ وادیز دے خود خدا واد کار چرا نگیم؛ ہستی بخش را پاس کہ نیز در
 دانش من دانستہ کسے ست کہ اگر چنانکہ راز داں بود۔ راز گوے تیز بودے ششیش ساسان
 بشمار آمدے۔

ز غیثاں بہ بیگانگی شادانم	ناتم کبکس چوں کبکس مے نام
غوبم دے روشناس غریزاں	چنار سرافراز در بوستانم
گرفتم کہ از تخم افزایام	گرفتم کہ از نسل سلجوقیام
دل و دست تیغ آزمائی ندارم	رہ در سہ کشور کشائی ندارم
بیدان معنی حسد او نہ زختم	بعضا رہ سلو زباں۔ پہلو نام
دو سی سال توفیق معنی نوشتم	سز در گویند صاحب ترا نام

قاطع بر ماں کہ صنعت نقشید خیال من ست، نہ نامہ اعمال من ست کہ در ماں جہاں
 بن خواہند سپرد۔ ہر یس جہاں خواہانند۔ در دل فردا آمد کہ بقائے چند کلامے چند بغیر ایم
 وایں مجموعہ را کہ قاطع بر ماں نام نہادہ ام۔ سپس درفش کاویانی خطاب دہم۔

۱۲ * ساسان ہر یس بن مقتدر بود کہ در شاهی بیات و تخیل مکت و بیانت یرادہ و کس
 اما داند و نے نیز بر قیو نے بودہ انداں ہر یس را ساسان اول و دوم و سوم و چہم نامیدہ اند من بعد من از سرور ویرہ ساسان نیم جہان آمدہ کہ
 در سائر ادرانت نژادہ ساسان در ستر ہو کہ ۱۲

لازم بخوام کلک طرز خوش نامست ز تیزی برم تیغ دش
 چون اسم کتاب قاطع بران بود گردید درفش کاویانی غلش
 ماساکہ دہیج محل از عتیدہ خویش رجوع کردہ باشم۔ سرودن سخناے ریزہ (متفرقہ)
 جزا فرودن ہوش انگیزد راسب و باعث نذر دیار راں جفا کنند، من بہ ایزاے ہر جفا
 (بہوض ہر جفا) وفادارم۔ ہمانانکونی وہی یار راں خواہم دہم۔ بند نہند، پند دہم۔ دلدورین
 دارند۔ اندر زورین نذر ام۔ سنگ زتہ، ثمر بارم۔

از قسریات و دیباچہ ہاے

مرزا نے جو قریطیں اور دیباچے اپنی اور اپنے دوستوں کی کتابوں پر نشر کیے ہیں
 ان میں جیسا کہ اوپر بیاں کیا گیا شاعری کا عنصر نظم سے بڑا غالب تر پایا جاتا ہے۔ وہ ہر ایک
 معمولی بات کو تخیل اور استعارے کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں، فقروں اور آئکے اجزائیں
 عموماً ایک خاص قسم کا وزن اور قول اور اکثر صبح کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں، اکثر جگہ صفت
 متوالیہ و متابعد ایراد کرتے ہیں اور صفات مرکبہ جو قلم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اکثر
 استعمال کرتے ہیں۔ پس سوا اسکے کہ یہ نشریں شعر کے اوزان مخصوص سے جنگو اسکی ماہیت
 میں کچھ دخل نہیں۔ مگر ایک اعتبار سے ان پر شعر کی پوری پوری تعریف ملتی آتی ہے
 چونکہ یہ نشریں مرزا نے خاص کر اپنے عالی دماغ اور مکتمل سن معاصرین کی ضیافت طبع
 کے لئے لکھی ہیں اور ان میں اپنی نوائیں طرازی اور نادرہ سنجی کا۔ جیسا کہ چاہیے۔ حق

اوداکیا ہے اس لئے حب تک کہ انکے ایک ایک فقرے کی شرح نہ کی جائے عام ناظرین
 ان سے کچھ لطف نہیں اٹھا سکتے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ کتاب کا حجم زیادہ بڑھ جائیگا
 جسکی وجہ سے کتاب کا مطالعہ ناظرین پر شاق گزریگا لہذا ان نثریوں میں سے صرف اس قدر
 انتخاب کیا جائیگا جس سے مرزا کی ان جزیل اور گراناہ نثریوں کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔
 اس غرض کے لئے ہم اول بطور مثال کے مختلف مقامات سے مختلف مضامین کے
 کچھ فقرے لکھ کر دکھاتے ہیں کہ مرزا کس طرح معمولی باتوں کو تشیل اور استعارے کا لباس
 پہنا کر نیند منقر پر جلوہ گر کرتے ہیں۔ مثلاً کتاب بیچ آہنگ کا دوسرا آہنگ جو مرزا نے
 اپنے نسبیتی بھائی علی بخش خاں کی خاطر سے لکھا ہے اور جس میں اپنی طبیعت کے آفتناک
 عنایت رباں فارسی کے متعلق کچھ ابتدائی قواعد اور ہدایتیں ظہیر لکھی ہیں۔ اس کے اول
 میں ایک تشبیہ لکھی ہے جس میں طرح طرح سے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس پھیکے سینے میں معنوں پر کچھ
 امیری طبیعت کے بالکل فلاف ہے۔

دہاں ایک جگہ معنوں نہ کور کی نسبت لکھتے ہیں ”زینے شور کہ چون ذوق سے در
 سب زانہ بیچ گلبن را در انجا ریشہ در خاک نہ دود و خاک کے نام استوار کہ ہر دیوار کہ دریاں
 ریتاں بر کشند پیش از سایہ خود بجا افتد“

فارسی دیوان کے دیباچے میں ایک جگہ اس مطلب کو کہ دیوان نہ کور اور اس کے
 ذہن افکار میں اور در اور تشبیہ یا کسی استاد کی بلا واسطہ تعلیم اور ہدایت کو مطلق دخل نہیں
 بل طرح ادا کرتے ہیں ”ہنایمزد دینی خیمہ بدور تختیں نقابے ست از روے شاہ“

ہر ہنٹ کردہ یعنی بھیش نسیم برافقادہ؛ یعنی تنگ کشاکش دست ناکشیدہ۔ اذ پس چہ
از گرمی چراغان نیم سوختہ پہلو رخ یا فروختن دادہ؛ یعنی داغ شستہ خس نادیدہ۔

ایک جگہ اس مطلب کو کہ خدا تعالیٰ نے مجھے جیسا داغ منی خیزو یا تھا ویسا ہی منی کی
قدر و قیمت پہچاننے اور اس کے بیان کرنے کا ملکہ بھی عنایت کیا۔ اس طرح بیان کرتے ہیں
”و سخن آفرین خدا کے گیتی ہمارے راستایم کہ تا نہا نتخا نہ ضمیرم را از خود اونی زگار رنگ منی
پہل و گہر نباشت، باز ویم را از دوی مر جاں سخی و خامہ ام را ہنگامہ گہر باشی از زانی وشت۔
اب ہم کچھ کچھ عبارتیں دیباچوں اور تقریظوں سے انتخاب کر کے یہاں تا فرین آئیں گے ہیں
دیوان فارسی کے دیباچے میں ایک جگہ اس مطلب کو کہ لوگ مجھے اکتسابی علوم سے

بے برد سمجھ کر میرے حسن بیان پر تعجب اور میرے کمال سے انکار کرتے ہیں۔ اس طرح بیان
کرتے ہیں ”لا سے تم بخا نہ سردی نسبت ناچشید گاں۔ سگا لند کہ بچہ دانے را این مایہ سیرانی
نطق از کجاست؛ غافل کہ ہم رنجہ یک فیض ست کہ سبز واد میدن، و نہال را مگر کشیدن
و میدہ را رسیدن، و لب را ز فرمہ آفرین آموخت۔ و بہر تو متاب ازلی ہدایت تبگیر نکر و گاں
از نشید کہ تیرہ سرانجامے را این ہمہ رشتائی گفتار چراست؛ بے خبر کہ فرہ تابش یک نور ست
کہ شمع را بہ شعلہ، و قدح را بہ ابد، و گل را بہ رنگ، و دروں را بہ سخن برافروخت۔“

واعظم از کو تہ نظر اس تنگ چشم کہ میدن تانہ گل از گیاه، و درخشیدن برق بشہائے سیاہ
شگفت نہ از نہ و خیمیدن زبانہا کے گویا بہ سخن ہا سے نفوذ شوہار انگارہ غمچہ مشکبیس نفس ست
و باد غالیہ سا سے، و گل کشادہ رو سے، و بلبل نوا سنج؛ و باں چہ گنہ کردہ است کہ سخن ہر سے

ایک جگہ اس
مطلب کو کہ
خدا تعالیٰ نے
مجھے جیسا
داغ منی
خیزو یا تھا
ویسا ہی منی
کی قدر و
قیمت پہچاننے
اور اس کے
بیان کرنے
کا ملکہ بھی
عنایت کیا۔

جانشند۔ مہر طرہ بر تابد، و ذرہ بیتیابی، و بحر روانی، و قطره آتلم، دل را کہ گفته است کہ از شورش
ستود آید، ہانا برانست، ایں گروہ یادہ در مخانہ تنوفت ہاں قدر بود کہ حرفاں گذشتہ را تو مانع
ساختہ، حالیا باطن ہم سخن بر چیدہ، و جام و سبور سر ہم شکستہ، و از اں قلزم قلزم را تو بخنے
بر چاہے نمائندہ، اپندارند، کاش با بخنے۔ کہ من در فردوس رزہ (یعنی صفت پائیں) بہ حلقہ
ارباش قدح می گیرم۔ قرار سند، تا وار سند کہے فراد است، و ساقی بے دریغ بخش، پیادہ
بزرگدیزست، رہبما العطش گوسے۔ و شد و رمن قال۔

ہنوز ناں ابر رحمت در نشان است نے در مخانہ با مہر نشان است

اے صبا کے سخن پر روزگار میں او گنگلی شد و پُر زور است؛ و شب اندیشہ را بہ قدر رسیدن
سپیدہ سحری برات فرادانی نور است۔ ہر آئندہ رفقاں سرخوش غنودہ اغز دین خراستہم؛
پیشینیاں چراغماں بودہ اند، دمن آفتابستم۔

اسکے بعد ایک جگہ اپنے تمام مخدومباہات پر افسوس کر کے اس طرح لکھتے ہیں۔ و انعام
بالے طاعت است۔ و رہوائے کہ بال بال اخوانی (یعنی خود ستائی) زدہ ام، و در آؤ آئے
از خود را بہ شکر فی ستودہ ام، نیمہ از اں شاہ بازیست؛ یعنی ہوا پرستی۔ و نیمہ دیگر تو انگریزائی
یعنی باد خوانی۔ بیداد میں کہ ہر جا بشانہ تھے از زلف مرغزار میواں کشودہ شود۔ بلا دین کی ویزو
اول یہ پیکار آں تنگ بندے، و خواری نگر کہ ہر گاہ از خود غافل و از خدا فارغے براز گاہ
سروزی کی کشیند۔ ہوس مرار انگیزد، تا یہ پیشیش بندہ وار است، استغی۔ شادام آراؤ کی کسبا
من بہنجا رشت باز اں گزاردہم، و دو انم از آرمندی کہ ورتے چند کبود دیر دنیا علیاں و مرجع

اہل جاہ سیاہ کر دتھم۔ دینا کہ عمر بیک سیر تھے بہ چاہہ و چنگ سر آمد؛ و پارہ بدر رخ و در رخ رفت
فرجام گراں خوابی بر نخواست؛ و آشوب ہو سنا کی فرو نہ نشست۔

تاتہ دیوان فارسی میں اس بات کا اندر کہ دیوان کی تکمیل میں کیوں اس قدر
لگی کہ اتنا بیس برس کی عمر میں اس کے چھپوانے کی نوبت پہنچی۔ اس طرح کرتے ہیں کہ فکر
نہایت خود سر اور بلند پرواز تھی اسکی روک تمام میں بہت سا زمانہ گزر گیا۔ اور اس مطلب کو
اپنے طرز خاص میں یوں ادا کرتے ہیں۔

”ہاں وہاں رشتے بہاں تو سنی کہ عنان شمس سے بڑھتے، دواز
ششموی (سرکشی) گام بہ رازی تنہا دہ جز بہ پناہ نشانتے۔ از تر سندہ دلی عنان شمس کشیدہ،
و بہ لایہ آواز بوسہ اش آر میدہ داشتے۔ چوں پارہ از راہ بدیں گو نہ کہ بر شمر دم۔ بربہ شدہ
ور در بند گشت؛ ہم جوش تندہی تو سن فرو نشست، دہم دست و پاسے سوار از عنان و رکاب
خشی بند پر آمد تا باب ہر نیر وز۔ مغرور سر سوار گداخت، و قشگی ریگ بیاباں نعل و در پاسے
تکا و زخم کرد۔ رانیض را دم و کڑہ را قدم بگداز آمد ہم آں بہ آخر گرایندہ دہم آں را بہ بستر
نیاز آمد۔ توانائی بہ چارہ سگائی تو سنی سر آمد؛ و در ہنگام گستہ دی خشی رو سے آورو۔
+++++ کیست تا از من پرسد؛ و اگر نا پر سیدہ گویم در دلش فرو آید کہ دریں ہی سال
بہت را با فطرت چہ آویش (یعنی جنگ) رو سے داوہ؛ و پس از انکہ کار بہاں جا رسیدہ
کہ ہر گز از کوغلی فرو مانند۔ بیابانی گری تو فین بکدام قرار داشتی اتفاق افتادہ۔ خامہ پذیرش
بود، و شوق زود گرا سے؛ (جلد باز) گفتار از نسیب دور یاش اندیشہ بر راز نامے فاصلہ

افانہ
دیوان
فارسی

دل و زبان خوں شد؛ و اگر نگاہ از دل برباں رسید۔ والا سچی بہت آں را بنامہ سپرد۔ چند
 نفس (طبیعت) کہ ز دانی سر دوش ست در سر آغاز تیز گزیدہ گوے و پسندیدہ جوے بود۔
 آہ پشیر از فراخ روی (یعنی مہیب آزادہ روی) آپے یادہ نشاں ساں برداشتے؛ و کثرتی
 ز تار آں را قشرش ستانہ انکاشتے۔ تا ہماراں نگاہ پویش خراماں را بختگی از زمین مقدمی
 در دنیاقت ہمارا ہی خویش کہ درین یافتند۔ سز بنبید، و دل از آرزوم (مرگوت) بہ ورد
 آمد۔ اندوہ آوار گہما سے من خوردند، و آموزگار از زمین گرسندہ شیخ علی خرم بجنندہ
 زیر لبی براہم رویا سے مراد نظم جلوہ گرافت؛ و ز ہنگاہ طالب آملی و برق چشم
 عرفی شیرازی مادہ آں ہرزہ خویش اسے نار دادر پاسے پیاسے من بسوخت۔ ظہوری
 بسر گمی گیرائی نفس (تاثیر کلام) حرزے بازو و توشہ بکریست؛ و نظیری لا ابالی خرام
 بہ ہمارا فاقہ خودم بچالش (در مقام آورد)

دیوان تفسیر کے دیباچے کی تمید میں صنعت و امخطاط قوی اور اپنے قلب باہیت کو
 مطلع بیان کرتے ہیں۔ "ہاں اسے غالب تیر و نور و نرم اختر کہ برین مہتی و کسالی (تفہیم)
 کہ تراست۔ ہاں مانی کہ دانی در عالم فرض محال پسند سے دیدہ ایم بر آتش آرمیدہ۔ اللہ اللہ
 یہ دیکھ جو ش سودا ست (یعنی غلبہ مادہ سودا) کہ ہر نفسے کہے کشی۔ چوں خطے کہ از قسط بر آرد زب
 ہر سودا ست۔ آں تیر و اندیشہ۔ کہ از روانی خامہ در روانی گفتار آب و ہوا داشت ہوئے
 ش را ز روی پزشتار بود۔ و چائنگش را نیم سحری پیکار۔ ہیں ناخوشی و ترغیبی ہاں
 است۔ میزد را چہ اتنا و کہ چمیدن دل از دست تماشا ییاں تیر و ناخوشی را چہ رود سے

داو کہ بہ دیدن پردهٔ شکیب قناریاں نہ ورزد۔

اُس اثر پردهٔ سازت چه شد زمرۂ خارہ گدازت چه شد

اُس زنجوں پردهٔ کشائیت کو دلولۂ سلسلۂ خائیت کو

اُس نقشِ نالۂ کندت کجاست واں نگۂ جلوۂ پسندت کجاست

گفتی دینی در جوابِ گفتہ کہ سوزِ غم دو دوازدل بر آورد، و گدازِ نفس آذر در زبان زد۔

بالے کہ ہر آئینۂ نگۂ اخت، و باز بانے کہ ہانا سوخت، غدرِ غمِ دگی سموع نیست۔ بیا آئیں

دلِ بزمِ ہرۂ الخد ز نو اسے را سخنِ نیم، و ہمیں زبانِ کنزِ نعمتِ ایں المفسر اسے را گفتارِ آرم

(یعنی طوعاً و کرہاً تقریظِ دیوانِ تفسیرِ بزرگواریم)

زمین جو سے در بندِ نکو رستین جگر خوردن و تازۂ زود رستین

سمن چیدن و در رہ انداختن دل افشردن و در چہ انداختن

(مراد از سمن چیدن و در رہ انداختن آنکہ برہنگناں اظہارِ خوشحالی می کنند و اندوہ درونی را

کہ دل افشردن عبارت از اسست در چاہ می اندازم تا بر یکپس نظر نہ شود)

رواں کردن از چشمِ ہموارِ دھول پشورِ پیشستن ز رخسارِ خول

شگفتن ز دانے کہ بر دل بود متفتن شمر اسے کہ در دل بود

سایشِ سخن چشمِ بدو ز خلمدۂ سخن را شرابے ست پُر زور کہ زمیں از اس بر لاسے

(یعنی ببردے) و سپہراں بیوے آنچناں برقص آید کہ اگر کعبہ را حجر الاسود از دیوارِ شتری

را علامہ از فرقِ فردا فقہ شگفت نماید۔

از تفسیرِ دیوانِ بزرگواریم

انتخاب از مکاتبات

مرزا کی شرفاری کا سب سے بڑا حصہ ان کے مکاتبات و مراسلات میں جن میں سے اکثر بہت صاف اور سلیس ہیں اسی لئے ہم اس حصے میں سے بہ نسبت اور نثر کے کسی قدر زیادہ انتخاب کرینگے اور جہاں تک ہو سکیگا مشکل فقروں اور دقیق عبارات کے نقل کرنے سے احتراز کیا جائیگا۔ اور نیز جو امور مرزا کے خاکی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بھی چھوڑ دیا جائیگا۔

مرزا علی بخش خاں فیروز پور جبر کے میں ہیں؛ نواب احمد بخش خاں کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کی جگہ شمس الدین خاں مسند نشین ہوئے ہیں۔ مرزا نے علی بخش خاں کو کھینچ کر خط لکھا ہے انہیں لکھتے ہیں۔

”میر فضل ہوئے خاں، نام یارے دہتم؛ اور نا گرفت زانگاہ و در عرض راہ بہ مرشد بادشاہ
در نور و گنگوہے و پس وجوہے کہ رفت۔ از جام گدازشتن دینی از مردون، فخر الدولہ بہادر
اسن خبر داد؛ و باز بہ حکمت مرزا افضل بگید و دیگر اس برگشتند۔ آو خ؛ کہ چرخ روشن این دوش
روا و شہستان آند و ہایت و توار شد۔ از جانب شما اندیشناکم؛ و داکم کہ انچہ شمارا پیش آید و لخواہ
بناشد؛ انکاس را در بازار خواہ بود؛ و فرمایاں را اگر می ہنگار نہ دوا کہ انچہ از ہم پیش
ہو جائد و چند گردانید۔ دولت۔ و سے گردانید؛ و آسودگی برخیزد۔ زمینار ہوشندی را کار یابست؛
راہہ مخزن گراں پایہ بود“

ایک اور خط کو جو علی بخش خاں کے نام لکھا ہے اسطرح شروع کرتے ہیں ”و جان بہادر!

سخن را از فردائی بر روی ہم افتادن است؛ و گره در گره گردیدن. وین آں می خواهم کہ اندک گویم، و سود بسیار دهد، و شغوت زده آں را زود در یابد. و این مسیح (قصیدہ) روائی پذیر نیست مگر آنکہ گویندہ در آں کو تش کو نشستن از گفتن آں مایہ دور زد و کہ سر این ہر دو رشتہ با ہمدگر انتراں یافتہ و نقش یکے در آیندہ دیگرے نتواں یافت. زمانے گوش بن داریہ و فراسید کہ چہ می گویم، و ازین گفتن چہ می خواهم، و شمارا در بر آریں چہ می باید کرد، و اندازہ کن بایست تا کجا است، اسکے بعد کچھ خانگی معاملات تحریر کئے ہیں۔

میرا عظم علی اکبر آبادی مدرس مدرسہ اکبر آباد جو میرزا کے ہوطن ہیں اور انھوں نے میں برس کے بعد مرزا کو خط لکھا ہے اور خط نہ پہنچنے کی شکایت کی ہے اُنکے خط کا جو اس طرح لکھتے ہیں۔

امروز شربۂ بد اعسم زدہ اند نشتر بہر گ صبر و فراغ غم زدہ اند
از کثرت شربۂ عطش منزعش است تا عطش چہ فتنہ برد اعسم زدہ اند
جنبش خامہ عیسوی ہنگامہ مطلع مکرم مخدوم اعظم را نام کہ بہا حیا سے ہوں سے فرو
ساخت خاطر را عرصہ محشر ساخت، و بازار رستخیز گرم کرد، خار خار دیریں آرد و با سراز
داں پر آورد؛ بیا د آمد کہ مرا ہم در گیتی وطنے، و از مہربانان انجمنے بودہ است۔ چون نشتر
بمقبرانہ پیشہ فرو بردہ اند یعنی احوال پر سیدہ اند) خوشحالی نواہا تا شاگردی است۔ و رازی
زمان فراق۔ کہ گمان مخدوم شاد زودہ سال است و بدانت نامہ نگار کم از ست سال است
ترتیز کرکے بودہ است کہ نقش آسایش از صفحہ خاطر دہاں سترہ اند۔ آغاز و زود بہ دہلی

کہ در باد غصے بر قدح و آتم (یعنی تپتہ ہوا) دہوس در سر بود (یعنی از عمر پیچیدن) باد کاثرانی
 ہوس گذشت، و بے راہ فرامیدہ شد تا سرازمستی بگردید (یعنی بدستی سے سر بچ گیا) و
 اندراں بخودی پاسے مصیبت پیابہ گوے فرد رفت (گڑھے میں اتر گیا یعنی ایک ایسا صدمہ
 پہنچا کہ نشتہ ہرن ہو گئے) لاجرم در ہم شکستہ سراپاے او گردانید وہ سرد روئے بر خاستم۔
 ہنگامہ دیوانگی برادر یک طرف، و عوفائے دام خواہاں یک سو؛ آشوبے پدید آمد کفلس
 راہ لب، و نگاہ رزد نہ چشم، فراسوش کرد؛ گیتی بدیں روشنی روشن در نظیرہ و مار شد۔
 ابے از سخن دختہ، و خشنے از خویش فرو بستہ۔ جہاں جہاں شکستگی و عالم عالم فتنی، با خود
 گرفتہ، و از میدان روزگار نالاں، و سینہ برو ہم تیغ مالاں، بجگتہ رسیدم۔ فرامہاں سر زہری
 و کوچک دلی (یعنی مہربانی و شفقت) کردہ، و دل را تیر بخنجا تیرہ اں ہمہ بختنایش کہ شاہدہ
 رفت۔ امید کشایش آورد؛ و ذوق آوردگی و ہوا سے یہاں مرگی کہ مزاد دہلی بد آوردہ
 بود۔ بدل نہ اند۔ و ہوس آبتکدہ ہاے یزد و دنیا ناسے شیرازہ کردل را بسوے خود کشیدہ
 و مرا بہ پارس می خواندہ از تعمیر برخست۔ (یعنی ہشاہدہ شہر مملکتہ جلیہو سہا از خاطر بد رفت)
 دو سال در ان بقعہ آباد بودم؛ چوں گور ز جنل آہنگ ہندوستان کرد پشاپیش دیدم،
 و بہلی رسیدم۔ روزگار برگشت، و کار ساختہ شدہ۔ صورت تباہی گرفت۔ اکنون ششیش
 سال است کہ فاناں بہاد داندہ، و دل بر مرگ ناگاہ نہادہ، بکعبہ نقشہ ام؛ و در آمیزش بر
 بیگانہ و آشنا بہ۔

”من اگر اینہر پنج داندہ کہ پارہ ازاں باز گنتم۔ در نگارش نامہ و سپارش نامہ کابل قلم

دو کو تادم باشم، بزرگای وطن را بیا دنیا روم، در عالم انصاف بزدن نیستیم. اما اگر نایکایان
 جہاں مہر و وفا کہ از دور افتادگان پیرسند و از مرگ و حیات دوستان باز بخوبید، اگر گفتگوی
 آید، و سمنہ شکوہ عثمان بر عثمان (یعنی بمقابلہ یکدیگر) تاز و گوے دعوی چگونہ خواہند برد، و
 قطع نظر از حریت آب و دناں (یعنی حریت مغلوب) کہ تم خداے توانا را چہ جواب خواہند داد؟
 "کس از اہل وطن غمخوار من نیست مراد دہر پنداری وطن نیست"
 مولوی نور الحسن نامے ایک نوجوان نے لکھتے سے مرزا کو خط لکھا ہے اور اُس کے
 ساتھ ایک مثنوی کا مسودہ اصلاح کے لئے بھیجا ہے۔ اُسکے جواب میں جو خط مرزا نے
 لکھا ہے اُس میں لکھتے ہیں۔ "پیدا آمد کہ خاطر عاطر را بجانب نثر گراشے، و ہنگامہ این
 گفتار دینی نثر نگاری را در انجا (در کلکتہ) آراشے بہت بابے ہم دل پسندیدہ شعلے
 شاد آید، و ہم اندرین فن گزیدہ روشے پیش گرفتہ آید۔ دم سروی شما (یعنی کم شوقی شما)
 بہ دانش آموزی۔ انچہ دیر و ز (یعنی در زمانہ گذشتہ) بہ کلکتہ دیدہ ام۔ یاد میکنم، و خوں گرمی شما
 (یعنی سر گرمی شما) در خزانہ وزی۔ انچہ امروزے گرم خود را بدین شادی کنم، ہما نا در اندیشہ
 نہاے برگزیدہ دم بدای زودوی۔ کہ نثر از شاخ افتد۔ تھلے شدہ، و رطب بار آورده، بنے نے
 ہنگامہ یوسفی در نظر دارم بدای خوبی کہ دل از فرستہ ریاید۔ از بند حجاب بدرآمدہ، و ہر ہفت
 کردہ۔ خواستہ آید کہ مسودہ نثر در ہر ماہ بن فرستید، و من آں را اگرستہ، و شہت بہر کہتمہ را کہ
 بزرگ را بابتگی آراستہ بشما فرستم۔ صاحب بن اگر دانستہ آید کہ گفتار خیر گفتار سرفکر دو، و سخن جز بہ سخن
 شناختہ نشود۔ ہر چند ارادت شما ذریعہ سعادت من و خرسندی شما موجب رضا مندی من است لیکن

خیر دریاں نہ گنجد، و بیابانی گری قامہ کار نہ باید۔ اُسے نگارش یک دست است و گفتار
 تحت تحت۔ ستر دن یک لفظ از میانہ، و آوردن لفظ دیگر بجائے آن بر نشانہ۔ و ناما شناسد
 کہ چہ ایہ گفتگو چہ قدر پرس وجود دارد۔ و حق ایں پیش تنواں گزارد۔ مگر بہر زبانی۔ دریں
 نزدیکی کیے از برادران۔ کہ در برادران ازوے عزیز تر نیست۔ سخن ہائے پراگندہ مرا کہ
 عبارت از شریعت۔ گرد آورده، و صورت سفینہ دادہ است۔ نیز میں اُن مجموعہ پریشانی
 پیش شامائے فرستہ، تا دستمایہ سگالش در سخن و باز نہانندہ اندازہ لکھو کی فن تواند بود۔ +++++
 نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نے۔ جب کہ مرزا سے نیا نیا تعارف ہوا ہے۔ مرزا کو خط
 لکھا ہے اور اس میں انکی شاعری اور نکتہ سنجی کی بہت تعریف کی ہے؛ اپنے نتائج افکار میں
 سے کچھ انکو بھیجا ہے اور اُن سے تازہ غزلوں کی جو حال میں لکھی ہوں درخواست کی ہے۔
 مرزا نے اُسکے جواب میں جو ایک طولانی خط لکھا ہے اُس میں ایک ایسی تمید کے بد لکھتے ہیں۔
 "تاؤ کا نم در کشادہ بود، و رنگ رنگ متاع سخن بردے ہم نہادہ؛ کس از مشتری یا حلقہ
 بر در نزد، و سوداے خریداری از بیج دل سر بر نزد۔ چوں دکان را کالا، و زباں را حرف
 بگر آدینی آلودہ بخون جگر نہاند۔ روزگار گرانمایہ خریدارے (یعنی نواب مصطفیٰ خاں) پر مید آرد
 کہ نقد راج سخن خود را بہائے گفتار نہا سر من حی دہد؛ و گوہر را بہ پلہ بیابانی خرف می نند۔
 +++ ہاں وہاں اسے خریدار دکان بے رونق؛ از فراوانی سترت و رود مسعود
 ہایوں نامہ چہ گویم کہ مرا۔ با آنکہ نکوئی خواہ خوشیم۔ برین ہر شک آورد۔ حوصلہ مرا کہ فرسودہ
 عنما سے دہرم۔ گنجائی ایں مایہ شادی کو؟ و اندیشہ مرا کہ دل شکستہ دور باش یا راعم۔

فرجام پذیرائی میں ہر قبول کجا؟ روزگار را از آذر خویش چگونه پیشیاں گیرے کہ انجمنیں
سادے را بخونہ در پذیرے۔ و دوستان را کجا قدر ناستاس پندارے کہ دشمنان قدر تپائیں
در بارہ خویش با دروارے۔ حقا کہ نہ آسان ست مسودہ شدن بہ زبان شیوایان (یعنی
فقہاء) و دشوار تر از است اندازہ نمائی با نڈازہ دانان۔

در قبلہ مرز چیل سارہ جگر کاوی است کہ فرام آوردم؛ و بر فرقہ فرداں ساسے افشاہم
(یعنی مجموعہ منظم فارسی) اکنون اکہم بدایں روانی و تشریم بدایں گرمی نیست۔ گوئی پس از سخن آں
گنج۔ گنجداں رفته، و از جن ہر چہ ازل آرد و من بود گفتہ شد۔ + + + + +

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم تے تذکرہ گلشن بیے خاں کا مسودہ مرزا کے مطالعے کے
لئے بھیجا ہے اسکو دیکھ کر مرزا نے نواب صاحب کو یہ خط لکھا ہے دوسن کہ زبانہم در تپائیں
بیقرار ست و اندیشہ در گدائیں (مشورہ) گلشن۔ امید کہ در آں پایہ بر مودہ خوشامد گویاں شمرہ
نشوم، و بدیں باہر جرات برہ متد نگر دم۔ بنامیزد (چشم بہ دور) تذکرہ ترقیب یافتہ و مجموعہ فرام
کہ پیش طاق بلند مای را نقش و نگار ست، و نہال نکو سرا بخای را برگ و بار۔ رہر و نظر چوں
ہر میدارے کنار نایب۔ یہ ذوق سخن کام تماشا بردار دتوشہ بہ ازیں بر کمزرتواند نیست۔ خضر
با آں ہمہ جگر شکنگی کہ سکنہ داشت لبش بر شہ آبیے تر نتوانست کرد؛ و آں آب از دیا بخشیدن
بود۔ شما گر دہے را از دور و نزدیک سخن زندگانی جاوید بخشیدید یا و ایں نختے از عمر کار و دگران
کردن ست۔ جاو داں زندہ باشید کہ سخن گویاں از شمار زندہ جاوید شدند۔ و ہمکنان را بہ کوفی
نام برآمد۔ با سے گزشتن خامہ و گوہرین نہ گشتن نامہ در رویت الفت بہ نگارش اشارہ پریشان

حضرت آرزوہ از چہ روست؟ ہر چند ذکر قدیم برجیس مقام در جریدہ ایس فن نہ منرا و ایشان
فنیلت باشد لیکن اگر بقصصاے فروخت جراتے بکار میرفت گناہے بنود و در تمانی
آں بپوزش نیارے افتاد،

علیم احسن اللہ خاں مرحوم نے مرزا سے جب کہ وہ کھتے میں مقیم ہیں خواہش کی ہے
کہ اگر آپ نے اپنی کچھ مثنویں جمع کی ہوں تو بھیج دیجیے اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔
"درد مند خوانا! نسیم درد و مشکلیں رقم نامہ غنچہ برائیں راز را پرده کشاے، و نسیم این نوید را
غالیہ سائے آمد۔ کہ روزگار بیکز لکب تب طول زمان فراق نقش بے اعتباری ہائے سن از
منور خاطر اجاب نہ شدہ و ترکنا یہ صرصر بیدار جدائی خاکسار یہاں سے مرا از یاد غریزاں نیست۔"
"در معرض طلب بشر فرماندہ تر از اں میزبان بے دستگاہم کہ نا گرفت (اچانک) مہمانے
غریزش از راہ دور در رس، و بیچارہ ہبا گرد سراپا سے سرمایہ خوشنیتن بگرد تا شور باے دود
پختہ و نان کشینے (یعنی نان جو) فراز آرد۔ سن وایمان سن کہ بگرد آوردن بشر را پگندہ پذیر خست
و خود را دیر کشا کش نینداخته ام۔ چہ پیداست کہ فرو بخیمہ بکلک این کس (یعنی سن)
نقشے ست نر ہذا، (یعنی رشت) یار نمی ست فرہمند (یعنی خوب) در صورت اول چہ لازمست
خوردن اینج فروختن، و وبال نظر اندک گاہ بکلم خریدن، و در شوق ثانی اندیشہ می سجده کہ
رنگاں چہ بردہ اند و گدشتگاں چہ یافتہ کہ مارا آرزو کے آں دایہ (یعنی در یوزہ) بیا ببارد۔"

۱۔ اول سرودی میں منشی صدر الدین خاں مرحوم تخلص، آئندہ کا ذکر نہیں کیا گیا تھا مگر مرزا نے عیب یہ نہ لکھا کہ مرزا نے
نئے آں کا بھی تذکرہ دیا ۱۲۔

انصاف بالاسے طاعت است۔ بدعوی گاہے کہ توانائی قیاس را بفروہیدگی فرنگ
 (یعنی پسندیدگی روش) مسلم داشته، ولواسے نورالعیین واقف بشیوائی شیوہ دینی جزئی
 طرز را فرشته باشند۔ باکہ باید گفت کہ نتائج طبع ماکبائی ست، و مدارچہ لذت دیں جگر خالی ست
 سطرے چند کہ یدربا جگی دیوان رختہ کسوت حرف و رتم پوشیدہ، و دود و سودائے کہ بکراش منینہ
 موسوم بہ گل رنغا از سوید اجوشیدہ است از مغاں می فرستم و از شرم نگ یابیگی آپسیدم و سلام
 شیخ امام بخش ناسخ نے اپنا دوسرا دیوان میر موسی جان کے ہاتھ فرزا کو بھیجا ہے اسکی
 رسید اس طرح لکھتے ہیں ” دریں ہنگام کہ فرومانگی از اندازہ گذشتہ دول بافسردگی شوے
 گرفتہ است۔ ندانم چہ مے نگارم و چہ می نگرم کہ دریں نگارستن نگہ از ناز دیدہ در نمی گنجد و دریں نگارش
 خامہ از شادی و دیناں (سرانگشت) مے رقصہ بخت را بر سائی ستایم و پندارم کہ بلور معنی
 رسیدہ ام۔ خود را بگرا نمایگی آفریں گویم و انگارم کہ موسے را باہر بیضا دیدہ ام۔ اگر مخدوم مرا
 بگرفتہ عیار ایں دعوی حیرتے روے دہد، و ایں مایہ بالا خوانی و خود نمائی از من عجیب آید۔
 گویم ہاں انصاف، سخن بہ کنایہ می سرایم نہ بگوان۔ موسی اشارہ بہ سیدی مکرئی میر موسی بکاش
 دیدہ بیضا عبارت از دیوان فردغانی عنوان۔

زہے دیواں کہ بدادش از دودہ چراغ طور ست، و غلافش از دیباے حکمہ محوہ قلم منی
 را سفینہ است، و جواہر مضمون را گنجینہ۔ +++ سبحان اللہ سخن بہ روزگار مخدوم بیایہ بند
 رسید، و درد و رادونق دیگر پدید آمد۔ اینکہ نارسیدن نامہ من بجا طر ماطر باے گرفت، و مشکوہ
 آن بزبان قلم رفت۔ مرا تبر و آفرود، و از زبش مراد قلم جلوہ گر ساخت۔ خوشا من کہ دل

چشم و دل جاے باشد، و چون نامہ من نہ رسید یہ آرزو وار زوہ گرو سیراں نوازش گروم، دیریں
پیش جاں برفا تمام ++++++

مولانا فضل حق مرحوم کے مکان کے قریب آگ لگنے کی خبر مرزا کو بذریعہ خط موصولہ
لالہ ہیرالال کے معلوم ہوئی ہے اس پر مولانا ممدوح کو اس طرح لکھتے ہیں۔

”قبلہ و کعبہ! اگر نہ ایسے بودے کہ لالہ ہیرالال را ہواے دیدن عفا در سر، و ناگاہ
شاہکما ہے نشین نہائی سن گذر، افتادے۔ آں در گرفتن آتش گرداگرد والا کاشانہ، و فتن
خانہ و رخت ہسایگان از ہر کرانہ، و رسیدن آیسے بلالزماں دراں میانہ، از کجا شنودے؛
داگر نہ شنودے ہر آئینہ ہم حق دوستانہ پیش۔ کہ شیدہ غمخواری داند وہ ربائی ست۔ ناگزاردہ
ماندے، و ہم از دی نیایش کہ لازمہ حق شناسی و پاس گزاری ست بقدم نہ رسیدے۔
ہاں اسے وفادارمن! بیگانہاں (چون لالہ ہیرالال) کا بیاب پیام دنامہ، و آشنایان مگر تشریف
رشتہ نامہ!!

داسے برین کہ رقیب از تو بمن بناید نامہ و دانشہ و قہر و عشق سواں زدو
”ہا ناں سوز ترہ آذر سرگرمی شوق از من فراگرفتہ بود کہ بتیا بانہ گرد سر گردید، و نذر راں
آتشک (شدت) زبائے و شرارہ و درخشتین نگہداشت۔ ہیہات من کجا وایں ہمہ دعوی بلند از
کجا!! خود نمایاں لگان تاثیر مرد و فاست کہ مرا دیدیں رنگ ہر ترہ لاسے و یا نہ سر لاسے
دارد؛ ورنہ آں را کہ از شعلہ آہ و جگر سوزن خفاں دامن سوزد؛ و عجب نیست اگر آتش افزہ خستہ
پیراں سوزد۔ شکوہ و شکایت، و پیچیدہ (طنطنہ) بر طرف؛ خداے تو امارا شکر گویم کہ بلاے بی نیما

زبند کان خمیش بگرو آند، و تابے بصرال را دید و دید و درال را سر بر دست افشید و گشتند
 نیردے جبرئیل و معجزه آسودگی خلیل را در نظر آتا زد کرد۔۔۔ اگر دستے کہ پیش رخ و شمرای
 خواہم کشید، و مرا اندرین محال طلبی بر من زبان طعنہ دراز نخواہ شد۔ انہاں مخدوم بے محتاج
 پاسخ ایں نامہ و تنسیل ایں ہنگامہ در خواستے و پیریدے کہ درال ہنگام کہ آتش زباز زد
 و نگہ بصران تیرگی و دوسے و تابش نمودے فرار سید۔ شاچی می کردید؟ و نور چشم مردی و نورانی
 سولوی بعد از حق بجا بود؛ و پس از آنکہ رتخی در ہمایہ آتشکار شد، و ہنر انہر و انہن اقدام سہرگی
 درونی پرستاراں و بیابانی برونی ہوا داراں چہ قیامت آورد؛ و اینہما آشوب چہ ایہ دیکشد؛
 و فرجام کار کہ شردہ انہنی دادند۔ بر کارخانہ ذواب و شہ و بایر کماراں یعنی اسباب ایشان
 کہ اینبار اجز باطراف کاشانہ محل نیست، و بیشتر ازینا طعمہ آتش بلکہ افزودنہ (اینچہن)
 آتش است۔ چہ گشت؟ لیکن۔ چون اندر ش التفات لادن سلب کردہ، و مرا نیک در دل
 فرود آوردہ اند کہ حالیا درال گوشہ خاطر م جائے نمازہ۔ ہر جہ گفتہ ام بطریق آرزوست نہ پہل
 سوال۔ والسلام

نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے خط کا جواب جس میں شوق ملاقات اور غزل تازگی خواہش
 ظاہر کی ہے اسکے اول اور آخر کے فقرے یہ ہیں "د سحر گاہ ہے کہ دلم از دور و نشانہ چنانکہ مومن
 ہمیشہ از ریخ ہمایہ در آرا یا شد۔ بقرار بود، و دستم از استلیم بیابانی دل رعشہ وارہ فرزندہ سرور
 از در درآمد؛ و سپردن بیمار ساں نامہ گل پر حبیب تمار تحت۔ ہر چند نامہ سپار مس اسیر آگیا،
 مہ دل کو مومن سے اور نشانہ کو ہمایہ سے تشبیہی ہے۔"

دودیدہ جاں را تو تیا آورد، و تارک اقبال را افسرد و پیکر آرزو را زویر بخشید؛ لیکن اتنا بی کر
 آن قدر سی مفاوضہ و دشواری خلی چون نامہ اسماں زامہ از ذکر کئے و شامہ سادہ بود؛ دل سازد
 بران نیا سود، و خوارم بران کید و تجربہ صیانت گشت بستم بے تپے باز تفرہ دیدارے کہ بال شامہ
 آن توان بستن، و نہ کرشمہ غزلے کہ لب ز فرہ آن توان کشودن۔ + + + + + امید کہ
 ازین بعد زود نہ دیر بانشا سے غزل شاد م فرمایند، و نوید رو بکوتاہی نمادین روز فراق کہ
 بریں موسم کہ خسرو انجم؛ آشد جاسے دار و عیب نیست۔ بفرستند دولت و اقبال و زاقول
 جواب نامہ شیخ امیر الشہسوار و تخلص در رسیدن دلتواز نامہ دل را نمودند و شایع
 ابرو مند ساخت۔ مگر از نار رسیدن پانچ نامہ ہائے خویش مے کنید؛ و از خدا
 شرم ندرید۔ من خود از جانب شما لکرائی داشتہم کہ گناید؛ وچہ در سر دارید؛ بارے پرده
 رے کار شما برگزتم؛ و داشتہم کہ یک چند مرا فراموش کردہ بودید؛ ناگاہ درود جناب
 تا از اب علی ہاں بقعہ افتاد؛ شنیدید کہ فلانی (یعنی غالب) از سخت جانی ہنوز زندہ است؛
 گنیں بجنید؛ خواستید کہ بنامہ یا و آورید؛ از فراموشی روزگار گزشتہ اندیشہ کردید؛ لاجرم
 چند پریم باقتیدہ و ازادیابی و بیانی نامہ ساختید۔ احوال من پسیدہ ایچہ گویم کہ گفتن نیزہ و چاک گفتہ ام
 شکستہ دل ترازاں ساغر بلوریم کہ در میانہ حس را کنی زد و در رہا
 خیرہ سرا، و آشفہ را سے، نہ زباں سخن سرا سے، و نہ دل از سرا سگی۔

بخندناے افس رت گما ہے جیہ نقاب بیج آمد میں تھا چو کلاسد مرزا کا تخلص ادنگ نام کا جو ہے اس سے کہ
 اس میں ہر سے یتھن کیا ہے کایہ وقت میں آپ کا جیسے ٹاکیو درخس ہے۔

چار سال می گذرد که مقدمه من با جلاس کونسل دپوش است، و دلم از تفرقه بیم و امید
ریش خنکے کہ قطع خصوصیت تواند کرد بنیادہ، و ہنگام بہ پایاں رسیدن تیرہ شنبہ امید
ور نیامدہ۔ حالیا براں سرم کہ چون جزو اعظم کونسل اشرا لامر لارڈ ولیم کونڈس بنیاد
بریں دیار وراید بدامنش درآویم، و داد خواہم، و استدعا سے صدور حکم اخیر کنم کہ اگر
برآند کہ نواب عالی جناب بدہلی نخواہد آمد، و ہم انراں رہگذر با جامعہ خواہد رفت۔ اگر
ہمچنین ست ہذا من و روزگار من، و آتی از دھرمی راہ و درازی کار من۔

خواستہ اید کہ ستاج طبع والا سے شایگرم و از تراویدہ ہا سے کام و زباں خود شایگان
فرستم۔ فرصت آن کجا؟ و مانع ایں کو؟ آمد آمد نواب گورنر، و دیوڑہ اخبار از ہر در و ترمیم
افراد مقدمہ، و تہذیب نگار بن حال، سنجیدن اندیشہ ہا سے رنگارنگ، و سگالیدن اندازہ
بیاں۔ آن مایہ دستیاری و غمخواری از کسے چشم نہارم کہ چوں ورتے انشا کردہ با شتم نقل آن
تواند برداشت، یا چوں دفترے از بہر نگہستن پریشاں کنم آن اوراق پرانندہ و افروزم
تواند کرد۔ بہر رنگ چند روز در معاف دارید، و تا زمانیکہ من پویندیکہ گاہ گاہ بہ نامہ
زننگ زداسے آئینہ و داد باشید + + + +

مدبوی سراج الدین احمد لکھنوی جو کھلتے میں کسی عمدہ خدمت پر متاثر نہیں اور مرزا کے
نہایت سچے اور گارھے دوست ہیں انکو نواب امین الدین احمد خاں مرحوم کے باب
میں جبکہ وہ رئیس فیروز پور جھیر کے خلاف اپنے مقدمے کی پیروی کے لئے کھلتے گئے
ہیں۔ اس طرح لکھتے ہیں وہ مخدوم غالب! اگر تاندوہ سترگ بند بدلم نہادہ بودے من

دائم و دل کہ در شکوہ چہ روش نایجاد و در گلہ چہ عہدہ بنیاد کردی۔ صہرہ شما یعنی سوز
 تہا در ناکامی من است (جبکہ سبب سے شکوہ کرنے کی فرصت نہیں ہے) ورنہ اگر تاج توں
 داشتے آں قدر با شما در آد تختے کہ شمارا دامن و گریباں بزیاں رختے، و مرا سرور و شکستے۔
 آخرا ز خدا پترسید، و از روستے داد بسنجید کہ کا بر من و شما ہر اں رسد کہ روز با بگذرد و نہ نامہ
 یا دزد گردم۔ گنہم (یعنی میں او پر کچھ چکا ہوں) کہ در بند گردارش اندوہ ہے تازہ ام شکوہ کجا
 بخاطر ناشادے رسد۔ اگرچہ اندریں ورق گنجائی ایس دوسطر نیز خود لیکن اندیشہ ہر اں
 پیچید کہ بہاداد دست ادا شناس من مرا از خود خور سند اند، و بدیں گماں از تلافی فارغ
 باشد و من زیاں زدہ جا دید و گستہ امید باشم۔

بالجملہ دریں نامہ نگاری مدعاے اصلی بریں رنگ است کہ برادر صاحب مشفق
 غائب امین الدین احمد خاں بہادر ابن محمد الدولہ دلاور الملک نواب محمد بخش خاں
 بہادر رستم جنگ را ہماں موج بلا کہ زہد فہم شکستہ بود یعنی تقدی ریش غیر فر پور خانہ
 بسلاب فنا داد۔ خون و فایم گردن کہ دریں سفر از ہپائیش بازماندم۔ و اماندگی و
 بیجاگی من از بخا تو اں سنجید کہ دندان بر بکر نہم، و امین الدین احمد خاں را در سفر تنہا
 گذرم۔ اگر قاضی محبت بریں جرم پر نظم نشانہ، و بہ تیغ بے دریغ خوںم تریزد، سزاوارم۔
 وطن دریں ست کہ ہر خید در نیاب بگفتار گرایم، و ہنگامہ پوشش آرایم شہساری
 شہر گرد؛ و بخت افزاید۔ مگر سر لاج الدین احمد تہلانی برخیزد تا از گرافی تسویر ذہن مندی
 بکشد و دش گردم، و اگر در بخت از چہوہ برافشام۔ یعنی کمر بخوانی و ہر ہر نواری استوار

یہ ہے۔ و خود را دوست ویرینہ امین الدین خاں دانستہ آنچنان چارہ سازی و گنگا گری
 بیاوردند ایس دردمند و دراز خانان (یعنی امین الدین خاں) اسد اللہ بر سیاہ را فرار
 کند؛ و شمارا بجاسے او داند۔ و نیز بہ برادر والا قدر گفتمہ شدہ است کہ چون بہ کلکتہ رسد شمارا
 دریا بہ۔ و اند کہ اسد اللہ پیش از وہ کلکتہ رسیدہ است۔ قطع نظر ازین مدارج کہ بہ مردم۔ آخر
 خدائے ہست و دوسے ہست۔ افسانہ ناکامی و تمکشی ایں فرغ ناصیہ سادات یعنی
 امین الدین احمد خاں نادر و اول بگدازد و آہن را آب گرداند،

دوسرا خط مولوی سرایح الدین احمد کے نام اس طرح شروع کرتے ہیں۔ ”گوہر گیس
 نامہ و لنوا پس اندر وزگار سے دراز رسید، و دیدہ و دل را فرغ و فراغ بخشیدہ رسیدن
 نامہ مرا بافسردگی شوقم حل کر دید؛ چرا بہ مرگ من حل نہ کرید؟ تا از دانشناسی ہائے شاعر
 بودے، و شمارا اہل دل و دانشور شمرے۔ من و ایمان من کہ رشتہ مہر شاہ بہ منزل دل و دیدہ
 و محبت شاہ بابا ہاں در آئینہ تازندہ ام، بندہ ام، وفا آئین من ہست، و دوست دین من ہست۔
 اگر دنگار ش نامہ درنگے رو سے و ہر بر فراموشی محمول نشود۔ در دما و دل، و ہنگامہ
 در نظر، و تفرقہ؛ در خاطر، و سودا ہا در سر۔ چہ گویم چہ می کنم، در دوزخ شب چگونہ بسر می برم۔
 ایک اور خط میں مولوی صاحب موصوف کو استرنگ صاحب فاران سکرٹری
 اگر منت ہند کی وفات پر اس طرح لکھتے ہیں۔ مد عمر من و جان من! پس از رسیدن
 اگر اسی نامہ در بند آں بودم کہ پاسخ گزار شوم و ماہر اسے خود شرح دہم۔ ناگہاں دینی کہ
 دو شنبہ پاتر و ہم ذی الحجہ بود آوازہ وراقا کہ مجموعہ مکارم اخلاق را شیرازہ وجود

از ہم گشت؛ شمع ایوان سروری مرز، و نہال باغ آگهی بزرگ و بار فروخت، و گویا دانا
را دست از کار رفت، و گرہ کشاے بستر کاراں را نئے بناخن شکست. خالم بدین چگونہ
گویم؛ و اگر من نہ گویم کیست کہ نمیداند؟ کہ مستر اندر و استرنگ مرز، و از گیتی جز نام نیک
باغ و نبرد، کاش رؤسے گذاختہ (گچلی ہونی کا ہنس) بروزنہ گوشم ریختندے تا نشوید
کہ چہ شدہ. اکنون امید غفاری از کہ بایم داشت؛ و دل را بجایال گردش چشم کہ تسکین داد.
رپوئے کہ فرانسس ہاکنس بہادر و مخصوص وادخواہی من بہ صدر فرستادہ است.
چگویم کہ چہ پایہ امید گاہ و اندوہ قزاسے بودہ است تکیہ بر کار سازی آں چایک حسنہ
بیدائے قادیانی استرنگ، دہتم اکنون از شش سو فلک بجام دشمن ست. زنیار در
پانچ این نامہ در بگ رواداریہ؛ و بنویسد کہ آں والا گہرا چہ روسے داد، و آں گلین
روغنہ مردمی را کہ ام تند با و از پانگند؛ و پس از دوسے سر انجام دفتر کہ چہ شد و جایش کہ
گرفت. اللہ بیس ماسوی ہوس.

ایک اور خط میں مولوی صاحب موصوف کو اپنے ایک گلے کے دوست مرزا احمد بیگ
کی تعزیت اس طرح لکھتے ہیں "والا نامہ رسید، و فویر فراق دائمی مرزا احمد رسانید
پہ انگلیں دل و سخت جانم کہ نامہ و تعزیت دوست انشامی کنم و اجزاسے وجود
ارم نمی ریزد. می گنت کہ مہلی می آیم؛ و وعدہ فراموش بیے مروت راہ گردانند، و تا
بسرترل دیگر راند. گرفت کہ خاطر و دستان عزیزداشت چہا بحال خود سالانہ خود
پرداخت، و سایہ از سہرتاں باز گرفت. و اسے بے یاری یاروں وے، و در دنیا

بے پردی سپران دے۔ ہر خیز از مرگ نتوان تالید، گسستن تار و پود پندارستی
 را چارہ نتوان کرد۔ لیکن انصاف بالاسے طاعت ست، ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد نود
 چراں قدر صبر نہ کرد کہ پہلکتہ رسیدے، وروے فقارہ فروزش دگر بارہ دیدے۔ چراں بایہ
 وزنگ نہ وزید کہ حامد علی جواں گشتے، وکار ہا با ملزہ دانش دے رواں گشتے، حیف
 کہ ہمیں سپرش خرد سال ست، و باشد کہ حقیقت سرمایہ پردانا، و بگرد آوردن ذرہاے
 پراگندہ توانا، نباشد۔ و باشد کہ چون آں سرمایہ پہ چنگ آرد بیاد دہد، و بر فردستان خود
 ستم کند، و کیس برادران رانا کام گزارد۔ ہر آئینہ میں حال آئینے باید ہوشمند و حق شناس
 کہ گرد چارہ بر آید، و غمخواری بے پردہ مانگاں نماید۔ شدہ دژمن قال سے

مرا باشد از در وطنان خبر کہ در طفلی از سر رفتسم پر
 داشت کہ تیاران بیچارگاں میں فرض و فرض میں ست ہم بر شاد ہم بر مرزا ابوالقاسم غاں
 بیکیسی ایں جامعہ در نظر باید داشت و غافل نباید بود۔ ان الله لا یفیع اجر المحسنین۔
 ایک اور خط میں مولوی سراج الدین احمد سے دوستانہ شکایت اس طرح کرتے ہیں
 ”نہینار صدرینہار اسے مولوی سراج الدین! بیترس از خدا سے جہاں آفریں کہ چون تیرا
 قائم گردد، و آخر کار بنشینند، من گریاں و مویہ کنان دران ہنگامہ کیم، و در تو آویزم،
 و گویم کہ ایران کس ست کہ یک عمر مرا محبت فرغیت، و دلم برد، و چون میں از سادگی بروز فا
 تکیہ کردم، و ایں را از دوستان بر گزیدم۔ نقش کج باخت، و بمن بیوفائی کرد۔ غدار را
 مگو کہ ایں زناں چہ جواب خواہی داد؟ وچہ عذر بیش خواہی آورد؟ و اسے بر من کہ رو نگارنا

گذرد و خبر نداشته باشم کہ سراج الدین احمد کجاست و چه حال دارد. اگر جفا بپا داش
 و فاست بسم الله ہر قدر توانی بغیر اسے کہ اینجا مہر و وفا فرودان ست؛ لاجرم جانیہ بایک
 فرادان باشد۔ و اگر خود این تعاقب بہ باد افراہ (یعنی بپاداش) جرے دیگرست سخت گناہ را
 خاطر نشان باید کرد، و انگاہ انتقام بایکشدہ تاشکوہ درمیاں نہ گنجد، و مراد ہر گشتار نباشد۔
 سنم کہ معاش من از گونہ گون بچ و رنگ رنگ عذاب بہ معاد کفار ماند؛ خوں در جگہ و توش
 و در دل و خار و در پیراہن، و خاک بر سر و بچ کا فرہیں روز گرفتار مباد، و هیچ دشمن
 این خواری مینماید۔ راست بہ تنہا روی مانم کہ در صحرا پایش بہ گل فرودد، و ہر چند
 خواہد کہ بالا جہد نتواند فرود تر رود۔ و الا قدر نواب امین الدین احمد خاں بہادر
 کہ گیتی را بر دیش دیدے، و دصالح را زندگی دانستے، بہ کلکتہ رہگرا شد۔ و دیگر زندگی از بہر
 خواہم دول را بدیدار کہ شادمان دارم۔ و مانند گی من از اینجا توان سنجید کہ تو نہستم بیانش
 کردن، و واداشتم اورا تنہا گذشتن

+++++
 ایک اور خط میں مولوی سراج الدین کو اپنے مقدمہ کے بگرمایکا حال اِطّح کتھے ہیں
 "کارین بہ وادگا و دہلی۔ چنانکہ دانستہ باشید۔ تباہی گزید۔ حالیا براں سترم کہ اگر مرگ
 اماں دہ باز دہاں دہ دینی و سرپریم گورمنٹ) سترم، و و دہ دل بدہاں رفرہ فروریم کہ غلّان
 بہادر مہیاں دربار ابر خود بگرمایم مہیہات! اگر معاش من ہیں پنجہرہ روپیہ سالانہ ہم
 بدیں تفریق۔ از دے دفتر سرکار ثابت شدہ ہو دہایتے کہ صاحبان صدر مرا از پیش
 راندے و گشتندے کہ ہرنہ مخردش؛ آنچه تو باز یافت و انودہ یافتنی از ان افروں تر

بے پردی سپران دے۔ ہر خیز از مرگ نتوان نالید، گشتن تن تار و پود چندان سستی
 را چارہ نتوان کرد۔ لیکن انصاف بالاے طاعت ست، ہنوز ہنگام مردن مرزا احمد فرود
 چراں قدر صبر نہ کرد کہ بہ کلکتہ رسیدے، وروے قطارہ فروش دگر بارہ دیدے۔ چراں مایہ
 وزنگ نہ وزید کہ حامد علی جواں گشتے، وکار ہا باندازہ دانش دے رواں گشتے، حیف
 کہ ہمیں سپرش خرد سال ست؛ و باشد کہ بہ حقیقت سرمایہ پردانا، وگرد آوردن نہ رہے
 پراگندہ توانا، نباشد۔ و باشد کہ چون آں سرمایہ بہ چنگ آرد بیاد دہد، و بر فردستان خود
 ستم کند، و کہیں برادران رانا کام گزارد۔ ہر گزینہ دین حال آئینے بایہ ہوشمند و متشناس
 کہ گرد چارہ بر آید، و غمخواری بے پردانہ گاہ نماید۔ بندہ ڈرن قال سے

مرا باشد از در و طعناں خبر کہ در طفلی از سر برستم پدر

داشد کہ تیاراں بچار گاہ عین فرض و فرض عین ست ہم بر شما و ہم بر مرزا ابوالقاسم خاں
 بیکی ایں جامعہ در نظر باید داشت و غافل نباید بود۔ ان الله لا یضیع اجر المحسنین۔

ایک اور خط میں مولوی سراج الدین احمد سے دوستانہ شکایت اس طرح کرتے ہیں
 "دو زینہار صدرینہار اسے مولوی سراج الدین! بترس از خداے جہاں آفریں کہ چون تیار
 قائم گردد، و آفریدگار نشینند، من گریاں و مویہ کنان دراں ہنگامہ کیم، و در تو آویزم،
 و گویم کہ ایرکس ست کہ یک عمر مرا بجنبست فرقت، و دلم برد؛ و چون ہں از سادگی برد فا
 تکیہ کردم، دایں را از دوستان بر گزیدم۔ نقش کج باخت، و عین بیوفائی کرد۔ خدا را
 بگو کہ آں زماں چہ جواب خواہی داد؟ وچہ عذر پیش خواہی آورد؟ داسے برس کہ روزگار نا

گہر و خبر نہ آشتہ باشم کہ سراج الدین احمد کجاست و چه حال دارد۔ اگر کجا بیادش
 و ناست بم آشتہ ہر قدر توانی تفراسے۔ کہ اینجا ہر دو فاقراوان است؛ لاجرم جانی نہ باید کہ
 فراقاں باشد۔ و اگر غدا میں تنافل بہ باد افرا (یعنی بیادش) جرے دیگرست نخست گناہرا
 نامہ نشان باید کرد، و انگاہ استقام باید کشید، تا سکوہ دریاں نہ بگذرد، و مرز ہر گناہ نہ باشد۔
 ہم کہ معاش میں از گونہ گونہ بخی و رنگ رنگ سذاب بہ مساو کفار ماند، و خوں در جگر و آتش
 در دل، و خار در پیراہن، و خاک بر سر پہنچ کا فرہیں روز گرفتار مباد، و سپہ دشمن
 این خواری مبینا دور است بہ تنہا روی مانم کہ در صحرا پایش بگل فرودد، و جہنم
 خواہد کہ بالا جہد تواند و فرود تر رود۔ والا قدر فواب امین الدین احمد فاقراں بہادر
 کہ گیتی را بر دیش دیدے، و دصالتش را زندگی دہستے، بہ کلکتہ رہر آشتہ۔ و بگز زندگی از بھر
 خواہم دل را بیدار کہ شادمان وارم۔ و اماندگی میں از اینجا توان سنجید کہ تو استم ہم پیش
 کردن، و داد استم اور آتما گذشتن

+++++
 ایک اور خط میں مولوی سراج الدین کو اپنے مقدمہ کے بگڑ بانی کا حال اِطّح لکھتے ہیں
 "کار میں بہ داد گاہ دہلی۔ چنانکہ دانستہ باشید۔ تباہی گزید۔ حالیا براں رسم کہ اگر مرگ
 آماں دہ باز براں دزد یعنی در شپہریم گورنمنٹ) رسم، و در دول یدیاں رفرم فروریم کہ غلام
 ہوا و ماہیان در یار ابر خود بگرایم۔ یہ بہات! اگر معاش میں ہیں پنجہزار روپیہ سالانہ ہم
 ہیں نفیق۔ از روے دفتر سرکار ثابت شدہ ہووایستے کہ صاحبان صدر مرا از پیش
 رانندے و گفتندے کہ ہرزہ خردش؛ آنچه تو باز یافت و انودہ یافتنی از اں افزوں تر

نہیست، و قرار داد نیز ہاں ست۔ لاجرم دیوانہ بودے اگر دیں کشور پانز آمدے، و با
 ایک قبیلہ (یعنی یا جمے کثیر) کہ خوشیاں و برادران من اند۔ بہ ستیزہ بر خاستے۔ و بہ
 باطل ستیزی نام بر آوردے۔ + + + + +

چکنم کہ کار برگشت، و روزگار برگشت۔ خدا را بنگر، و بہ درد دل من وادس کو برگ
 توسط کنیل بہتری املاک برن مہرباں شود، و رپوٹے کہ خوشتر از اں متواں اندیشید۔
 بصدر فرستد، و جوابے کہ سود مند تر از اں متواں بنجید۔ از صدر حاصل نماید، ہنوز
 اں جواب در راہ باشد کہ کو لبرگ مغزول گردد۔ و پاکس کہ بجایے کو لبرگ نشیند۔
 آنچه بر ہم زدن ہنگامہ سلطنتے را بس باشد۔ از بہرین بصدر نویسد، و من در اں یادری
 (معالم) از مستراسترلنگ چشم یادری داشته باشم؛ ہنوز اں رپوٹ بصدر رسیدہ باشد
 کہ مستراسترلنگ رہو را و عدم گردیدہ باشد۔ چوں از ہمہ گیسلم و دباسن جلیج سوشلین
 بسا در او نیم، گرم از جا برخیزد؛ و داسن بر شغل جہان بانی افتاد۔ سمان اشد
 مغزول نگردد مگر کو لبرگ، ہر گنا گاہ نمیرد مگر استرلنگ بولایت نزد مگر جلیج سوشلین
 در خور ایں صدمہ ہاے جاں گاہ نباشد مگر اسد اللہ و ادخواہ + + + + +

مولوی سراج الدین احمد کے نام ایک اور خط ۱۱ دلتوا از نامہ پس از عمرے
 رسید، و عمرے دیگر بخشید؛ تا عمر باندہ سپری شدہ را تلافی تواند کرد۔ اما اشارہ کردن
 کہ ہنادش بہ غم سرشتہ باشند نہ آسانست۔ منم کہ چوں نامہ شمار رسیدے متانہ جوابے
 بر جستے، و جہاں جہاں نشاط اند وختے۔ اینک تا چشم بسوا دایں صیفہ دو پار شد گیتی

ہر نظم تیرہ و تار شد بخت انچہ بظہر درآمد خرد آشوب خبر سے بود کہ دل تا جگر فوں کرد۔
 یعنی از جہاں رفتن خواہر عزیز شما۔ ہے ہے! ایں مخدومہ مرحومہ ہاں ست کہ تا در ملکۃ
 خبر بخوری اسے شہودہ بودید دل از دست رفتہ بود، و سرایگی سراپا سے خاطر را فرو گزشتہ
 نظر دارم کہ از مردنش بر شما چہ قیامت گذشتہ باشد۔ تو اما از دپاک شمارا شکیب عطا
 را بدو نمودندی دل و توفیق ثبات ارزانی دارد، و ایں سانچہ را در روز نامہ عمر شمس
 اللہ مکارہ و قطع مصائب گرداند۔

اشکارا شد کہ مخدوم مرا از ملائکہ تازہ نشنودی نیست۔ ہر آئینہ آکشاف ایں معنی
 بالمال بردل فردرغیت۔ خدا را دلنگ نتوان شد، و ملکۃ را نیست بایہ پنداشت۔
 ارستانے (مہورہ) بدیں تازگی و گیتی کجاست۔ خاک نشینی آن دیار از از رنگ آرائی
 مرزبوم دیگر خوشتر من و خدا کہ اگر متاہل نہ بودے، و طوبی ناموس عیال بگردن نہ داشتے،
 اتن برہرچہ ہست افشاندے، و خود را در اں بقعہ رساندے، تازیستے و اں مینو کہہ بودے،
 آنچہ ہوا اے ناخوش آسودے۔ زہے ہوا ہاے سرور، و خوشا آہاے گوارا،
 رضا باد ہاے ناب، دخترا تمبر ہاے پیش رس۔

۱۰۔ ہمہ گریوہ فردوس بخوانت باشد غالب لیں ابنہ بنگالہ فراخوش مباد

مولوی سراج الدین کو مرزا صاحب نے کسی واقعے کا قطعہ تاج لکھ کر بھیجا ہے
 راتوں نے بنیر خواہش مرزا صاحب کے وہ قطعہ بہت سی صوح و ستائش کے ساتھ غلام
 یہ سکندر میں پھیرایا ہے۔ جب وہ چرچہ مرزا کی نظر سے گزرا ہے تو اسکا شکریہ ادا

ایک اور خبر کے درج کرنے کی درخواست اس طرح کی ہے درگناہے رانا مور
 سا خلق، ویسےچہ راہمہ پنداشتن، عنایتے ست سرگ و مرتتے ست بزرگ، فناقہ کہ
 اس سرگ عنایت ہے ابرام داعی روسے نماید، و آن بزرگ مرتت ہے استدعاے
 سائل بظہور آید۔ مگر نہ اگر دیدہ حق میں دارد۔ بنگرد کہ واجب تعالیٰ ثناء اجزاسے مکنت
 را کہ در کتب عدم ستواری بودہ اند۔ بحض عنایت پیرایہ وجود بخشیدہ، و براں معدومات مت
 نہادہ۔ حقا کہ اگر تاملے بسزا کردہ شود رقم گشتن قطعہ تاریخ در آئینہ مسکند رازیں عالم خبر
 می دهد۔ و چوں نا خواستہ انجینیں نوازش میاں آمد۔ ہر آئینہ روانی خواہش را چگونہ
 چشم تراں داشت۔ لاجرم در گزارش مدعا فصلے میاں نہادہ آرزو را سرانجام گفتگو
 دادہ می شود۔

نفسہ مباد کہ قدر قناسی حکام رنگ آں رحمت کہ فاضل بے نظیر و لمعی یگانہ مولوی
 فضل حق از سر رشته داری عدالت دہلی استغفا کردہ خود را از تنگ و عار و آزار نامہ، حقا کہ
 اگر از پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی فضل حق آں مایہ بکاہند کہ از صدیک و اماند
 و بازاں پایہ را بسر رشته داری عدالت دیوانی بنجد، ہنوز ایں عمدہ و دول مرتبہ ہی خواہد بود
 بالجملہ بعد ازیں استغفا نواب فیض محمد خاں (رئیس مجبھ) پانصد روپیہ مایانہ براسے معذور
 خدام مخدومی معین کرد و تزد خود خواندہ روزیکہ مولوی فضل حق ازیں دیار می رفت و بنجد
 دہلی صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر مولانا را تا پد رو کند۔ سوے خود طلبید، و دو سالہ بلوچ
 خاص بروش وسے نہاد، و آب در دیدہ گردانند؛ و فرمود کہ در ہر گاہ شامی گوئید کہ من

خست می شوم۔ مرا۔ جز اینکه بپذیرم۔ گزینہ نیست۔ آتا ایزد دانا دانند کہ غلط و دروغ از دل نہای
نی رسد الا بسند جبرئیل، تا اینجا سخن ولیعهد بیادرت۔ غالب ہستہام از شامی خود
کہ واقعہ تو دفع مولوی فضل حق، و اندوہ ناکی ولیعهد بیادرت، و بدر آمدن دہما کے اہل شہر
بہارتے روشن و بیانیے دلاویز در آئینہ سکندر بقالب طبع درآرید؛ و مراد میں تفتش
مشت پذیر انگارید۔ والسلام

مولوی سراج الدین احمد نے خط اس مضمون کا بھیجا ہے کہ مرزا صاحب کچھ حالات
پاریس کے اسلاف کے لکھیں اور کوئی ایسی کتاب نشان دیں جس سے آنکھیں مفصل
حالات معلوم ہوں۔ نیز کسی تذکرے میں وجہ کرنے کے لئے مرزا کے اشیاء کا انتخاب اور
خود مرزا کا ترجمہ طلب کیا ہے اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں۔

”ہر نیسے کہ زکوے تو بجنالم گذرد یادم از ولولہ عشر سیکتا زہد
رسیدن مهر افزا نامہ دل برد، و جاں بخشید۔ اگرچہ آں جاں با من نماند، و ہم پر سر آں نامہ
نشان من رفت؛ لیکن پاس دلربائی و جاں بخشی باقی ست۔ امید کہ تا جان بخشیدہ
یزداں در تن ست گزاردہ آید۔

مخدوم من در رسیدن نامہ پیشین دو دو دل (متروک) چراست؟ ہنرم نشان طرود و
آن نقیمہ در دل، و سواد سطور آن مصحفہ در نظر جادارد۔ چوں فرماں چہاں بود یعنی دار
پیشین، کہ غالب خوشنقش نشانستے از رسم درآہ شہر گاہ پارس برگزید، و کتابے
نراں گردہ نشان دہد کہ راز آں دیریں کشش، و سازایں باستانی زباں۔ انان اوراق

توان یافت؛ لاجرم دانش من (عالم من) اندر او سر انجام پانچ آن بر تافت (کمل نکرد) چون دوباره
 گفتند که خواہش چنین است۔ ناچار غمخوشتی از دہان و پرده شرم نادانی از میان برداشته میگویم کہ
 روانی این خواہش از بیچکیس چشم توان داشت؛ و خود را بنیادین شہر و شہر تلاش خستہ سال
 نگارند و بہتان مذاہب با اینمہ لان آشنار وئی (واقفیت) آنچه میگوید نہ ہمہ است و نہ ہمہ بجای خود
 یعنی نہ مکمل است و نہ سر پانچ است (پارسیانیکہ در سورت و مہمئی آشیان دارند۔ زمینہار گماں نیری
 کو از آن گروہ یعنی از شرکان پارس) جز نام فشاں دارند۔ آن پوئیہ و آن ہجبار (یعنی آن وشن
 و آن طریق) و آن نگار ش و آن گفتار نہ اند؛ و جز تجمہ و جزا و از دو سہ تہیوہ پارسیان
 مانند۔ پارسیان از گرانمایگان روزگار، و برگزیدگان دادار بودہ اند۔ و بہ روزگار و زمانہ وائی
 خویش دانشماے سودمند (علوم مفیدہ) و کشماے خردمند (اخلاقی پسندیدہ) و تہند۔
 کشایش را از فراہش ہفت سپہر، و نمایش اندازہ گردش ماہ و مہر، و پید آوردن خستہ گہرا
 از تہر خاک، و بدر کشیدن بادۂ تاب از رگ تاک، و شہر و شہر اسباب خشکی و رنجوری، و اگر از
 احکام پزشکی (طبابت) و چارہ گری، پرودہ کشائی فرست اسرار گیائی (سلطنت) و فرمانہائی
 و رصد بندہی تقویم آثما بر بندگی و فرمانبری، عنوان یک و گر بستن رنگ رنگ گہرا، و ہجبار
 سہر کردن گوہر گوں ہنر، و دار و گیاہ فراخ و ہر ہر و دجبار اندر آوردن، و پرندگان ہوا
 و درندگان دشت را بشکار اندر آوردن؛ کوتاہی سخن۔ والائی اندازہ ہر گوہر بنیش، و پیدائی
 اندازہ کمال آفرینش، ہمہ در آئینہ اندیشہ میس فرزگانان روے نمودہ۔ و انگیزش
 بایستگی گفتار و کردار کہ اکنون بہ اندکے از آن بسیار نماند۔ از مغرورانش این نرسنگیان بہ است۔

گنبد خسر و ان پارس را از هر علم و قدری بود، و هر قدر از گرانمایگی گنج گوهری - چوں
دولت از ان خاکنه روسی برافت، و سکندر ابن فیلقوس ایراں دست یافت، کتب نامہ
خسروی بتاریخ رفت - اما آنچه پراگنده بود در گنماں بهر گوشه و کنار داشتند - برجا مانده تا بدین روزگار
پیردنی تازیان در ان کشتش و کوشش از هر جا گرد آمد و فراغ آمد و بفرمان طیفه - افزودنی گلخن
گراباسی (طاهاسی) بغداد شد - هانا احکام آورد برستی هم با دوز بازگشت - زبان دران
عرب پارسی را به تازی آیمختد، و زبانے تازه برنگیمختد - اکنون کیست تا بیاں زبان کسن
حقن درست تواند گفت، و از ان دیریں آئیں برستی خبر تواند داد و پند و مهندی ایں راز را
کام دل بر نیاید؛ و سن ضامن که هر چه پس از فراوان جستجو فرام آرد - نه انچنان باشد که
دل بیاں توان نهاد.

دیگر آنچه کلب شکبار بیاں رفته که نتجی از گفتار نادر و اسے خود بر نگارم، و نختی از بجا
خود برگزاردم - اندیشه را به لب گزمین و خرد را به بیگفت زار (در عمل تعجب) انگند.

پلکیم از دل و جانے که در باطن است ستم رسیده یکے نا امیدار یکے

از چه بیاں آرد ز دم و مرا ایں پایہ از کجا باشد که ستودگان مرا ستایند، و گفتار مرا در تذکره
شعرا جا دهند - از فرجام فرمندی هستی (یعنی از شان و شکوه هستی) و سرور برگ پیدائی -
که نزد آشکارا بیناں زنده زوال، و بوالا دید یکتا گزیناں (یعنی قائلان و مدحت وجود) نوز
بے بودست - آنچه بمن داده اند زبانے ست یا فراموشست و خاصیت بیوده پوسے.

من هم از بے یارگی چوں کودکان که دیم از برفال سازند و به گنبد داری نازند سروده زباں

و پیویدہ خاصہ را (یعنی کلایم خود را) پاید پاره ہم بستہ و نیزہ و نیزہ گیارہ (دو) ہمایون نامہ زلف
کہ دل از تاب اند و فوار دانی آں خوں مست و دیوانستہ ترتیب داد و دیوانہ بجا نیکو
یاراں فرستادہ ام بزرگانے کہ پریش غالب مستند زوے کہ نہ سواد پر غریب
خوابند از اں اوراق بردارند کہ انتخاب و انتخاب اشعار و ادب را سے اند کہ در
نکبت مذکورہ) است بہنہ باشا و ایماے مخور۔۔۔۔۔ اما اگر گزشتہ مثل منور
ہوس است، خود ایں مایہیں ست کہ چوں در جریہ آں فن ازین سخن راستہ سخن را
در ستایش من ہیں گوئے بگری نشاندہ کہ از کسان روزگار و یکسان دلی را اولی
ایست کا فوج را، دیگریت مسلمان تھا کہ از غلط نامی غالب تخلص میکنند و میں
ترا شمی نماید۔

خوسندی غالب ہر ذریعہ گفتن یک بار بفرمے کہ اسے چکن یا
پہناں ناما د کہ در اصل آفریش از دودہ روز فرورنگان، و مقلد بہت برنگان
در دے ہی نادیدہ کسم، آرایش سخن پیش (یعنی بر طرف) ترک نہ آدم، و شب
با فراسیاب و تنگ سے پیوند بزرگان من اذ انجا کہ اسلجیواں پیوند ہم گری را
و بہرہ دولت ایناں را بہ سردری و سپیدی افراتہند۔ بعد سپی شلک و چو چاہی
آں گروہ (یعنی سلجوقی) چون نامہ دانی (کسا و باری) و بیوانی روے آوردہ سے
ذوق رہنری و غارتگری از جاے بردہ و طاقتہ را کشادری پیشہ گشت۔ نیاکان مرا
تورای زمیں۔ شہر سمرقند آراشگاہ شد۔ از اں میانہ نیاسے من از پر خود بخیرہ آہنگ بہ

کرد، و بلا هوَر همراهی معین الملک گزید چون بساط دولت معین الملک در نوشتند -
 بهر بی آمد، و با و ذوالفقار الدوله میرزا محبت خاں بهادر پیوست. زان پس پدرم عبدالقدیر بیگ
 خاں شهاب جهان آباد بوجور آمد، و من به اکبر آباد. چون پنج سال از عمر من گذشت. پیر ادا
 سرمه سایه برگرفت. غم من نصر الله بیگ خاں چون خواست که مرا به بازار پرورد - ناگاه گمش
 فرزادم. کما بیش پنج سال پس از گذشتن برادر پنهان میسر برادر برداشت، و مرادیرین
 خرابه جاتنها گذشت. و این حادثه که مرانثانه جاں گدازی و گرد و راکینه بازی بود
 در سال هزار و هشت صد و شصت و سیوی بهنگام بهنگامه لشکر آرائی و کشور کشانی مصمّم الدوله
 جرنیل لارڈ لیک بهادر بروئے کار آمد چون غم مرحوم از دولتیان دولت اہل فرنگ، و با
 بنوی چار صد سوار برکاب مصمّم الدوله، با سرکشاں سرگرم جنگ بود، و ہم از بخشش بیای
 سرکار انگیزی و پر گنہ سیر حاصل از مضافات اکبر آباد به جاگیر داشت. سپہ سالار سرکار
 انگلیشہ به خوں بهاسے آفتاب (یعنی نصر الله بیگ خاں) کلیہ تارگدایاں را چرانغ، و ما
 بیندایاں را بعض جاگیر بشاہرہ از خار غایب جوئے وجہ معاش فراغ بخشید تا امروز
 کہ شمارہ نفس شماری زندگانی به چل و چار میرسد. بدایاں را تہمہ خرسندم، و بدایاں یہ قانع
 در سخن ادب و ورش یا فنگان میدا فیاضم، و سواد معنی را بفریغ گوهر خویش روشن کردم
 از پنج آفریدہ حق آموزگاریم به گردن، و بار بخت رہنمایم بردوش نیست -

غالب به گزند و دودہ زاد شتم
 چوں فت پستہ ی زدم چنگ شمع
 زان و بجای دہم نیست دُغم
 شد تیر شکستہ دنیا گان قتل

تاسہ پیاں رسید، و شرم پراگندہ گوئی و دراز نفسی بر سن آستلم کرد و دیدہ وراں دانند
 کہ گفتنی فراواں بود، و افسانہ پریشاں تا کجا اندک گفتے، و گفتار را از درازی نگاہ شستے
 مراد را بچند رفت گناہے نیست۔ و اگر خود گناہ است، دوست کریم است و کرم غم خوار۔ و ہستام
 منشی جو اہر سنگہ جو بہر تخلص کے باپ راے چچمل دہلوی نے مرزا کو جیکوہ کلکتے
 میں ہیں ایک رئیس کی نسبت جو اپنے باپ کی جگہ مستنشین ہوا ہے۔ لکھا ہے کہ وہ حکیمانہ
 طریقہ رکھتا ہے اور سخاوت اسکی جہلت میں ہے۔ اسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں وہ ایک
 گفتی فغانی روش حکیمانہ دارد، و دنیا را کار آہا گامی گذارد۔ با ایں ہمدانہ و ہنای کی خندہ ام
 در گرفت، و عنان ضبط خویش از کفم بدر رفت۔ نہانی کہ برا سپان باد ز قمار نشستن، و
 گردا گردہ مردم را پیشاپیش دوانیدن، تن ما بلیاس ز نگارنگ بر آراستن، و وعدہ را
 بہ الوان خوردن ہما متلی گردانیدن، شہوہ از اندازہ بیرون راندن، و غبار عصیت بزرگ
 افشانیدن، از حکمایا یہ، و زہر شکاں را نشاید۔ کار و انشوراں چیست؟ و دراز آبادی و دین
 کو ہے نشستن، و از شش جہت در بردے غلایق بستن، تن را بر ریافت فرسودن، و
 یماں را بچرخی پالودن۔ ہر کہ حکیم خود گزین ست کار و بارش این ست۔ بے برگ نو آئے
 از شکوہ گوناگوں حسرت بد رختہ یہ فراخ تاسے سرخوشی دستی رسیدہ است، از کجا کہ آردہ
 دبا طبع کریم نبود۔ ہنوز اوعیہ منی از ریح غلیظہ صالحہ کبدیہ متلی وارد، ہر آئینہ بفرمان باد
 ست۔ روزے چند باش تا بنگری گرہ بر کیسہ ز رزناں، و در حسرت زہر تلک کردہ زاری
 کناس۔ ایں کہ فغان و ہماں را از ترخویشتن راندہ است۔ حقا کہ روسے در مسئلہ

نہداشت، وہرچہ کرد از بخیزدی و ایلی کرد۔ چہ۔ اگر دانا بودے، و خرد داشتے۔ آناں را کہ
 رازہ است نہ راز نہ سے، و کارہا از آناں گرفتے۔ و ایناں را کہ با خود در یک پیر بن جادوہ
 است۔ چوں بنار از دامن افشانده؛ و ہرگز ہوا سے ایناں نہ رفتے۔ کو دکی و بیاصلی
 و رزیدہ؛ مگر دسایم صاحبزادگی و ولیعیدی آناں دے پرداشت، و با ایناں نہتے رام بود
 آناں دل بدیں خیرگی خالی کردن، و در دام ایناں بدیں کوری در آمدن۔ نہ بفرمانش
 ست نہ بفرمان بنیش؛ حکیم کرا میگوئی؛ و کرم پیشہ کرا میخوانی۔ + + + چوں سخن بدیں
 اب بسیارست نامہ بدعا ختم می کنم۔ دیدہ زشتیہ دست و دل را دانتے سودمند روزی باد۔
 مولوی محمد علی خاں صدر امین باندہ جن سے مرزا باندے میں ملکر کھلتے روانہ ہوئے
 ہیں۔ کھلتے میں پتھر انکو سفر کی تمام روٹ دکھائی ہے اسکے آخر میں کہتے ہیں در روز شنبہ
 چارم شعبان پارہ از روز برآمدہ در کھلتے رسید۔ غریب نواز یہاں سے واپس بے منت رانام
 کہ در پیش دیار فائدہ چنانکہ باید، و ہرگونہ آسائش را بکار آید؛ ہم اورا باندازہ فراغ خاطر از کابل
 فٹائے، و ہم اندر دماندہ دہاں از دنیا طلباں بیت الخلاء سے؛ در گوشہ صحن پر از آب شیریں
 چاہے اور طرب بام در خور اہل تنعم آرامگاہ ہے۔ بے آنکہ جستجوئے رود، یا گفتگوئے شود میت
 و بے زحمت بکرایہ دہ روپیہ یا مانہ بہم رسید؛ و اکدم و چاروارا تیکہ گاؤں آتش گردید۔ و روز
 از پنج راہ آسودہ منشور لامع النور (یعنی سفارش نامہ مولوی محمد علی خاں) را شعلہ را و عرسا
 ساختم، و در کشتی نشستہ آہنگ ہنگلی بند کر دہم۔ لطف ملاقات نواب علی اکبر خاں طلباں
 از لوم کہ مرا از بخت عجب آمد۔ رو است؛ و اگر گویم کہ مرا برین بر شک آورد نیز جادو و جادہ بیکہ

خرد آفریده دزد و ربرگزیدہ۔ بدیں گرانمایگی و صاحب دلی در بنگا کہ دیگرے نخواستہ بود۔ یارب ایس
 کو بہر گرامی از کدام کان ست۔ و ایس گرامی گو بہر گرامی ذات (از کدام ایس دو دواں۔ بارے
 چون کشیش محبت بود۔ بچارہ جوئی و مصلحت پرسی در دوسر ندوم، ددوسہ ساعت نشسته بنگر
 باز آمدم۔ آفخ را فوس (کہ دیریں۔ در ذاتواب را با احکام ہنگلی در خصوص زینے کہ وقت نام بارہ
 است معارضہ در پیش و دل سرگرم فکر کار خوش است۔ و بشد در افاقہ
 ہمہ۔ امانتی حسرت دنیا دیدم چوں بمشرت کدہ گبر و مسلمان فتم
 روزگار فرما نہر و بخت فرماں پذیر باد۔

ایک اور خط میں مولوی صاحب مدوح کو دیگر حالات کے بعد کلکتے کے مشاعروں
 اور اپنے معترضوں کا حال اس طرح لکھتے ہیں کہ از نوادہ حالات اینکہ سخنو راں و کتہ زبان
 ایس بقعہ پس از درد و خاکسار بزم سخن آراستہ بودند۔ در ہر ماہ بخشی اگر نیزی روز کیشنبہ و غنیش
 سخنگویاں در مدرسہ سرکار پستی فراہم شدہ سے، و قولہا سے ہندی و فارسی خواندہ سے۔
 ناگاہ گراں مایہ مردے کہ از ہرات بفارت رسیدہ است و راں انجن می رسد، و اشعار مرا
 شنودہ بیابگ بلندی شاید، ویر کلام نادرہ گویاں ایس قلم و قلم با سے زیر لبی می فرماید۔ چل
 طبلع بالذات مفتون خود نمائی ست ہنگناں حسد می برند، و کلاناں انجن و فرزاگان
 فن بر دو بیت من اعتراض نادرست بر آورده آں را شہرت می دہند۔ و بے اکہ مرا
 زبان بپایہ سخ آشنا شود۔ از وانشوراں۔ کہ مخدومی و ملاذی نواب علی اکبر خاں و مکر می طعای
 مولوی محمد حسن از انا متہ۔ جو اہامی یا بند، و پس زانو سے خموشی سے نشیتند۔ چنانچہ ہم

یہ فرمان ایسے دہنبر گوار مشنوں کے انشا کردہ ام، و بعد از انظار عجیب و نکسا پر خویش جوابا سے
 اعتراض درال ایات موزوں ساختہ؛ و اُن مشنوی (یعنی مشنوی باو مخالفت) پسندیدہ مطبع
 مالے افتادہ است. انشا اللہ العظیم زیں بعد عن یقین کہ یہ والا خدمت خواہر رسید و رتے
 آراں ایات در نور و آں خواہد بود،

نواب ضیاء الدین احمد خاں اکبر آباد گئے ہوئے میں مرزا آنکھوائے قدیم وطن اکبر آباد
 کی یاد میں دلی سے اس طرح لکھتے ہیں: "جان برادر! اشک و آہ غالب نامراد، یعنی
 آب دہواے اکبر آباد بہ شماسازگار باد، گرفتہ کہ خود را بسفر گرفتہ (یعنی فرض کردہ اید) و نزد
 خود (یعنی بدانت خود) از سن دور تر رفتہ آید؛ اما چوں ہنوزم در وطنید، ہمانا کہ نزدیک
 ہستید، شادم کہ شوق دور اندیش دیدہ و دل را دریں سفر با شما فرستادہ ام، ہمدیں غربت
 (یعنی درد ملی) داو شادمانی دیدار و وطن نیز تو انم داوہ. زمینہار اکبر آباد را بچشم کم (یعنی چشم خارت)
 نگزد، و از رگنہ رہاے آں دیار الحفیظ گوئی، و الا ان سراسے، گذر نہ بد کہ آں آباد چہ ویراں
 آں ویرانہ آباد بازی گا و بچوں مجنونی، و ہنوز آں بقعہ را در ہر کتب خاک چشمہ رفونی ست.
 بے بود کہ در آں سرزمین جز مہر گیا (نام ستی) نہ رستے، و بیچ نہال جز دل باز نہا در رستہ
 نسیم صبح در آں گلگدہ (یعنی اگرہ) بہستانہ و زمین دلہار آں مایہ از جا براگینتہ (یعنی بشورش
 آردے) کہ در ناں را ہواے صبحی از سر، و پارسایاں را یت نما از منیر فرورختے. چہرہ
 نہ خاک آں گل زمیں را از تن پیاسے بود دلنشیں، و ہر برگ آں گلستاں را از جاں
 نہ دے بود خاطر نشاں؛ اما تا زگی و تہ شمارا در نظر داشتہ در و پردہ شور پریشاں گنجینہ بود،

چشم بر او داشت کہ کے نویند، دور رخ کسب گاہ متو متند کہ خوش نکلین یعنی اسپ نکلین
کہ ورا کہرا باد معروف است، و عا کے مرا یکدام او پذیرفت؛ و دریا پیا سح سلام من زبان من
چہ گفت؟

نواب عبداللہ خاں صدر الصدر میرٹھ برادر نواب محمد سعید خاں مرحوم رئیس رام پور کے
مرزا کو لکھا ہے کہ میں مہرج کی شان میں قصیدہ لکھ کر اس زمانے میں مرزا پریشان بست میں اس کے
آنکے جواب میں لکھتے ہیں: وہ تمام بلند مقام کہ سر انجام قصیدہ از غالب بے نوا چشم داشتہ اند
مگر ان فرسودہ رواں افسردہ دل را کہ ہنوز نہ مژدہ است۔ زندہ پنداشتہ اند۔

گمان زیت بود بر منت زبیر دی بہت مرگ دے بہتر از گمان زیت
کاش کشائش ایں کارچوں صنعت نقاشی و گلستہ بندی تہا بکشش دست و بازو صورت
بستے، تا چشم از خستگی دل پوشیدے، و فرماں پذیرانہ در پر دازش کار کو شیدے، چہ کم ہوں برین
رشتہ در دست دل ست۔ تا دل بر جا کے نباشد ندیاں سخن سرا کے نہا شد۔ دیدہ دوران
صاحب دل دانند کہ چہ قدر با دیدہ و دل بہم آئینہ شود، تا نقشے۔ بیاں شگنی کہ بالغ نظر ان
پسند نہ آئینہ شود۔ ایں دل شکستہ بہم نہ پیوستہ کہ در سینہ من، و ہرانا دشمن درینہ من ست۔
ز نہار بکار سخن گستری نیاید، و معنی آفرینی را شاید۔ + + +

قاضی عبدالحمید ریلوی نے کچھ غزلیں اول ہی مرتبہ اصلاح کے لئے بھیجی ہیں ان کے
جواب میں اصلاح کے متعلق لکھتے ہیں: دو خواہش حکمت و اصلاح مہر افروز، چندا کہ دیدہ و
سدا و دو ختم نازیبا صورت کے منظر در نیامد، بخار و روش خود از شیر و ماے درونی ست۔ آ کرے

نے خامہ ورنہ ان ہر کس خراسے دیگر دارد۔ آموزش را دیں پرده را نیست و اگر گویند
ہست، ہر آئینہ سے تو انم گفت کہ نیست مگر تیشنی و ہنرانی آموزگار و بستر دین را از کار
در سترہ کردن گفتار۔ چوں صحبت صورت ندارد، و گفتہ آمد کہ ہر جہ بہر لفظ گفتہ اند نہ غلط گفتہ اند
می باید حلقہ بر در دل نژدہ و ہست از مبنای قیاض در یوزہ کرد۔ یکتہ مشق، و فراوانی در شہ
و پیروی را ہر دان راہ واں، کشایش ہا رو سے خواہد نمود و اندیشہ را دستگاہ و گفتار
را سرمایہ خواہد افزود،

مولانا فضل حق مرحوم کو ایک خط میں خط نہ بھیجنے کی شکایت لکھی ہے اور ایک قصیدہ
جو حمد میں عرفی کے سب سے پہلے قصیدے پر لکھا ہے خط کے ساتھ بھیجا ہے اور اسکی
داد چاہی ہے وہ خط بھیجنے لکھا جاتا ہے ”سبحان اللہ! بآلک از فراسخ گفتگاہم، و دہم
کہ دوست مرا بہ دو جو بلکہ نیم خس بزرگیر۔ ہر گاہ باز وادان آہنگ گلہ رو سے ارم، و ہستم
کہاں پر وہ (یعنی نغمہ) را بے پردہ (یعنی بے تکلف) می توانم سرود، و از قہر ماں اندیشہ
دور باشی (یعنی اتنا سے) در میاں نیست۔ ہر آئینہ سبب شادمانی کہ ہنوز ہم بادوست
دوسے سننے ہست۔ آنچنان برونشیتن سے بالکم کہ غم جاں گداز فراموشی فراموشی، و لباز
بفرستہ کہ دل در بندہ سرودن آست (یعنی شکایت) خاموشی می گردد۔

از خوشن بدوق جنا با تو سانیتم باادگر ساز کا با تو سانیتم
دیں روزیاد ہوا سے آں در سر قناد کہ تھے چند در توحید جیبا یعنی گنتہ آید۔ چوں
لش اندیشہ یہاں سے رسید کہ نہ عرفی و نقل ماندا و نہ مرا تبا سے مانگن یاں ابیات را برکت

عزمتہ میدارم کہ چوں من صد و چوں عرفی صد ہزار را بہ سخن پرورش تواند کرد، و پایہ ہر یک بہر یک تواند نمود۔ والسلام

یہاں تک ہم نے مرزا کے مکاتبات میں سے جو بجائے خود ایک دفتر طویل الذیل ہے کسی قدر صاف اور سلیس عبارتیں انتخاب کر کے لکھی ہیں اگرچہ اس قسم کی اور بہت عبارتیں اور خطوط مرزا کے مکاتبات میں سے انتخاب ہو سکتے ہیں مگر کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا ہے اس لئے ہم اسی قدر تبلیل پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس انتخاب کے بعد ہکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان مشہور استادوں اور شاعروں میں سے جن سے ہندوستان کے لوگ بخوبی واقف ہیں چند مضمون کی نشر کا مقابلہ مرزا کی نشر سے اس طرح کیا جائے کہ جو عبارتیں مرزا اور دیگر اشخاص کی نشروں میں متحدہ المضمون پائی جائیں انکو ایک دوسرے کے محاذی لکھ دیا جائے اور اس بات کا اندازہ کرنا کہ کون سا بیان کس پایہ کا ہے اور کون سا کس درجے کا۔ ناظرین کے ذوق و وجدان پر چھوڑ دیا جائے۔

سب سے پہلے ہم دو متحدہ المضمون مقام سہ مشر اور مہر نیروز سے نقل کرتے ہیں جنکی نے دوسری نشریں ابراہیم عادل شاہ والی بجا پور کی نو صفتیں الگ الگ بیان کی ہیں جن میں سب سے اول معرفت الہی کا ذکر کیا ہے اور شاعرانہ خیالات کے ساتھ اپنے مدوح کو اس صفت سے موصوف کیا ہے۔ مرزا نے نیروز کے دیباچے میں حمد و ثناء کے بعد بہادر شاہ مرحوم کی وجہ کے موقع پر اپنے شاعرانہ انداز میں انکو بادشاہی اور درویشی کا

جامع قرار دیا ہے اور مثل بنوی کے نظم و شعر و نویس یہ معنون ادا کیا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں کتابوں سے وہ مقامات مقابل یکہ کر نقل کرتے ہیں۔

غالب فہوری

آباداری لفظ و معنی چہشت تنای تارکندہ
 اگر تکی نیل خرمینی از ہریم عادل شاد را مراد شایم
 بہر وقت یگانہ و ممتاز گردانیدہ اول محرف
 کہ با وجود حجب کثرت در شاہدہ شاہرہ وحدت
 معنی کا ہم معجز نظام اور گرفت انظار اندازد تو
 پینیا، وصف حال او ساختہ گلستانیت
 در بستان عقیدتش از حسن و خاشاک شک و شبہ
 پراختہ مجموعہ عرفان موقد اس فروے از
 و فقر شناسائش، عفت و استقامت اسوے
 پسندیدہ طبع ترا سائش، بتوضیح بیانش
 نشانماے بے نشان یعنی ذات بی نشان
 ہمہ دلشیں و خاطر نشان، یہ اقبال جان گرد
 تاکید نظر بر دو بیناں مینداختن، و مقبول
 تہذیب بہ احوال اخلاصاں سپرداختن۔ زرارہ

از انجا کہ بعد ہر دو طبع دیگرست، پس از ہر انجام
 سرانجامے جداگانہ ہر ہر حد ہر اسے دیگرست
 یعنی اسے دیگر از اسامے اسی (دور ہر وقت و تہذیب
 کشائش طلسمے دیگر فرقہ از دی (شان اسی) کہ چند
 را بنام آدمی شکوہ خرد غنا از سیا در خیدے، و اندک
 را بہ نشانندی فقر و خافروغ بخشیدے۔ منظرے
 کامل و مڑاتے روشن خواست تا در اس منظر منور
 بہر دو رنگ، و در اس طرقت رؤیت بہر دو صورت یکبارہ
 رود نہ۔ اورنگ و منبر کی شد، و دو سادہ و تجاود
 دوئی از میان رفت، و درفش کاویانی (کہ نشان پادشاهی
 ست) از عصا و درہا کہ ہر دو شمار در دیشاں ہر دو
 درفش جمع اکبرہ، ہشت پذیرفت کہ یہ یعنی من بہر دو
 اس و خرد باز بستہ است، و عصا و درفش اس پاس
 گفت کہ دیں صفی (یعنی در درفش) نقش جمعیت با

ظہوری

با بیٹہ نہ پیوند نیست کہ گنجشش پرکشش
 کشیشاں (یعنی قتیلاں) نہ خندد، و کفر را
 با ایمان نہ سرسبست کہ صدا عیش صدای چاره
 از پیشانی بر ہنماں نبرد۔ از صد توجہ
 مدوی در کی گزینہ، وہ علامت تجریش خودی
 در توی آویختہ، گوشے حق شنو، چہ حق ہیں
 دے حق جو، خاطرے عرفاں را، سینہ
 معرفت خیز مار کے آسماں سا، جیسہ
 سجدہ ریز۔

مثنوی

پاسے رفعت بر آسماں دارد
 سر خدمت بر آسماں دارد
 در عبادت ہر گشتن و دین
 طرز او طرز حق پرستیدن
 غلبت دیگران و صحبت او
 وحدت این دکان و کثرت او

غالب

رسانشہ است، یکدگر خوردن این دو قلع یعنی
 فقر و سلطنت) مجمع البحرینے پیدا کرد، و سر ہم آوردن
 اس دو قوس نش داورہ پیدا کرد، از سر جوش فروغ
 مرہاہ بافتن درن و پا آوردن و شترن یکے ساتھ
 و ہر پنج گزہ ہر چشم ہر باز پرین پزن ہاں یکے پسند خندہ
 سرش را بتاج شاہی افروختہ و دوش را بنور الی افروختہ
 نہ ہے در انجمن خلوت نشیں، و پادشاہی کارگی
 گوین۔ پادشاہاں در انجمن نماں کھلا گاہ و دہا پختہ
 و کاراگاہاں در خلوت نماں پادشاہ فیض انداختہ۔

مثنوی

اسے کہ از راز نیاں آگہ نہ
 دم فزن از رہ کہ مرد رہ نہ
 در ہزاراں مرد مرد رہ کیست
 آدمی بسیار آنا شہ کیست
 در تو سے پرسی کہ مرد راہ کیست
 جز سراج الدین بہادر شاہ کیست

۱۰ مثنوی مثنوی کا شعر ہے جس کی رائے کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ

ظہوری

در دلش این دامن گنج
 هیچ جزئی در آن سے گنج
 بہت شکن گشت چوں غلغلہ
 بادش ازانی اعتقاد درست
 کفر در فکر محبت مسرہاں
 شرک در فکر نیست ایناں
 نیستش لاج خواہ نیست
 نیستش پادشاہ نیست
 در جہاد زہمت نمودی
 بندگی در خور محبت نمودی
 سرحدت بہتر نزد از پوست
 ہم آذ کرد خویش را ہم دوست

غالب

در طریقت رہنما ہے بہر طوا
 در خلافت پیشوا ہے خسرواں
 آنکہ چوں از راز وحدت دم زند
 و قبر کون و مکان برہم زند
 آنکہ چوں در نئے نور آمد مرد
 نے شود تنھے کہ شبلی بردہ
 شبلی از منبر دہ آواز عشق
 شاہ ما بر تخت گوید راز عشق
 عشق دلدادہ پایہ ہر کس نگاہ
 منبر از شبلی و تخت از پادشاہ
 انجہ ابراہیم اہم یا فہست
 جد ترک مستحکم یا فہست
 شاہ اوارد بہم در ہر دی
 خرقہ پیری و لاج خسروی
 شاہی و درویشی اینجا باہم است
 پادشاہ و عہد طلب عالم است

شیخ علی حزیں اور مرزا کے طرزِ بیان کا مقابلہ

شیخ نے جو اپنے دیوان کا دیباچہ لکھا ہے اسیں وہ فخریہ فقرے جو آئے اپنے دیوان اور اپنے کلام کی شان میں لکھتے ہیں اسی قسم کے فقرے مرزا نے بھی دیوان فارسی کے دیباچے میں انشائے ہیں۔ سودو نو دیباچوں میں سے ہم ملتے جلتے فقرے انتخاب کر کے اس مقام پر مقابلہ کر لیتے ہیں۔

غالب

حزیں

بنام ایزد نخستین تعابست از روی شاد بہر بہشت کز	ہایوں خطہ است لبالب از جواہر کلہ و جواہر کلہ
معنی مجنبتش نسیم بر آقاوہ ؛ یعنی کناکشت دست	روح پرور ہوایش ربیعی اعتدال و جداول
ناکشیدہ ۔ باز میں چراغیت از گرمی چراغان	سطور شادمانہیں مالا مال خاکش شگفتیں
نیم سوختہ پہلوئج بہ افروفتن دادہ ؛ یعنی دلاخ	و شمیمش عنبر گیس ، آتش خار شکن و شمیم
مشت خست نا دیدہ کمن داغنا سے جنون ست	میس آئیں از مسبو جی فیضی کہ ساتی کلکش مسبودہ
سراسر بناخن شوخی نفس خراشیدہ ۔ گروا گرم	سیاہ متابِ حردن سرد کنار ہم غنودہ اند ، واز
خونابہ در دست تہ لب پستانی دل ناگہ از بہر	نشتہ ہوش پردازے کہ دستِ نکرت در جام و سبک
تراویدہ ۔ کاغذی پیر نہانند (یعنی داوخواہانند)	انفاکش ریختہ ۔ خردستانِ معنی نشید شوق مسرودہ
۴۴ الفاظ کو اس لئے کہ وہ کاغذ پر رقم ہیں کاغذی پیرس کہا	بنام ایزد حسنِ لیلی ست کہ از طربِ حیان الفاظ
ہے اور کاغذی پیر بن داوخواہ کہتے ہیں دوسرے فقرے ہیں	سر بر زوہ در جلوہ گرمی ست ، یا شور مجنبت
مسانی کو کہنے کا بھی روخی حردن کی سیاہی میں پوشیدہ ہے	کہ از دادی تفسیرہ دل بر خاستہ در پردہ درست
مثیل کہتے اور یہ پوش کہا ہے ۱۱	

خریں

بوستانے ست از گل پیرہتاں در موج ،
 نگارستانے ست سیس بدناش فوج در فوج .
 سہی پکرائند در خیابان سطور و شادوش ،
 آسماں شیوہ دلہرائند از بادۂ ناز گرم و شادوش .
 ہمازک بنائند جہاں پروردہ گل پیرہتاں ،
 تہاگرد بخت مفراتند بر شستہ پوست ،
 میگاہ نظر آتند آتشادوست ، صوفیاتند در
 وحدت قمار عشق مست سماع ، تو نگاتند
 سپند آساست و ذراع در دیش آتند
 تجربہ و کیش ، فروکشائند از ہمہ در پیش .
 شیر صولتائند از جوشن خطا پنگینہ پوش ،
 در یاد آتند از شورش عشق در جوش و
 خروش . آیتہ پکرائند آیتہ تاب ،
 پاکیزہ گوہرائند کیسہ خوشاب گلبرگہاے
 شبنم زود بہاری ست ، خراشیدہ ہالہاے
 بیل شاخسار است .

غالب

چوں پیکر تصویر از حیرت واقعہ خاموش رہی ،
 اپنی بے قدری سے حیران ہیں شمل کیناں گاتند
 دہنی قرا و یاتند چوں آواز دود و دل سیر پیش ،
 گویم دود و چراغت یا لالہ و دل ع ؛ انا سوختگی را
 سرگزشت است و خستگی را رویداد ، گویم تجلی و طو
 یا جنت دور ؛ انا زش را ظلمت و آتش
 را سود (نوح) طلسم شعور و دوست باز بستہ شد
 خیال ؛ شعلا پناں ، دود و پیدہ اول لوح طلسم
 و زبان طلسم کشا ، ہنگامہ ابرو باو بستہ بر آئینہ یاد و فکر
 ابرگہایش ، و باد الماس نشان ، اندیشہ طور و زینک
 دل افروز خوش ، دود کہا میت باز پنج و تاجے کہ
 شعور دل افتادہ است ، براہو اتق بستہ خیل غراستہ
 بسا مان خستہ کہ در کیس گاہ رودادہ است از
 دام بد چستہ جمالیست در پردہ نمایش خویش نشانہ
 حقیقی را ستایش نگاہ نہاے ست در سایہ و منہ
 خویش تھلکند آندل را سپاس گزار .

مرزا اور ابوالفضل کی طرز بیان کا مقابلہ

مرزا نے مہر نیمہ و زمیں اکثر تاریخی واقعات وہی لکھے ہیں جو شیخ کے اکبر نامہ میں مذکور ہیں؛ مگر چونکہ مرزا نے اُن واقعات کو کسی قدر کی بیشی اور قدیم و اخیر کے ساتھ اپنی خاص طرز میں لکھا ہے اس لئے دونوں کتابوں کی طرز بیان میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ہم یہاں ایک سیدھا سادہ واقعہ دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔

اکبر نامہ

مہر نیمہ و زمیں

<p>ترک بزرگترین فرزند ان یافت بود ترکاں اور یافت اوغلاں گویند و بہوشیار دلی و کارگزاری و عیت پیا از ہمہ برادران امتیاز داشت بعد از ولایت پدر بر تخت فرمانروائی نشست، و داد مردمی و مردانگی و مظلوم پرستی داد و در جائے کبریاں اور اسیلول باسیلیکانی می گفتند، و چشمہ ہاسے آب سرد خوشگوار و گرم عافیت بخش و مرغزار ہاسے دلکش داشت۔ اقامت فرمودہ۔ از چوٹ</p>	<p>ترک ابن یافت نشانِ جہانگیری یافت و ترکاں اس والا شکوہ را۔ اناں رو کہ بترکی شہر بار جواں را اوغلاں گویند۔ یافت اوغلاں گفتند۔ داد و دانش آئین داشت و دریں ہر دو شیوہ روشہاے گویں داشت۔ غانی و مہربانی را فرہنگ ہا پدید آورد، و فرمانہی و فرمانبری را اندازہ بر نہاد۔ ترہنگ و سیلول باسیلیقا را۔ کہ چشمہ ہاسے روان و گل و میوہ فراوان داشت۔ از بہر آراش گزیدہ از نہانے و علف و چوب و گیاه نشین ہا افزائے، و پوست دام و دود را پوشش تن ساختہ۔ گویند نمک برد ز گار و سے پدید آمد و در نہانان میش ترہ و گوشت ہچماں بے نمک ہی خوردند۔ ترکاں شمشیر زن را بقرانِ فرزائے شیرانگن (یعنی یافت اوغلاں)</p>
--	--

اکبرنامه	مهرتخو
<p>۱۰ خانه اختراع کرد، و خرگاه ابدی آورد. و از پوست بهائم و سباع اسب پوشیدنی و دخت. و نمک در بن اوظا هر شد. و در آیین او آن بود که پسر را جز شمشیر میراث ندادند و تمام خواسته دختر را باشد. و گویند که او معاویه کویرث اول ملوک عجم است آری سلاطین ترکستان است. و عمر او دویست و چهل سال بود همه خاں بهترین فرزندان ترکی بود. چو پایانه زندگی ترک بر شد رفت او را بمشورت بزرگان به مست سلطنت نشاند. و او خرد ز بر پس را پیشوا سے خود ساخت بعد الت گستری روزگار گذرانند پس پیر شد عزت اختیار نمود</p>	<p>بزرگان (و ستور) و قرارداد آن بود که از آن همه برگ و ساز که از فرود مرد می (میراث) بازماند جز شمشیر و پسر نهند و همه بقدر باز گذارند که هر آئینه تیغ جوهر دار فرود فرست گنجینه سیم و زر بلکه کلید بستج هفت کشور است. اگر برین پلارک الماس گوی دسترس ست فردا دست مایه ناز بس است. با لجمه این همه رسم و آئین نهاد و پایان کار پس از دوست و چهل ساله بیداری بخوابد عدم سر بر زمین نهاد. بزرگان دوده پس از یافت او غلام، و فرزند بخت بلندش المیحه خاں چشم روشنی گشتند. گلچ کج نهاد و راستی پیشه گزید. بری پیرامون دانش نگذاشته، و با بیدار هم زبان گشته. آزاد گرد و بود و دل بیاد بزرگان در گرد داشت. تاج و تیغ و گیس در زندگانی خویش، به نوباد باغ کامرانی خویش و سیاحتی خاں جواں بخت نوجواں سپرد خواندیس خازن را دامن بر چید. و با فرین خانه که توان را معصوم گویی آرمید. و دو صد و پنج سال پاره بنوداری اقبال پاره پیر ذوالجلال در جهان گذران ماند و بهنگام ناگزیر در گذشت و سیاحتی خاں که هم در نظرگاه و پراورنگ ای بود. و از یک</p>

اکبرنامه	مہر فیروز
<p>و بیابانچی بعد از غلبت پدر و اشارت عالیش فرمان برد شد کیوک خاں قزنبه رسید ارست پرش و بیگام پرید کردن جہاں سریر خانی باو عنایت فرمود او قدر سلطنت را دانست در لوازم آن اہتمام بجای آورد النجمہ خاں پسر اوست در آخر عمر پدر و لیعهد شد و داد داد و دہش را از اندازہ بیرون برد و دترکاں در زمان دولت او مست دولت شدہ از او جزوئی عدول نمودند و چون مدتی براں بگذشت او را دو پسر بیک شکم آمد کیے را منخل نام کرد دیگر را تمار و چون</p>	<p>را بہ نعلی مادہ آراست اما پراں دانشوری و داد کہ جز دانش نہ حبت و جز داد نہ کرد و روزنامہ عمرش رقم یک صد و ہشتاد و شش سالگی پذیرفت و نوشتن و بارنامہ کجکلی و گردنکشی بنام پسر فرخ اخترش کیوک خاں نوشتند ستودہ ستایش و خورکارا گاہی آبروی پادشاہی افزود و یک صد و چیل سال زمرگ امان یافت و فرزند تاز شاہی نشان یافت جہاں از خوشی و شہودی جہانیا را بہرہ آردم نگاہ داشت سرانجام کار جہان و جہانیان را بنظر خویش النجمہ خاں گذاشت و بر دوستی دریا کفت و داد پدید نیخشی ابر گردان بود و شش را بر دوشی داد و فرزندش (زیر دستان) را بہ دوش از خواہش بی نیاز ساخت و سبکراں پای بر دوش (یعنی بہ کبر و غور) از جا رفتند و از دائرہ کیش و نشین بدرزدند و آراشداد (یعنی انتقام) کنار گرفت و بیت پرستی صورت پذیرفت و باتوی این فرمانرواے بابرگ و نواد و پسر توام ملا و از نگ نشین (یعنی النہاں) کیے را منخل خاں و دیگرے را تمار خاں نام نهاد</p>

اکبرنامه

مهرنیمروز

<p> همه در آستانه پرورد چوں به برنائی رسید قلم و خوشن را و دینیم کرده نیمه به مثل و نیمه به تا تا را تا نزد کرد و خود بکشد و سبت و هفت سال در گیتی درنگ و زبیده سپی رفتگان برداشت الله الله ای را نیز چوں روز فرورفتگان دیگر روز فرورفت ریزد آں برگ و این گل افشانند هم خزان هم بهار در گذرست </p>	<p> همه کاروانی رسیدند ملک خود را به دو حصه بخش کرد یک نصف را به مثل داد و نصف دیگر را تا تا را و چوں پدر بزرگوار ایشان دوست حیات سپرد فرزندان با یکدیگر موافقت نموده هر کدام در ولایت خویش خود آرائی می کردند </p>
--	---

حالت

مرزا غالب مرحوم کی لائف اور اُنکے کلام کا انتخاب جس قدر کیا گیا اسکا کھانا مقصود تھا۔ ختم ہو گیا، مگر ابھی چند ضروری باتیں لکھنی باقی ہیں۔ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کتاب اُن تصنیفات میں شمار نہیں ہو سکتی جسکی پہل ملک میں ضرورت سمجھی جاتی ہے؛ اور جو اہل وطن کی موسمی بیماریوں کے لئے براہ راست دوا اور علاج کا کام دے سکتی ہیں۔ کیونکہ اس معنون کے لکھنے پر ہکوارس انڈی اور بہری دیوی نے مجبور کیا ہے جسکی ذبردستی اور حکومت کے آگے مصالحت اندیشی کے پر جلتے ہیں۔

ستاد سخن میر سدا ز دل بلب ما عشق ست کہ برستہ زبان ادب ما
 راتم کو مرزا کے کلام کے ساتھ جو قطعات بد شعور سے آج تک برابر چلا جاتا ہے اسکو چاہو اس متقدمانہ جوشِ غضبیت کا نتیجہ سمجھو جو انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے، اور پھر اس یقین کا ثمر و خیال کرو جو نہایت زبردست شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے۔
 بہر تقدیر یہی وہ چیز تھی جسے ہکوارس کتاب کے لکھنے پر نامادہ کیا۔ پس نہ ہکوار دعویٰ ہے کہ ہنر اس تالیف سے پہلک کی کسی بڑی ضرورت کو رفع کیا ہے؛ اور نہ یہ خیال ہے کہ محض ملک کی خیر خواہی اسکے لکھنے کا باعث ہوئی ہے۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ جو کام محض

طبیعت کے اقتضا سے نہ کہ عقل کی صوابدید سے سرانجام کیا جائے اُس سے لوگوں کو بواسطہ یا بلا واسطہ کسی طرح کچھ فائدہ نہ پہنچے، ہوا جو اپنی موج میں چلتی ہے، اور دریا جو اپنے جوش میں بہتا ہے۔ گو انکو خود خبر نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انکی سعی محض بے حاصل اور انکی کوشش سراسر بے سود ہے۔ اسی طرح کوئی ذرہ ذرات عالم میں ایسا نہیں جو اپنی اضطراری حرکت سے نظام کلی میں کچھ نہ کچھ دخل نہ رکھتا ہو۔

اے تو کہ بیچ ذرہ راجزبرہ تو دنیست و رطلت تو اں رقت باد یہ راہ ہستی
یا دگار غالب کو بہنے دو حصوں پر منقسم کیا ہے، پہلے حصے میں مرزا کی لافٹ مینی انکی زندگی کے حالات اور انکے اخلاق و عادات کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں انکے کلام کا انتخاب ہے۔ اگرچہ مرزا کی لافٹ میں جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کوئی متم نشان واقعہ انکی شاعری و انشایہ رازنی کے سوا انہیں پایا جاتا، باہانہ نہیں بہت سی مفید نصیحتیں بھی اہل وطن کے لئے موجود ہیں۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ مرزا پانچ برس کے تھے جب باپ کا، اور نو برس کے تھے جب چچا کا انتقال ہوا۔ انکی تنہاں جہاں انھوں نے پرورش اور نشوونما پائی۔ اسودہ مال تھی۔ باپ اور چچا کے صغیر سن چھوڑ جانے سے نانا اور نانی کی لافٹ اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہوگی۔ خود مرزا کی طبیعت میں گرمی اور جدت کی ایک آگ بھری ہوئی تھی جسکے بھڑکانے کے لئے تھوڑی سی اشتعال کافی تھی۔ باپ اور چچا کا

سایہ تربیت، بچپن میں سر سے اٹھ جانا، تخیال کی مرتد الحالی، نمانائی کی نادر دارلہ
 اور خود مرزا کا ذہنی الجھن ہونا، یہ تمام اسباب ایسے تھے کہ عقائد ان شباب میں انکا بادیہ
 سے تباہ و زخم کرنا نہایت دشوار تھا۔ مرزا کی ابتدا بگڑی اور ایسی بگڑی کہ جب تک تخیال
 کی تمام املاک اور دیہات کی صفائی نہ ہوئی تھی ہرن نہوئے۔ اگرچہ مرزا بہت دیر میں
 سینہلے گردہ جو مشہور ہے کہ ”صبح کا بھولا شام کو آجائے تو بھولا نہ جانو“ انھوں نے
 اپنے فضل و کمال، حسن معاشرت، شرفیادہ خصائل، اور کربانہ اخلاق سے جو کہ
 انکے ذاتی جوہر تھے۔ وہ عارضی وجہ سے اس طرح دھوڑا لے کر گویا کبھی ان سے وہیں آکر
 نہوا تھا۔ جس فن پر انھوں نے لڑکپن میں ہاتھ ڈالا تھا اسکو اخیر عمر تک نبھا دیا،
 عقلیت اور بدستی کے عالم میں بھی اسکا خیال نہ چھوڑا، اور باوجودیکہ زمانہ قدردانوں کے
 خالی تھا اسکو اس وجہ تک پہنچا کر چھوڑا جو اسکا منہا کے کمال تھا۔
 اگرچہ معاش کی طرف سے وہ کبھی زیادہ تنگ نہیں ہوئے مگر حوصلہ اور ہمت کے
 موافق کبھی استطاعت نصیب نہیں ہوئی، بلکہ جن آستے تللوں میں بچپن اور جوانی گزری
 تھی اسکے لحاظ سے یہ کتنا چاہئے کہ وہ اخیر دم تک خورجید الگور میں مبتلا رہے۔ اسکے سوا
 امراض جسمانی سے کبھی فرصت نہیں ملی اور اپنے ہنر کی کساد بازاری کا بچ ہمیشہ وہاں رہا
 رہا۔ باوجود اسکے زندہ دلی اور شگفتہ طبیعت کے وہ کم انکی رفیق حال رہی۔ اگرچہ
 نظم و نشر میں جو زار نالیاں انھوں نے کی ہیں وہ بظاہر بے صبری اور تنگ حوصلگی
 پر۔ جو ایک اخلاقی کمزوری ہے۔ دلالت کرتی ہیں؛ لیکن درحقیقت یہ انکی شاعری و

اوشا پر وادی کے میدانوں میں سے ایک میدان تھا جکی زمین اُنکے پانچوں لوگ گئی تھی۔
 اول تو خود یہ مضمون ہی ایشیائی شاعری کا جزو اعظم ہے؛ دوسرے ہر شاعر ایک خاص
 راگنی کا کلاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کے شعراء میں امر القیس گھڑے اور عورت
 کی تعریف اور عیش کے بیان میں مشہور تھا، اسے حسن طلب اور صفت شراب میں
 ضرب المثل تھا اور اسی طرح ہر شاعر کی شہرت کسی خاص بیان کے ساتھ مخصوص تھی۔
 علی ہذا القیاس ایران میں فردوسی رزم کا دھنی تھا، نظامی بزم کا، اور سعدی
 معرفت کا۔ چونکہ مرزا خاں صکر یخ و مصیبت کے بیان میں یہ فرسے رکھتے تھے اس لئے
 یہ مضمون اکثر اُن کے قلم سے تراوش کرتا تھا۔

اگرچہ مرزا اپنی شاعری کا سکہ اس وجہ سے کہ زائد اسکا اندازہ کرنے سے عاجز
 تھا پہلک کے دلوں پر جیسا کہ چاہئے تھا نہیں بٹھا سکے؛ مگر دصحت اخلاق حسن
 معاشرت اور صلح کل سے اُنھوں نے ایک عالم کو مستحضر کیا تھا۔ قطع نظر شاگردوں
 و پیروں کے دوستوں اور ہوا خواہوں کی تعداد بھی سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں
 پہنچ گئی تھی؛ اور ہر ایک کے ساتھ اُنکے بڑاؤ کا طریقہ ایسا ہر انگیز تھا کہ ہر شخص
 اپنے تئیں اُنکے مخصوص ترین دوستوں میں سے شمار کرتا تھا۔ غیبوں اور محتاجوں کی
 فی دسترس سے بڑھ کر خبر لیتی، نوکروں اور لگے بندھوں کو عسرت کے وقت اپنے
 ترغیظ و نہ کرنا، درامدی میں دوستوں کی امداد کرنی اور اُنکی مصیبت پر شل جانوں کے
 اسوس اور اُنکے ساتھ ہمدردی کرنا، ہر حال میں باس وضع اور خود داری کو اتار دینے

نہ دینا، غریبی، تعصبات سے پاک ہونا اور ہر مذہب و ملت کے دوستوں کے ساتھ کیا
 صفائی اور خلوص سے ملنا، یہ اور اسی قسم کی وہ تمام خوبیاں جو دارالخلافت کی قیام
 سوسائٹی کا زیور سمجھی جاتی تھیں انکی ذات میں جمع تھیں۔ خصوصاً دفا داری، خوشنمائی
 اور احسان مندی کی شریف خصلت جو ہندوستان کے قدیم خاندانوں کا شعار تھا مرزا
 کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر جبری تھی۔ چونکہ انکے چچا نصر اللہ بیگ خاں لارڈ لیکس
 کی مہمات میں شریک رہے تھے اور انکی وفات کے بعد گورنمنٹ نے انکے پس منہوں
 کے لئے۔ جنس سے ایک مرزا بھی تھے۔ کئی ہزار روپیہ سالانہ پینشن کے مقرر کر دیا تھا
 مرزا نے۔ جیسا کہ انکی تحریرات سے ظاہر ہے۔ اخیر عمر تک گورنمنٹ کے اس احسان کو
 فراموش نہیں کیا۔ تمام عمر ملکہ مظفر اور دایراؤں اور فٹنٹ گورنروں اور دیگر مالکوں اور
 افسروں اور تمام انگلش قوم کی صبح سرائی میں بسر کی، بعض افسروں کی وفات پر
 درود ناک مرثیے لکھے اور ہمیشہ محضر کے ساتھ اپنے تئیں وابستگان دامن دولت انگلیشیہ
 سے جگتے رہے۔ غدر کے زمانے میں فوج باغی کے ظلم و ستم سے جو اثر انکے دل پر
 ہوا تھا وہ انکی کتاب دستبوس۔ جو غدر کے حالات پر اسی شورش و فتنہ کے زمانے
 میں انھوں نے لکھی تھی۔ ظاہر ہے۔ سلسلہ امیں ولیم فرزیر صاحب رزیڈنٹ و کیشنر
 دہلی کے بے گناہ مارے جانے پر جو سخت صدمہ اٹھو پہنچا تھا وہ انکے اس خط سے جو
 شیخ امام بخش تاج کو اس واقعہ کے ہوتے ہی انھوں نے لکھا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ ان
 خط میں لکھتے ہیں ”کیے از شکران نا خدا ترس کہ بعد از اب ایوی گرفتار باد ولیم فرزیر

روزِ بسترِ دہلی وغالبِ مغلوبِ رائے رفتی ہو۔۔۔ در شبِ تاریک بے ضربِ تنگ کشت، و مرا
 ہر گاہِ پرتازہ کرد۔۔۔ دل از جا سے رفت، و سترگ اندوہ سے سراپا سے اندیشہ افزا گرفت
 رہن آرمیدگی پاکِ بسوخت، و نقشِ امید از صفوِ ضمیرِ سراسر سترہ شد،

اگرچہ مرزا کے کلام میں مدحیہ قصائد کی مقدار تمام اصنافِ سخن سے زیادہ معلوم
 تی ہے اور انہوں نے بایجا اس بات پر افسوس کیا ہے کہ عمر کا بہت بڑا حصہ
 جاہ کی بھٹی میں صرف ہوا، مگر ادنیٰ تاقل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو فن مرزا نے
 تیار کیا تھا اسکی تکمیل انکے زمانے کے خیالات کے موافق زیادہ تر اس خاص صنف
 فی قصیدے کی مشق و مہارت پر موقوف تھی؛ کیونکہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی صنف
 سے ہوئی اور کوئی شاعر جسے قصیدے میں کمال بہم نہیں پہنچا یا وہ مسلم الثبوت نہیں سمجھا
 یہاں تک کہ حکیم سنائی، شیخ سعیدی، اور امیر خسرو جیسے بزرگوں کا دامن بھی اس لوہی
 پاک نہیں رہا۔ خود مرزا کا قول تھا کہ جو قصیدہ نہیں لکھ سکتا اسکو شعرا میں شمار کرنا
 چاہئے اور اسی بنا پر وہ شیخ ابراہیم ذوق کو پورا شاعر اور شاہ نصیر کو ادا حورا
 نہ تھے۔ بڑی دلیل اس بات کی کہ مرزا نے جس قدر قصیدے اہل دنیا کی مدح
 و انشائے ہیں ان سے محض فن کی تکمیل مقصود تھی۔ یہ ہے کہ انکا مدح و تحامیل
 ہی ہوا نہ ہو، اور اس سے حسنِ کلام کی داد ملنے کی توقع ہو یا نہ ہو۔ وہ ہمیشہ قصیدوں
 کے سر انجام کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرتے تھے اور ہر قصیدے میں اپنا
 مالِ شاعری اسی طرح ظاہر کرتے تھے جیسے تہمتی۔ سیف الدولہ کی یا عرفی فاتحہ

کی تعریف میں کرتا تھا۔ مع ذلک چند قصیدوں کے سوا۔ جو دوستوں کی ترغیب و
تحریریں سے انہوں نے کسی امید یا توقع پر ہندوستان کے بعض زمینوں کی بیج
میں لگتے ہیں۔ باقی ان کے تمام قصائد یا توحید و نفی و مثبت میں ہیں۔ یا اپنے معزز
اور لائق ہم مصروف کی تعریف میں، اور یا ان لوگوں کی شان میں جنکو وہ اپنا مرئی
اور ولی نعمت سمجھتے تھے اور جنکی روح سرانی کا فرض بطور شکرگزاری و شمع پرستی میں
صلہ و انعام ادا کرتے تھے؛ جیسے قلمہ دہلی کے بادشاہ و ولیعہد، یا ملکہ معظمہ اور اہل
کشور ہند اور دیگر اعیان و ارکان سلطنت انگلشیہ، یا فرزندایان ریاست رام پور
والور وغیرہ۔

بایںہم جس مؤثر طریقے سے مرزا نے اہل دنیا کی روح سرانی پر افسوس کیا ہے
وہ ملاحظہ کے قابل ہے۔ وہ دیوان فارسی کے دیباچے میں اپنی شاعری کے
متعلق بہت سے فخریہ فقرے لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ وہ اس کے بال بالا خوانی
زودہ و درادائے کہ خود را بہ شکر فی ستودہ ام دینی جس دیوان پر ہیں نے اس قدر
فخر کیا ہے نیمہ ازاں شاہرہ باندی ست یعنی ہو پرستی (اس سے مراد غول سرانی ہے)
و نیمہ دیگر تو نگرستانی ست یعنی باد خوانی (اس سے مراد قصیدہ گوئی ہے) بیدار ہیں
کہ ہر جاہر شانہ۔ خے از زلف مرغولہ مویاں کشودہ شود بکا درین آویزد و ادل بیچاک
اں شکن بندے؛ و خواری نگر، کہ ہر گاہ از خود غافل و از خدا فارغے براونگ سردی
کج نشیند ہوش مرا بر آئینہ زمانہ پیش بندہ در راست استے شادام از آزادی کہ با سخن بہار

مشتبازں گرا دسٹم؛ و دا غم از آذ مندی کہ ور تے چند بکروار دنیا طلباں در وح اہل یاد
 سیاہ کر دسٹم۔ در یفا کہ عمر سبک سیر نختے بہ چاہتہ و چنگ سر آمد؛ و پارہ بدرغ و درین غمت
 میاں تک جو کچھ کہ مرزا کی لاف کے متعلق ہو لکھنا تھا لکھا گیا۔ اب ہم چند سطریں
 لکھنے کلام کے انتخاب کی نسبت لکھتی چاہتے ہیں۔

ہم نے اس کتاب میں۔ جیسا کہ مکرر بیان ہو چکا ہے۔ مرزا کے کلام کا انتخاب صرف
 اس غرض سے درج کیا ہے کہ شاعری و انشا پر دازی کی غیر معمولی استعداد جو مرزا کی
 ت میں رکھی گئی تھی۔ جہاں تک کہ انکی نظم و نثر اس پر شہادت دے سکتی ہے۔
 صاحبانِ ذوقِ سلیم پر واضح و لالچ ہو جائے۔ اگرچہ فی الحقیقہ طریقہ مذکور سے اس غرض
 پر اہونا نہایت دشوار ہے لیکن اگر بالفرض اسکا پورا ہونا تسلیم کیا جائے تو بھی
 اہر اس سے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

زمانہ حال کی ترقیات نے جس طرح علمی دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا ہے اس طرح
 سچ کی حالت بہت کچھ بدل ڈالی ہے۔ قدیم طریقے کی شاعری داگرچہ ابھی تک اسکا
 اہم بدل پیدا نہیں ہوا، روز بروز نظروں سے گرتی جاتی ہے۔ نظم و نثر میں بجاے
 الفاظ اور محض خیالی باتوں کے سادگی اور حقیقت طرازی کی طرف طبیعتوں کا میل
 زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ جو باتیں پہلے محاسنِ کلام میں داخل تھیں اب انہیں سے
 ر خل عیوب سمجھی جاتی ہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں قدیم لٹریچر کا قسط ابھی بہت کم
 ہے اور پبلک کا مذاق عام طور پر نہیں بدلا مگر زمانے کا نرخ قدیم شاہراہ سے

یقیناً پھر گیا ہے؛ اور آئندہ تمام ممالکوں کو جو بس داوی میں قدم رکھنے والے ہیں
 زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا ضرور ہے۔ پس اگر مرزا کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا شاعر
 فرض کر لیا جائے تو بھی اس زمانے میں انکی نظم و شعر کے نوٹے پبلک کے سامنے
 پیش کرنے اور انکے مبلغ کمال کو لوگوں سے روشناس کرانا بظاہر ایک ایسا کام معلوم
 ہوتا ہے جس کا وقت گزر گیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زمانہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے
 اسکو قدیم فنون سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہو سکتا؛ خصوصاً ہندوستان کی
 لٹریچر ترقی جس قدر مشرقی زبانوں کے قدیم لٹریچر سے وابستہ ہے ایسی اور کچھ
 موجودہ لٹریچر سے نہیں ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے بعض نامور شعرا مشرقی
 شاعروں کے کلام سے اب تک استفادہ حاصل کرتے اور اس سے صدیوں پہلے
 بیان اخذ کرتے ہیں تو ہمارے ہموطن کیونکر اس سے استغنا کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟
 جس طرح زمانہ حال کے انجینئر قدیم عمارتوں اور پرانے کھنڈروں سے انجینئرنگ کے
 متعلق صدی مفید نتیجے استخراج کرتے ہیں اسی طرح اس زمانے کے ناظم اور ناظر قدیم
 لٹریچر سے بہت کچھ لٹریچری فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمنے مانا کہ انگلش لٹریچر کی
 ترقی منہاں کمال کو پہنچ گئی ہے اور ہمارے لٹریچر نے اسی کی بدولت کچھ عرصے
 سے آگے قدم بڑھانا شروع کیا ہے مگر جب تک لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ ہمارا انگلش لٹریچر
 کون سی باتیں اخذ کرتی چاہئیں اور اپنے قدیم مشرقی لٹریچر سے کیا سبق لینا چاہئے
 اسوقت تک ہمارا لٹریچر اصلی ترقی سے محروم رہیگا۔

مرزا کے فارسی کلام کا نمونہ جو ہم نے اس کتاب میں دکھایا ہے اگرچہ ممکن ہے کہ وہ زمانہ حال کے مذاق کے موافق نہ ہو لیکن اس سے مرزا کے کمالی شاعری میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خود ایران کے بڑے بڑے نامور شعرا جو اپنے زمانے میں سہم اثبوت تھے آج اہل زبان انکی طرز شاعری کو نام رکھتے ہیں؛ خصوصاً متوسطین کے طبقے میں جو لوگ جامی کے بعد ہوئے ہیں اور جنہیں تقریباً وہ تمام شعرا داخل ہیں جنہوں نے صفویہ اور مغلیہ کے عہد حکومت میں ایران یا ہندوستان میں علم اتیاز بند کیا تھا انکی شاعری کو جیسا کہ رضا قلی خان ہدایت نے اپنے تذکرہ مجمع الفعسای میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ آج اہل زبان میں کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ سب قدما کی روش کو پسند کرتے ہیں اور انہیں کے متبع کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ متوسطین کے طبقے میں بڑے بڑے نامور شعرا گذرے ہیں جنکے کمال اور استاد کی انکار نہیں ہو سکتا۔ پس درحقیقت کیسی شاعری یا اتنا پروازی کا پبلک کے موجودہ مذاق کے خلاف ہوتا اسکے سوا کچھ معنی نہیں رکھتا کہ جو شے پہلے ایک خاص وضع کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی وہ اب دوسری وضع کے سانچے میں نہیں سما سکتی۔

اگرچہ مرزا کی شاعری نے شعراے متوسطین کے محدود دائرے سے قدم باہر نہیں رکھا؛ وہی چند میدان جن میں انہوں نے گھوڑے دوڑائے تھے ہمیشہ مرزا کو جولا نگاہ رہے؛ لیکن جس درجے کا ملکہ شاعری انکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اس سے پایا جاتا ہے کہ جس طرح دریا سے تواج پدھر تریخ کرتا ہے اودھر اپنا رستہ پر نکالتا چلا جاتا ہے

اسی طرح وہ جس میدان میں قدم رکھتے اُسکو کامیابی کے ساتھ طے کر جاتے، وہی بارود جو آتشبازی میں پتھروں کا جی بھجاتی ہے جب اُسکو دوسری طرح کام میں لایا جاتا ہے تو بڑے بڑے قلعوں اور پہاڑوں کو پرکاہ کی طرح اڑا دیتی ہے۔ اور وہی ایک چیز تھی جسے کمیس مرث اجباب کے قلعوں اور امیروں کے درباروں کو گرم کیا اور کمیس ملکوں اور قوموں میں ختب وطن اور قومی ہمدردی کی آگ لگا دی۔

اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری کسی خاص زمانہ یا خاص ملک کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا؛ پس یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ شاعری کی اعلیٰ قابلیت جیسی قدما میں ہوتی تھی ویسی متاخرین میں نہیں ہو سکتی؛ یا جیسی ایران کے شعرا میں ہوتی ہے ویسی ہندوستان کے شعرا میں نہیں ہوتی۔ ملکہ شاعری کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسی مصوری کی قابلیت یا سر ملی آواز؛ جس طرح ان دونوں صفوں کا ہر زمانے اور ہر ملک میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر پایا جانا ممکن ہے اسی طرح اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا ملکہ شاعری ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف اسباب سے مختلف صورتوں اور مختلف شانوں میں نمود کرتا ہے؛ اور سب سے بڑا اور زبردست حاکم جو شاعر کو ایک خاص رنگ پر ڈال دیتا ہے وہ سوسائٹی کا دباؤ اور اسکا مذاق ہے۔ انہیں اسی ملکہ شاعر کے ساتھ جو اسکی طبیعت میں پیدا کیا گیا تھا اگر چوتھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتا، اور اسی سوسائٹی میں نشوونما پاتا، جیسے فردوسی نے نشوونما پائی تھی تو ہمارے نزدیک اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ رزمیہ نظم میں وہی رہنما بنا جو فردوسی

نے پایا تھا؛ اور فردوسی اسی اعلیٰ قابلیت کے ساتھ جو قدرت نے اُسکے دماغ میں ودیعت کی تھی۔ اگر ہندوستان کی اس سوسائٹی کے سائے میں پتا جو انیس کو میسر آئی تھی تو یقیناً وہ شاعری میں وہی صنف اختیار کرتا جو انیس نے اختیار کی تھی اور اس میں انیس سے کچھ زیادہ قبولیت حاصل نہ کرتا۔ اسی بنا پر ایران کا ایک شاہ آخر شاعر کہتا ہے۔

نیست اندر زمانہ محمودے ورنہ ہر گوشہ صد چو عشر نیست
اور اسی اصول پر غالب مرحوم کہتے ہیں۔

تو اسے کہ نحو سن گسترانِ شیشینی مباحث منکرِ غالب کے درِ مذہبست
مرزا نے جس وقت شعر فارسی کے میدان میں قدم رکھا تھا اس وقت ہندوستان میں دو طرزوں کا زیادہ رواج تھا؛ ایک نظیری و عرفی وغیرہ کی طرز جو اکبر کے زمانے سے چلی آتی تھی؛ دوسری مرزا بیدل کی طرز جو مالگیر کے عہد میں شایع ہوئی اور علوی و صیبائی پر اکر ختم ہو گئی۔ جو لوگ شعر فارسی میں کمال بہم پہنچانا چاہتے تھے وہ انہیں دونوں سے کوئی طرز اختیار کرتے تھے۔ اگرچہ حافظ اور خسرو کی غزل اُن سے بہت زیادہ مقبول خاص و عام تھی مگر اُن وجوہات سے جو متاخرین کو طرزِ جدید اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور جن کا ذکر ہم دوسرے صفحے میں کر چکے ہیں۔ مرزا نے اول بیدل کی روش پر چلنا شروع کیا؛ پھر اس نظر سے کہ اہل زبان اس طرز کو نکال باہر خیال کرتے تھے۔ نظیری و عرفی کی

طرز اختیار کی۔ ظاہر ہے کہ ایک ہندی شاعر جو ایسے ناپرسا زمانے میں پیدا ہوا ہے اور جس نے فارسی شاعری میں نظری دعویٰ وغیرہ کے کلام سے بہتر کوئی ممکن اقلیدہ نمونہ نہ دیکھا ہو۔ وہ سوائے کہ ان کا اتباع اختیار کرے اور کیا کر سکتا تھا۔ رہی بات کہ اس نے اس طرز شاعری میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے اور ان لوگوں کی پسندی کا کہاں تک حق ادا کیا ہے۔ سوائے اس طرح ثابت کرنا تو ناممکن ہے جیسے دو اور دو چار، البتہ جو لوگ شعر فارسی کا صحیح مذاق رکھتے ہیں وہ اکبری دورہ کے شعر اور مرزا کے کلام کا مقابلہ کرنے کے بعد امید ہے کہ مرزا کی اعلیٰ درجے کی قابلیت و استعداد کا اعتراف کرینگے، اور اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زمانے کا اقتضا اور سوسائٹی کا دباؤ تھا شخص کو جس روش پر ڈال دیتا وہ ضرور اُنہیں کامیاب ہوتا۔ چنانچہ اخیر عمر میں جب حبیب قافانی کے قصائد مرزا کی نظر سے گزرے تو اُنکے کلام کی روانی اور بیانیہ پن دیکھ کر اُنکو قافانی کی روش پر چلنے کا خیال پیدا ہوا تھا، اور اسی لئے اُنکے سب سے پچھلے قصیدوں اور قطعوں میں بہ نسبت پہلے قصائد اور قطعات کے زیادہ روانی اور بیانیہ پن پائی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ اب دوسری چال چلنے کا وقت نہیں رہا تھا اس لئے اس روش کی تکمیل ہونی ناممکن تھی۔

اس کتاب میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہے۔ مرزا کو شاعری کے لحاظ سے جانچا نظری دعویٰ وغیرہم کا۔ جنکو خود مرزا اپنا پیش رو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم پھر قرار دیا گیا ہے سو قطع نظر اسکے کہ کوئی قطعی دلیل اس عرصے پر قائم نہیں ہو سکتی، اور ناظرین کے

ذوق و وجدان کے سوا کوئی چیز اسکا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ یہاں دو اور سوال پیدا ہوتے ہیں؛ اول یہ کہ ایک زبان ان آدمی شاعری میں اہل زبان کے برابر بھیجی جاسکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک پیرو اپنے پیشرووں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ سو دوسرے سوال کا جواب تو بالکل صاف ہے۔ دنیا میں ابتداء سے آج تک نہ صرف شعرو شاعری میں بلکہ ہر علم اور ہر فن اور ہر پیشہ میں کثیر پیرو اپنے پیش روؤں کے صرف برابر ہی نہیں بلکہ ان سے فائق اور افضل ہونے رہے ہیں۔ فردوسی رزمیہ ثنوی میں اسدی اور ذوقی کا پیرو ہے؛ گردنوسے گوے سبقت لے گیا ہے۔ خواجہ حافظ غزل میں سعدی کے قدم بقدم چلے ہیں مگر سعدی سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔ قاضی فصیحہ میں تمام قدما سے بر گیا ہے۔ میر تقی نے تمام اگلے رنجتہ گویوں کو۔ جو یقیناً اسکے پیش رو تھے۔ غزل میں اپنے سے بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ میر انیس تمام مرثیہ گویوں سے جو اس سے پہلے ہوئے۔ بازی لے گئے ہیں۔ پس اگر مرزا غالب کو فارسی شاعری نظیری و عرفی سے افضل نہیں بلکہ صرف ان کا ہم آلہ قرار دیا جائے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

اب پہلا سوال سوظا ہر ہے کہ شاعری کا ہنر دو مختلف یا قوتوں سے مرکب ہے؛ ایک انجینیشن یعنی قوت تخیل کی بلند پروازی، دوسرے مناسب الفاظ کے ہتھمال نہیں سے پہلی یا قوت۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک زبان ان

یہ نسبت اہل زبان کے، ایک کم علم بہ نسبت فاضل متبحر کے، اور ایک دیہاتی گنوار بہ نسبت خواص اہل شہر کے برائے افضل اور اعلیٰ درجے کی رکھتا ہو۔ دوسری نسبت اگرچہ بظاہر اہل زبان کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتی ہے۔ لیکن انہیں بھی مثلاً ایک ہندی نژاد اکتساب کے ذریعے سے خاص کر اس حصہ زبان میں جو فارسی کی محدود شاعری میں مستقل ہے اہل ایران کی برابری کر سکتا ہے۔ علامہ ابن خلدون عربی زبان کی نسبت۔ جو بقابلہ فارسی کے نہایت وسیع زبان ہے لکھتے ہیں کہ وہ ایک عجیب (یعنی غیر عربی) فصحاے عرب کے کلام کی مارت سے اہل زبان میں شمار ہو سکتا ہے۔ پس فارسی زبان جو نسبت عربی کے نہایت تنگ اور مختصر زبان ہے اس بات کے زیادہ قابل ہے کہ ایک ہندی نژاد فصحاے ایران کے کلام کی مزا و امت سے اہل زبان میں شمار کیا جائے۔

مذکورہ بالا اصول کے موافق کچھ شک نہیں کہ ہم اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ مزا کو ملکہ شاعری کے لحاظ سے اکیری دورے کے تمام شاعروں پر ترجیح دیں یا ان سے کم سمجھیں یا ان کے برابر قرار دیں۔ رہی دوسری لیاقت سوائے اسکی نسبت پہلے حصے میں جا بجا ذکر کیا گیا ہے کہ مرزا نے ایک نہایت مستند صاحب زبان کی تعلیم و تلقین اور اپنے ذاتی شخص اور کثرت مطالعہ اور غواصی فکر اور مشق سخن اور خاص کر اپنی خدا داد لطیفی قابلیت سے یقیناً وہ مرتبہ حاصل کر لیا تھا جس سے ایک زبان دان مثل اہل زبان کے مستند سمجھا جاسکتا ہو۔ لارڈ مکالے نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ کوئی شخص غیر عربی زبان

میں اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں ہو سکتا۔ بے شک آنکا ایسا سمجھا اور وہ کی شاعری کے
 لحاظ سے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ یورپ کی شاعری درحقیقت نیچے کی ترجمانی ہے۔
 آنکا میدان اسی قدر وسیع ہے جس قدر نیچے کی فنکار۔ اسکے فرائض مادری زبان کے سوا
 دوسری زبان میں جیسے کہ چاہئیں۔ ادا نہیں ہو سکتے؛ بلکہ ایشیائی شاعر جو اس طریقہ
 شاعری سے بالذہن وہ اپنی مادری زبان میں بھی اسکی شکلات سے عمدہ برائیاں
 ہو سکتے۔ جہاں ایشیائی شاعری اور خاص کر تاتاری کی فارسی شاعری کے کہیاں نہیں
 معمولی خیالات کو چوتھوں تاسید سے سادے طور پر بیان کر گئے ہیں نئے نئے اسلوب اور نئی
 نئی تراکاتوں کے ساتھ باندھنا یہی کمال شاعری سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی فی نفسہ ایک
 بہت بڑا کمال ہے لیکن ایسی شاعری میں زبان کا صرف ایک محدود حصہ مستعمل ہوتا ہے
 جسکو غیر زبان والا آسانی سے سیکھ سکتا ہے اور بشرطیکہ اُممیں شاعری کی اعلیٰ قابلیت
 ہو اسکو شعرا سے اہل زبان کی طرح بلکہ بعض صورتوں میں اُن سے بہتر استعمال
 کر سکتا ہے۔

مرزا کا موازنہ نظیری و عوفی کے ساتھ صرف قصیدے اور غزل میں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ
 مثنوی میں نظیری محض صغر ہے؛ اُسے اس صنف کو چھوڑنا چاہیے۔ عوفی نے بیشک
 بند ثنویاں لکھی ہیں؛ مگر صاحب آئنگدہ نے اُن میں سے صرف ایک کی نسبت لکھا ہے کہ
 ”بہ نغمت است“ اور باقی کی نسبت اُسکا یہ قول ہے کہ ”بسیار بد نغمت“ حکیم ہام کا بیٹا
 حکیم مازق عوفی کی مثنوی کی نسبت لکھتا ہے۔

شنویش طرز فصاحت و بدشت کان نمک بود و ملاحظت بدشت
 البتہ ظہوری کے ساتی نامہ نے ہندوستان میں بہت شہرت حاصل کی ہے
 مگر اسکا قصیدہ چنداں وزن نہیں رکھتا۔ بخلاف مرزا کے کہ اسکو قنوی پر بھی تقریباً
 اسی قدر قدرت ہے جیسی قصیدے اور غزل پر۔ شتریں نظیری و عربی دونوں نے
 کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ البتہ ظہوری کی سہ شکر کو ہندوستان میں بہت فروغ ہوا ہے
 مگر اس میں اول سے آخر تک ایک بے فرو کھانی یعنی ابراہیم عادل شاہ کی مدح و
 ستایش کے سوا دوسرے مضمون کا نام نہیں جس سے کھنے والے کی قدر بیان
 معلوم ہو۔ پس اگر ظہوری کی طرز بیان اور طرز عبارت آرائی کے حسن و قبح سے قطع نظر
 کی جائے تو بھی اس کے حق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اسکو مدحیہ نہ
 لکھنی آجھی آتی تھی۔ بخلاف مرزا کے کہ وہ اپنی طرز خاص میں ہر طرح کے مضامین لکھتے
 اور ہر طرح کے مقاصد ادا کرنے پر یکساں قدرت رکھتا تھا؛ خصوصاً فقر و خود ستائی، غم و
 اندوہ اور شکایت و زاری نامی کے مضامین جس خوبی و لطافت اور باکپن کے ساتھ
 مرزا نے شتریں بیان کئے ہیں اسکی نظیر نہ صرف ہندوستانیوں کی شتریں بلکہ تاجک
 اہل ایران کی شتریں مشکل سے دستیاب ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم یہ باتیں ایسے زمانے
 میں لکھ رہے ہیں کہ گو ہر شخص آزاد می سے اپنی رائے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن فارسی
 زبان ہمارے ملک میں بہتر مردہ زبان کے ہو گئی ہے؛ اور اس لئے لوگوں سے
 اپنے دعوے کے ثبوت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ دیکھو، پڑھو، سمجھو،

اور جانچو۔

انفرن مرزا کی فارسی نظم و نثر کے متعلق ہماری رائے کا حاصل یہ ہے کہ انچ
مرتبہ قصیدہ اور غزل میں عرفی اور نظیری کے لگ بھگ اور ظہوری سے بڑھاپڑ
شعری میں ظہوری کے لگ بھگ اور عرفی و نظیری سے بالا، اور نثر میں تینوں سے
بالا تر ہے۔ اگرچہ مرزا کی غزل میں کہیں کہیں پیچیدگیاں ہیں، اور نثر میں بھی
اکثر فقرے نہایت پیچیدہ نظر آتے ہیں جو ممکن ہے کہ اہل زبان کے نزدیک فصاحت
کے درجے سے گری ہوئے ہوں؛ مگر ایسی کسروں سے کسی زبانداں یا اہل زبان
کا کلام پاک نہیں ہو سکتا؛ اور نہ ہی جزوی فرد گزشتوں سے کیسی استاد میں فرق
آ سکتا ہے و مثلاً ذرا ناقلاً۔

گر سخن اعجاز باشد بے بلند نیست درید بیضا ہمدانگشتا یک نیست

مرزا کے اردو کلام کی نسبت ہم دوسرے جتنے میں بقدر ضرورت بحث کر چکے
ہیں۔ مرزا کا موازنہ شعراے اردو زبان کے ساتھ صرف غزل میں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ
غزل کے سوا دیگر اصناف میں ان کا کلام کانٹا کم نہیں ہے؛ اور اردو کی نثر میں دیگر شعرا
بہتابلہ مرزا کے صفر محض ہیں۔ مرزا کی غزل کا ڈھنگ اگرچہ میر و سودا کی روش نہیں
ہے؛ مگر خواص اہل ملک جو تقلید کی قید سے آزاد ہیں۔ ان کے چیدہ و برگزیدہ اشعار
کو میر و سودا کے انتخاب سے کچھ کم پسند نہیں کرتے۔

مرزا کی نثر اردو نے تمام ہندوستان میں شہرت حاصل کی ہے اور خاص عام

نے بالاتفاق اسکو پسند کیا ہے۔ انہوں نے اردو خط کتابت میں ایک خاص طرز
 ایجاد کی ہے جو تمام ملک میں مقبول ہوئی ہے اور اکثر لوگوں نے اپنی بیاض کے
 موافق اسکی پیروی کی ہے۔

ان تمام باتوں پر نظر کرنے کے بعد مرزا کی نسبت یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا
 کہ لٹریٹی قابلیت کے لحاظ سے مرزا جیسا جامع حیثیات آدمی۔ امیر خسرو اور فیضی
 کے بعد آج تک ہندوستان کی خاک سے نہیں اُٹھا، اور چونکہ زمانے کا رخ بدل رہا ہے
 اس لئے آئندہ بھی یہ امید نہیں ہے کہ قدیم طرز کی شاعری وانشا پردازی میں ایسے
 باکمال لوگ اس سرزمین پر پیدا ہوں گے۔



غلط نامہ یادگار غالب

صحیح	غلط	صفحہ ۲	صفحہ ۱	صحیح	غلط	صفحہ ۲	صفحہ ۱
انحراف	اعتزاز	۱۵	۱۱۹	آگے خدا	خدا	۱۱	۱۲
پنج	نچ	۱۴۲	۱۴۲	شاد	شاہ	۱۰	۲۴
اللہ بس	اللہ	۲	۱۸۵	رہتے تھے	رہتے تھے	۸	۳۱
بیرنگی	بیرنگی	۵	۱۹۲	زبانید	زبانید	۱۰	۳۳
دھکیل	دھکیل	۸	۱۹۵	باؤں برس	باؤں برس	۱۱	۳۴
استوار بیا	استوار بیا	۳	۲۱۰	منقسم	منقسم	۳	۵۱
بیر خیال	بیر خیال	۱۰	۲۳۰	بابل راد	بابل راد	۲	۵۵
خار دہست	خار دہست	۱۶	۲۴۲	انہوں کے	انہوں	۳	۶۴
خوصلہ	خوصلہ	۱۲	۲۶۱	آگے کا آدمی	آدمی	۱۳	۷
بند غم	بند غم	۸	۲۶۸	غلت	غلت	۸	۶۵
طاقت نو	طاقت نو	۶	۲۷۲	بوتن بید	بوتن بید	۱۰	۶۶
نہیں گونہ	نہیں گونہ	۲	۲۸۸	بس سے	جین سے	۱۳	۱۰۲
غلت زار	غلت زار	۱	۲۹۱	نخ	نخ	۶	۱۰۳
جہنم	جہنم	۱۶	۲۹۵	قوم	قدم	۴	۱۱۵
از خود	از خود	۸	۳۰۱	اُس میں	اُسی میں	۱۳	۱۱۶

صحیح	غلط	نمبر	نمبر	صحیح	غلط	نمبر	نمبر
زود	زود	۳	۳۸۰	میزان میں	میزان	۱۳	۳۱۸
امروزے	امروزے	۱۲	۳۸۲	خانہ	خانہ	۴	۳۱۹
خوسند	خوسند	۶	۳۹۱	رخت خواب	رخت	۱۲	"
پرورد	پرورد	۴	۴۰۳	ازیم و تن دل دوست	ازیم و تن دل دوست	۳	۳۳۸
مہر فرورد	مہر فرورد	۱۶	۴۱۰	قلم	قلم	۳	۳۵۵
دہر	دہر	۵	۴۱۱	دُرُق	دُرُق	۵	"
ہوتا	ہوتا	۱۱	۴۲۹	قرار داد	قرار داد	۱۶	۴۷۶

اشہار

ہمارے پاس مندرجہ ذیل کتابیں معتقہ جناب مولوی الطاف حسین صاحب جالی
فروخت کے لئے موجود ہیں جن صاحبوں کو کسی کتاب کا خریدنا منظور ہو اسکی
درخواست ارسال فرمائیں۔ فوراً بذریعہ ویلیو پی ایل پارسل تمیل کی جائیگی۔

نام کتاب	قسم کا عقد	تعداد صفحات	قیمت علاوہ محصول ڈاک
یادگار غالب	جرمن پیپر	چار سو چالیس	۱۰
دیوان حالی مع مقدمہ	سی رام پوری	چار سو ستر	۱۰
"	چکنا دلائی	"	۱۰
مجموعہ نظم حالی	"	ایک سو چالیس	۱۰
شکوہ ہند	"	اٹھائیس	۱۰
سناجات بیوہ	"	چھتیس	۱۰

راہ

سید عبدالعلی از دہلی حویلی میر افضل کوچہ پنڈت